بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ
حدیثِ دلبراں
سوانحِ حیات
اعلیحضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ
مؤلفہ
حاجی فضل احمد مونگہ شرقپوری

فہرست مضامین

حاجی فضل احمد سونگا شرقپوریؒ کی شخصیت کے بارے میں اُن کے قریبی احباب کے تاثرات بھی کتاب کے آخر میں شامل اشاعت کیئے جا رہے ہیں۔

حمدِ باری تعالیٰ

جلّ جلالہٗ ؛ عمّ نوالہٗ ؛ اعظم شانہٗ

ملکا ذکرِ تو گویم کہ تو پاکی و خدائی
نروم جز بہ آں رہ کہ تو آں رہ نمائی

ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درگاہِ تو پویم
ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی

تو خداوند یمینی تو خداوند یساری
تو خداوندِ زمینی تو خداوندِ سمائی

تو زن و جفت نہ جوئی نہ خور و خفت نخواہی
احدا بے زن و جفتی ملکا کامروائی

نہ نیازت بولادت نہ فرزند تو حاجت
تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راعیب تو دانی
ہمہ را رزق رسانی کہ تو موجود عطائی

نہ بری علق تو بودی بجود علق تو باشی
نہ تو خیزی نہ نشینی نہ تو کاہی نہ فراشی

نہ سپہری نہ کوکب نہ بروجی نہ دقائق
نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی

بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی
بری از صورت رنگیں بری از عیب و خطائی

بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مُردن
بری از بیم اُمیدی بری از رنج و بلائی

تو علیمی تو حکیمی تو خبیری تو بصیری
تو نمائندہ فضلی تو سزاوار ثنائی

نتواں وصف تو گفتن کہ تو در وصف نہ گنجی
نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

اَحَدٌ لَیسَ کَمِثلِی صَمَدٌ لَیسَ بِفَردِی
لِمَنِ المُلک تو گوئی کہ سزاوار خدائی

لب و دندان سنائی ہمہ توحید تو گوئی
مگر از آتشِ دوزخ بودش زود رہائی

(حکیم سنائی)

نعت

آقائے دو جہاں سرورِ انس و جاں، مالکِ کون و مکاں، دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل رحمتِ عالم فخرِ آدم و بنی آدم نورِ مجسم حضرت مُحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

بیروں ز حدِ فکر، کمالِ محمد است
عرشِ عظیم زیرِ نعالِ محمد است

ذات نیستَ وجہ بہارِ ریاضِ خلق
فطرت ہمہ قتیلِ جمالِ محمد است

آرامِ روح، راحتِ جاں، رونقِ حیات
از فکر و ذکر و حسنِ خیالِ محمد است

بشنو بہ خلق نیست مثالِ رسولِ حق
خوشتر ز حورِ خلد، بلالِ محمد است

لوح و قلم، سماک و سمک ارض و آسماں
چنداں کہ ہست مال و منالِ محمد است

دانی مگر نہ، کوثر و تسنیم و سلسبیل
یک قطرۂ ز آبِ زلالِ محمد است

ہر ذرۂ مدینہ، قمر ساں، جہاں فروز
روشن تر از لآلی، نعالِ محمد است

صدیق آں رفیقِ نبوت، روانِ عشق
عکسِ جمیلِ صدقِ مقالِ محمد است

فاروقؓ احق نگاہ و حقیقت شناسِ دیں
صمصام و سیفِ جاہ و جلالِ محمد است

عثمانؓ، امیرِ ملکِ حیا، کشتۂ جفا
دریائے جود و فیضِ نوالِ محمد است

مولا علیؓ مرادِ اُمم، بابِ شہرِ علم
سرجلوۂ کرامتِ آلِ محمد است

آں طیبہ و طاہرہ و زاہرہ بتولؓ
فانوسِ نورِ بزمِ جمالِ محمد است

سندانِ صلح و عز و وقارِ ملل حسنؓ
دردانہ ز دُرجِ خصالِ محمد است

حصنِ حصینِ دیں، نگارِ حرم حسینؓ
برقِ صاعقۂ جلالِ محمد است

مشکوٰۃِ علم، غوثِ جلی تاجِ اولیاء
سرمایۂ بہارِ جمالِ محمد است

سلطانِ چشتؒ، شاہِ بخاراؒ و شہروردؒ
ہر یک شہید و شفتۂ قالِ محمد است

در چشمِ اوست ہیچ شکوہِ سکندری
ناظم فقیرِ کوچۂ آلِ محمد است

(بشیر حسین ناظم)

منقبت در شان جنید دوراں سرکار سیدنا اعلیحضرت

میاں شیر محمد شیر ربانی شرقپوریؒ

اے ساقیٔ رحیقِ خمستانِ اولیاء

اے کعبۂ حریم و شبستانِ اولیاء
اے مظہرِ جمالِ نبیؐ شانِ اولیاء

اے فخرِ نقشبندِ جہاں' خواجۂ زماں
ممدوحِ اولیائے زمن جانِ اولیاء

اقلیمِ اولیاء زِ وجودت مکرم است
اے از تو آشکار و عیاں آنِ اولیاء

عالم ہمہ زِ بوئے فیوضت معطر است
مملوز نکہتِ تو گلستانِ اولیاء

چوں حق تُرا بہ زمرہ لاخوفون شمرد
گفتند اولیاء کہ توئی کانِ اولیاء

طے زا نوئے تلمذِ ارشاد کردہ اند
پیشِ تو رہبران و نقیبانِ اولیأ

یک جرعہ زِ جامِ محبت بدہ مرا
اے ساقیٔ رحیقِ خمستانِ اولیاء

اے آنکہ نامِ پاک تو شیر محمدؐ است
حقا کہ توئی شیرِ نیستانِ اولیأ

ناظمِ چہ باک چاکرِ شیر محمد ام !
کردست حق مرا ز محبانِ اولیاء

(بشیر حسین ناظم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

بتوفیق خدائے جہان آفرین وخالق آسمان وزمین!

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

بیحد حمد اور مدح اس واجب الوجود کے لئے سزاوار ہے جس نے تمام اشیاء کو وجود عطا کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنی ذات کو جلوہ نما کیا۔ درحقیقت ہر چیز میں اسی کے صفاتی جلوے نظر آتے ہیں اور بے نہایت درود اس اشرف المخلوقات وخلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ تمام دنیا اسی ذات اقدس کا پرتو ہے اور اس کی آل واصحاب پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

وجہ تالیف وترتیب

میرے پیرومرشد مخدوم ومحترم برادر شیر ربانی حضرت قبلہ میاں غلام اللہ صاحب ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ فدوی کے والد حاجی فضل الٰہی موونگا رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کے متعلق متعدد کتب لکھی گئیں لیکن جس جامعیت اور کمال کی آپؒ کی ذات تھی اس حیثیت کی کوئی کتاب احاطہ تحریر میں نہیں آئی۔ آپؒ کی ذات ستودہ صفات پر ایسی جامع تصنیف

ہونی چاہیے جس میں صرف اور صرف سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ ہی کی زندگی کے واقعات وحالات اور کمالات پر قلم اٹھایا جائے۔اس میں نہ تو ذاتی حال وکیفیات کا بیان ہو اور نہ ہی آں جناب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات وواقعات کو دیگر حضرات کے واقعات وحالات کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔

حضور قبلہ ثانی لاثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے "فضل الٰہی! دل تو چاہتا ہے کہ تم اور میں دونوں اپنے مشاہدات کی روشنی میں کسی اور کی روایت لئے بغیر سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح قلمبند کریں"۔لیکن قدرت کو شاید یہ منظور نہ تھا اس سے قبل کہ آپ کی مذکورہ خواہش کی تکمیل ہو شہباز لامکانی حضرت قبلہ ثانی لاثانی رحمتہ اللہ علیہ اس دار فانی سے اپنی اصل منزل کی طرف انتقال فرما گئے۔

استاذ العلما محدث پاکستان حضرت قبلہ مولانا محمد سردار احمد صاحب فیصل آبادی رحمتہ اللہ علیہ کو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حاجی فضل الٰہی صاحب جب جذب وشوق میں ڈوب کر ذوق وانہماک سے اپنے دل پذیر انداز میں اپنے شیخ کی کرامات وواقعات بیان کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیان کردہ واقعہ حقیقتاً ہمارے سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔حضرت قبلہ شیخ الحدیث فرماتے۔"اے کاش ایسے میں کوئی ہو جو حاجی صاحب سے مذکورہ واقعات کو ساتھ ساتھ قلم بند کرتا جائے"۔نیز فرماتے اپنے پیر خانہ کے متعلق جو فدایانہ رویہ میں نے حاجی فضل الٰہی میں دیکھا ہے بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آیا۔

مجاہد وقلندر واعظ شیریں مقال خطیب بے مثال مولانا غلام محمد ترنم امرتسری خطیب جامع مسجد سیکرٹریٹ لاہور والد صاحب قبلہ کے عزیز ترین دوستوں میں سے

تھے۔ مولانا ترنم امرتسری نہ صرف بیباک و بے خوف واعظ تھے جن کی بارعب کڑکدار سچی اور کھری تقریریں سن کر جابر حاکم اور بڑے دل گردہ والے انسان بھی دم بخود رہ جاتے تھے۔ بلکہ وہ ایک نغز گو شاعر بھی تھے۔ جن کا شمار ملک کے نامور اساتذہ میں نمایاں تھا۔

مجھے بھی ایام جوانی میں جب ''شعر'' کہنے کا شوق چرایا تو ترنم صاحب سے ہی اشعار میں اصلاح لی۔ حضرت مولانا ترنم امرتسری نے شعر وادب کے رموز و اسرار اور قواعد و ضوابط سمجھاتے ہوئے فدوی سے فرمایا۔ ''تم ایک کاروباری تاجر برادری سے تعلق رکھتے ہو تجارتی گتھیاں اور جھنجھٹ سلجھاتے سلجھاتے شعر وادب کی دنیا میں کتنا چل سکو گے اور پھر تم نے کون سے دیوان چھپوانے ہیں۔ تمہارا شوق مسلم! لیکن میری ایک نصیحت پر غور کرو اور اپنی عاقبت اور توشۂ آخرت کے لیے ہی کچھ کام کر جاؤ وہ یہ کہ تمہارے والد حاجی فضل الٰہی نے زندگی کا ایک حصہ پیر روشن ضمیر، اسوہ حسنہ کی عملی تفسیر قطب الاقطاب غوث زماں، جنید وقت شیر ربّانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارا ہے اور سرکار کی قربتوں میں رہ کر آپ کو نزدیک سے دیکھا ہے۔ وہ جب احباب کی مجلس میں سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات و واقعات بیان کرتے ہیں تو عجیب سماں اور کیفیت ہوتی ہے۔ تم اس وقت چپکے چپکے مذکورہ واقعات قلم بند کرتے جایا کرو۔ بعد میں رقم شدہ حالات حاجی صاحب کو سنا کر اصلاح لے لینا۔ اس طرح حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے مستند حالات بھی احاطہ تحریر میں آ جائیں گے اور یہ کام تمہارے لئے ذریعہ نجات بھی ہوگا''۔ اس کے بعد ناصحانہ انداز میں یہ بھی فرمایا۔ ''میری یہ ہدایت پیش نظر رکھنا کہ انداز تحریر نہایت سادہ اور سلیس ہو تا کہ عام آدمی بھی اچھی طرح ذہن نشین کر سکے اور تحریر کو شعر وادب کی

رنگینیوں سے بچائے رکھنا"۔

چنانچہ فدوی نے کچھ روز بعد اللہ کا نام لے کر اس فریضہ کو سرانجام دینے کا بیڑا اٹھالیا اور کام شروع کر دیا جب والد صاحب قبلہ بیان کرتے میں غور سے سنتا رہتا اور پھر تحریر کر کے ان کو سناتا۔ اکثر ایسے ہوتا کہ قبلہ والد صاحب فرماتے "یہ تم نے کیا لکھ دیا۔ یہ بات ایسے تو نہیں تھی جیسے تم نے تحریر کیا ہے۔ میں دوبارہ اسے پھر قلم بند کرتا اور انہیں سناتا۔

اصل میں بات یہ تھی کہ وہ پنجابی زبان میں بیان کرتے تھے اور میں اسے اُردو زبان میں لکھتا تھا۔ اس طرح بعض اوقات مفہوم میں فرق آجاتا تھا جسے والد صاحب پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا ہر طرح سے احتیاط برتی گئی اور میں نے مقدور بھر محنت کی ہر کام مشیت الٰہیہ کے مطابق سرانجام پاتا ہے اور وقت کا تعین قدرت کاملہ کے منشا کے تحت ہوتا ہے کچھ دنیاوی اور کاروباری مصروفیات اور کچھ گفتنی ناگفتنی، باتیں سدِ راہ رہیں اور کتاب منظر عام پر نہ آسکی۔ جس کے لیے اپنی غفلت شعاری کو ہی مورد الزام ٹھہراؤں گا۔ بہر حال بندہ ناچیز نے باوجود اپنی علمی بے بضاعتی وکم مائیگی کے اور سلوک و تصوف کا شعور نہ رکھتے ہوئے بھی محض خداوندِ رحیم و کریم کی رحمتوں کے سہارے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ یارانِ طریقت اور اولیاء اللہ کے دامن سے وابستگی رکھنے والوں کے لیے سامانِ تسکین و توشۂ طمانیت مہیا ہو سکے۔ نیز جادۂ حق اور راہِ مستقیم میں جستجو کرنے والوں کو سرکار شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کی شریعت و سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی مظہر سراپاءِ عمل زندگی سے نجات و سرخروئی کی راہیں میسر آسکیں۔ قادرِ مطلق، باعث کون و مکاں، رحمت عالمیاں، آقائے محترم، رسولِ محتشم،

نبی مکرم، شفیع معظم، نور مجسم، حضور پُر نور، سید یوم النشور، حبیب کبریا، محبوب رب العلا، احمد مجتبٰے، محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل اور عاشق رسول، عارف اکمل، عالم باعمل، آفتاب ولایت، سیدی و مرشدی حضرت میاں شیر محمد شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے صدقہ میں فدوی کی اس عاجزانہ کاوش و محنت کو شرف قبولیت بخشے اور میرے لیے توشہ آخرت اور وجہ نجات بنائے۔ (آمین)

فخر المشائخ مؤسّسِ یومِ مجدد اور بانی دارالمبلغین حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ۔ جناب صاجزادہ میاں جمیل احمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت میاں شیر محمد صاحب "حضرت ثانی لاثانی صاحب رحمہم اللہ علیہم شرقپور شریف، گفتار و کردار اور عمل میں اپنے سلف کی روشن و تابندہ تصویر ہیں بزرگانِ دین کی تعلیمات خاص کر معارف حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کی ترویج و تشہیر ان کا شعار ہے وہ اس کارِ خیر میں تن، من اور دھن قربان کیے ہوئے ہیں۔ ان کی تبلیغی سرگرمیاں ہر سجادہ نشین اور دیگر صاحب ثروت لوگوں کے لئے قابل تقلید ہیں۔ آپ" کے اس عمل خیر نے مجھ فقیر کو ایسی تشویق دی کہ فقیر قارئین کے سامنے یہ کتاب پیش کرنے کے لائق ہوا۔

ملک کے نامور اور بیباک نقاد، مشہور ادیب، منفرد نغز گو شاعر برادر عزیز جناب بشیر حسین ناظم کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناں گوں، نجی اور منصبی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر مسودے کا بغور مطالعہ کرکے اس کی ترتیب و تزئین میں میرا ہاتھ بٹایا اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں اپنے علمی۔ فنی اور تصنیفی تجربات کی روشنی میں مجھے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ناظم صاحب نہ صرف میرے محب

مشفق اور مخلص دوست ہیں بلکہ میرے پیر بھائی بھی ہیں اور انہیں آستانہ عالیہ شرقپور شریف سے گہری محبت وعقیدت ہے۔ آستانہ عالیہ سے اپنی قلبی اور روحانی وابستگی کی بنا پر ہی انہوں نے میری طرف دستِ تعاون بڑھا کر میرا حوصلہ بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

استاذی مکرم، شارح بخاری حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی فیصل آبادی کا بھی بیحد ممنون ہوں کہ جناب نے کتاب ہذا کے مسودے کو علمی نقطہ نظر سے بہ نظر غائر ملاحظہ فرمایا اور اس پر ''اظہار خیال'' سے نوازا۔ اللہ کریم ان کا فیضان علم ہمیشہ جاری رکھے۔ یوسف نظامی شرقپوری خوش نویس۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ اور اسلامی دنیا کے معروف خطاط حافظ محمد یوسف سدیدی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص ہیں۔ ان سے میرے دیرینہ مخلصانہ تعلقات وروابط ہیں۔ اولیاء کرام سے انہیں بڑی محبت ہے خصوصاً سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بڑے اخلاص، محبت اور محنت ولگن سے کتاب زیرِ نظر کی کتابت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فن کو مزید نکھار سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

آخر میں پھر ایک دفعہ دعا گو ہوں کہ رب ذوالجلال اپنی بارگاہِ ربوبیت وصمدیت میں ہدیۂ ناچیز کو شرفِ قبولیت بخشے اور اپنے فضل وکرم سے قارئین کو توفیق ارزانی کریں کہ وہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کے حالات و واقعات پڑھ کر آپؒ کے ارشادات وتعلیمات پر عمل کر کے اپنی زندگی شریعت مطہرہ کے مطابق ڈھال کر فلاح دارین حاصل کریں۔ (آمین وما توفیقی الا باللہ)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

حرفِ آخر

مؤلف

۱۴۱۳ھ

احقر العباد

۱۹۹۳ء

فضل احمد موزنگاشرقپوری

☆☆......☆......☆☆

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

دیباچہ

برادر کبیر اور ادیب شہیر جناب الحاج فضل احمد مونگا جو اپنے محبوں میں ایک نغز گو شاعر بتخلص تسنیم معروف و مقبول ہیں نے کتاب زیر نظر کو بحیثیت کاتب مرتب کیا ہے۔

کتابت ایک نہایت ہی قدیم فن ہے اور زمانۂ جاہلیت سے شروع ہے۔ مسلمانوں نے فن کتابت کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہ بات صراحت طلب ہے کہ کتابت سے مراد خوش نویسی یا خوش خطی نہیں بلکہ تاریخی احوال و واقعات کو ان کی انتہائی صحت کے ساتھ قرطاس کی زینت کرنا ہے۔ اس صورت حال میں ایک کاتب کی حیثیت نہ صرف ایک قلم کار کی ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے اس کا علم و فضل، دانش و بینش اور فن ادب بھی ظاہر ہوتا ہے۔ الحاج فضل احمد تسنیم مونگا شرقپوری طبعاً شاعر اور جبلتاً ادیب ہیں لیکن کچھ غم جاناں اور کچھ غم روزگار نے ان سے یہ اوصاف چھینے تو نہیں "پر طبیعت ادھر نہیں آتی"۔

تاہم انہوں نے نہایت ہی عمدگی اور ذکاوت کے ساتھ جن حقائق کو تحریری شکل دی ہے ان کا راوی ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے ایک غوث وقت، قطب زماں،

عالم علوم و معارف لدنی، جانِ تقویٰ، روحِ تورع، حسنِ تصوف، جمالِ ہدایت اور کمالِ تبلیغ یعنی اعلےٰ حضرت میاں شیر محمد شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات سے براہ راست فیوض و برکات حاصل کیے اور اپنے ذہن و قلب کو متصوفانہ انوار سے ایسا روشن کیا کہ اہل حلقہ اور پیرانِ عظام خود ان کی صفائی باطن کے معترف ٹھہرے۔

کتابت کی طرح سلسلہ روایت بھی ایک قدیم روایت ہے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد چھٹی صدی عیسوی تک عربوں کے حافظے اور یادداشتیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔ وہ اپنی تاریخ روایت کے ذریعے صدیوں تک منتقل کرتے چلے آئے اس لیے اُن کے ہاں کتابت سے پہلے اور کتابت کے بعد یہ روایت مسلسل ہم تک پہنچی۔ ایک راوی مستشار کی حیثیت رکھتا ہے اور مستشار مُعتَقِف کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی وہ جو کچھ بھی روایت کرتا ہے اس میں صداقت، دیانت اور امانت پوری تابانیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ عالم ارواح میں جب جشن میثاق منایا گیا تو ہر روح نے وعدہ ملنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا۔ بعض ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا۔ بعض ارواح نے ایک دوسرے کو نہایت ہی محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس نگاہِ ناز اور نگاہِ محبت سے ایک دوسرے کو دیکھنے کی دنیا میں یہ تاثیر پیدا ہوئی کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور دوست بھی ایسے کہ یک جان دو قالب بن گئے۔ اگر ایک نے دوسرے کو امانت و دیانت کا فرض سونپا تو اس نے نہایت ہی جذبہ مودت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے اور مجھے یہ بات احاطہ تحریر میں لانے پر فخر ہے خوشی

اور اطمینان ہے کہ کتاب زیرِ نظر کے راوی حضرت الحاج شیخ فضل الٰہی مونگا رحمتہ اللہ علیہ ایسی شخصیت تھے جنہوں نے روزِ یثاق سے نہ صرف سیدنا حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور سیدنا حضرت ثانی لاثانی رحمتہ اللہ علیہ کا ہی دیدار کیا بلکہ دنیاءِ اسلام کے دیگر اولیاءِ عظام سے بھی نظری محبت مستحکم کی جس کا اظہار اس دنیاءِ فانی میں عملاً کیا اور ہوا۔

حضرت حاجی فضل الٰہی مونگا رحمتہ اللہ علیہ بلاشبہ ایسی شخصیت تھے جن سے قطب دوراں حجتہ الواصلین، امام المتصوفین، رئیس المبلغین حضرت سیدنا میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور غریق بحرِ وفا، شناور قلزم وفا، برادر شیر ربانی حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی رحمتہ اللہ علیہ کو اتنی محبت اور مودّت تھی کہ دونوں عظیم بزرگ اُن کو اپنا مشیر اور محبّ صادق علی الاعلان تسلیم کرتے تھے اور امور دنیا اور دیگر امور کو سرانجام دینے کے لیے نہ صرف ان سے مشورہ لیتے بلکہ مفوضہ امور کی اُن سے براہ راست نگرانی کرواتے۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرانِ عظام پر قدم قدم پر جان چھڑکتے۔ اپنی ارادت مندی کا دامے، درمے، قدمے وسخنے اظہار فرماتے اور اس خوش نیتی وثقاہت سے فرماتے کہ پیران گرامی کے منہ سے شاد باش اور آفرین باد کے الفاظ کے ساتھ دعائیں بھی نکلتیں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خواجگان شرقپور شریف کی معیت میں تقریباً پچاس سال گزارے اور روشِ بلالی اور اُسوہ سلمانی اپنا کر گزارے حاجی صاحب قبلہ نے اپنے ایام شباب اعلےٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارے اور ایام کہولت اور شیخوخت حضرت قبلہ ثانی لاثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر وارے راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے تقریباً سولہ سال مشاہدات کیے

ہیں کہ حضرت قبلہ ثانی لا ثانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت حاجی فضل الٰہی صاحب سے کس درجہ محبت شفقت اور لطف و کرم فرماتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے حاجی صاحب حضرت کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے تو حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بنفس نفیس یا کسی معتبر شخص کو بھیج کر خیر و عافیت طلب فرماتے۔

حضرت قبلہ حاجی فضل الٰہی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے روحانی و دنیوی تعلقات اس درجہ مستحکم تھے کہ حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں عمر بھر اپنا معتمد مشیر اور مؤتمن سمجھا۔ کشور امور دنیا اور ولایت دین میں بھی معاصرانہ چشمکیں تاریخی لحاظ سے ثابت ہیں۔ خواجگان شرقپور شریف رحمہم اللہ علیہ سے انتہائی تقرب کی وجہ سے حاجی صاحب کے بہت سے حساد پیدا ہو گئے جنہیں پیران عظام خوب سمجھتے تھے اس لیے ان کی کسی بات پر التفات نہ فرماتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک شخص نے جس کا میں نام لینا ضروری نہیں سمجھتا حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت کی رضا جوئی کے لیے قبلہ حاجی صاحب کی شکایت کی۔ قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابھی بات پوری بھی نہ سنی تھی کہ اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا۔ ''تم اس شخص کے بارے میں بات کرتے ہو جس نے ہماری خاطر جان و مال قربان کر دیے۔ خبردار! آئندہ کوئی فضل الٰہی کے بارے میں بات نہ کرنا''۔

حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے قبلہ حاجی صاحب پر تمام امور میں زبردست اعتماد رکھتے تھے۔ سفر ہو یا حضر، شادی ہو یا مرگ یا نظم جلسہ ان میں حاجی صاحب کی رائے نہایت صائب سمجھی جاتی تھی۔ یہ بات بھی

حیران کن ہے کہ حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دو حج بھی حاجی صاحب کی معیت میں کیے۔ اور برّصغیر پاک و ہند کے طویل سفر بھی انہی کے ساتھ فرمایا کرتے۔ بعض اسفار میں راقم الحروف اور مرتب کتاب بھی ساتھ تھے۔ اعراس میں شرکت کے لیے سفر ہوتا تو بھی حاجی صاحب ساتھ ہوتے۔ قصہ کوتاہ قبلہ حاجی صاحب نے حرف بلے کہنے کے بعد جس محبت کا اظہار روز میثاق خواجگان شرقپور شریف رحمہم اللہ سے کیا اس کا عملی مظاہرہ دنیا میں بھرپور انداز میں کیا۔

زیر نظر کتاب آقائے ماسیدنا حضرت میاں شیر محمد رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر بزرگان عظام کے ملفوظات کی روایات پر مشتمل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک عاشق صادق اپنے محبوب کی باتوں کو لعل و جواہر اور سیم وزر سے زیادہ اہم سمجھ کر ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی روایت کرتے وقت روایت کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے جس سے اس کی ثقاہت کا پتا چلتا ہے۔

جو حالات و واقعات اور کرامات برادر معظم مجاہد تحریک پاکستان حاجی فضل احمد تسنیم نے مرتب کیے ہیں وہ میری نظر میں جان ثقاہت ہیں کیونکہ ان حالات و واقعات اور کرامات کی راوی ایک ایسی شخصیت ہے جو اپنے ایمان، عرفان، ایقان، تقویٰ، تورع، امانت، دیانت اور والہانہ مودت کی حامل تھی۔ لہٰذا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہاں حدیث بھی ثقہ ہے اور راوی بھی ثقہ ہے اگرچہ کسی نے یہ کہہ دیا ہوا ہے۔

"حدیث گرچہ ضعیف است راویاں ثقہ اند"

برادر محترم جناب حاجی فضل احمد مونگا تسنیم شرقپوری نہ صرف میرے قلبی شکریے

کے مستحق ہیں بلکہ تمام متوسلین آستانہ عالیہ شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے سپاس وتشکر کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بے پناہ مصروفیتوں اور دیگر دشواریوں کے باعث بھی ان کو ارشادات اعلےٰ حضرت شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے مطالعہ سے روحانی غذا بخشی ہے۔ ایسے امور میں سبقت لینا توفیق الٰہی سے ہوتی ہے ہمیں خوشی ہے کہ یہ توفیق مرتب کتاب کو بارگاہ ربانی سے بتوسّل شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ ارزانی ہوئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب تسنیم کی اس تصنیفی وترتیبی کاوش کو درجہ حسن قبول بخشے!

"ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد"

فقیر

بشیر حسین ناظم (تمغۂ حُسنِ کارکردگی)

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور

اسلام آباد

اظہارِ خیال

شیخ القرآن والحدیث شارح بخاری استاذ العلماء حضرت
علامہ مولانا غلام رسول صاحب فیصل آبادی

''ولی کا ذکر کستوری ہے جو ہر طرف مہکتی ہے''
میں نے محترم الحاج محمد فضل احمد مونگا سلمہٗ کا ایک ولی کامل کے ذکر میں کچھ سنا اور کچھ پڑھا۔ ولی وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات کی بقدر امکان معرفت حاصل ہو اور اللہ کی اطاعت پر مواظبت' معاصی سے اجتناب اور لذات و شہوات نفسانیہ میں انہماک سے اعراض کرے۔
مذکور وجوہ ''اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ'' میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ محترم محمد فضل احمد سلمہٗ نے اس بحرِ عمیق میں غائص ہو کر درخشاں لآلی کا التقاط کیا۔ جو صاحب ذوق کا عظیم غائی مقصد و بُغیہ ہے۔ موصوف نے بحرِ متلاطم میں روحانی سفینہ کو مرکب بنا کر طائر لاہوتی کا تعاقب کر کے اسرار خفیہ اوراقِ تخیل میں ثبت کر کے محسوس صحیفہ میں منتقل کیے جن سے سننے اور پڑھنے والے مطمئن ہوتے ہیں۔
''الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' اور صاحب حال کے لیے مقام ایقان ہے جبکہ ولی کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں۔ خالق کائنات صاحب لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مزید توفیق دے۔ آمین!

غلام رسول رضوی
فیصل آباد

جگر جب چاک ہو شب کا تو ہوتی ہے سحر پیدا
صدف کی روح کھنچ جائے تو ہوتا ہے گہر پیدا

مجھے معلوم یہ بھی ہے کہ صدیوں کے تفکر سے
کلیجہ پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبالؒ)

خضرِ راہِ طریقت، آفتابِ سپہرِ حقیقت، شہبازِ فضائے معرفت، عارفِ حقانی
شیرِ یزدانی، عاشقِ ربانی اعلےٰ حضرت سرکار
میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی
شخصیت

زفرق تابقدم هر کجا که می نگرم ☆ کرشمه دامن دل می کشد که جا ایں جاست

راقم الحروف کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وہ جب کبھی بھی اعلےٰ حضرت سرکار میانصاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی ارفع و اعلےٰ شخصیت کے متعلق سوچتے تو ذہن کی پہنائیوں میں رستم زماں گاماں پہلوان کی شہ زوری کے خاکے ابھرتے معلوم ہوتے وہ اس طرح کہ جب گاما پہلوان ورزش کے لیے اکھاڑے میں اترتا تھا تو سب سے پہلے چھوٹے بچے اس کے ساتھ زور آزمائی کرتے۔ اس کے بعد ان بچوں سے کچھ بڑے لڑکے گاما پہلوان کے ساتھ پنجہ لڑاتے۔ ان نوجوانوں کے ساتھ کشتی لڑنے کے بعد اچھے اچھے طاقتور پہلوانوں کو فن پہلوانی کے رموز واسرار سمجھانے کے لیے رستم زماں گاما پہلوان کو ان سے طاقت آزمائی کرنا پڑتی۔ اور سب سے آخر رستم ہند امام بخش پہلوان اپنے بھائی گاما کے مقابل اکھاڑے میں اترتا تھا۔ وہ کئی ایک گھنٹے آپس میں گتھم گتھا رہتے اور نہایت زوردار ورزش کرتے۔ اپنے اپنے گھروں میں جا کر ورزش کرنیوالے سبھی پہلوان یہ کہتے کہ آج ہم رستم زماں گاما پہلوان کے

ساتھ زور آزمائی کر کے آئے ہیں۔ بچے بھی کہتے بڑے بھی اور امام بخش پہلوان بھی تمام یہی کہتے سنے جاتے۔

لیکن سب کے ساتھ زور آزمائی کرنے والے رستم زماں گاما پہلوان کی طاقت کے متعلق کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ شہ زور پہلوان کتنی طاقت کا مالک ہے۔ جتنی جتنی کسی میں ہمت ہوتی وہ اسی کے مطابق ہی اس سے سلوک کرتا تھا۔ کوئی شخص اس جتنی طاقت کا مالک ہوتا تو پھر ہی اسکی طاقت کا اندازہ لگا سکتا تھا نہ تو اس جتنی کسی میں قوت و ہمت تھی نہ ہی کوئی اس کی طاقت و شخصیت کا اندازہ کر سکا۔

یہ امر واقعہ ہے اور اس میں شائبہ بھر بھی دروغ یا غلو نہیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مولائے ذوالجلال نے ایسے اعلیٰ اور ارفع مناصب پر فائز فرمایا تھا کہ اس ملک میں آپؒ کا نظیر کسی نے دیکھا نہ ڈھونڈے سے کسی نے پایا۔ آپؒ سلطان سلطنت طریقت اور شہنشاہ اقلیم معرفت۔ آپؒ قیوم زماں اور جنید وقت آپکی عظیم بلند پایہ شخصیت میں بے پناہ روحانی قوت کا اندازہ کوئی کر سکا؟ ہرگز نہیں کوئی۔ ان جیسا ہوتا تو پھر ہی ان کی قوتوں کی گہرائیوں تک پہنچ سکتا تھا۔ آپؒ جیسے شاہسوارِ راہ طریقت اور شیر بیشہ شریعت و حقیقت کے سامنے بھلا کس کے پاؤں جم سکتے تھے۔ آپؒ عرفان وایقان کے بحرِ بیکراں تھے۔ آپؒ کی ذات ستودہ صفات سے فیوض و برکات کے عظیم اور بے پایاں سوتے پھوٹے جن سے ایک دنیا نے اپنے قلوب کو سیراب و شاداب کیا۔ آپ کا در، درِ فیض بار تھا۔ جو بھی آیا فیض پا کر لوٹا جس نے چاہا، جتنا چاہا اور ہمت واستعداد کے مطابق جو بھی چاہا اس سے سوا حاصل کیا۔ دنیادار آئے دیندار بن کر گئے دیندار آئے اتقیا ہو کر لوٹے۔ تہی دامن

آئے بامراد واپس ہوئے۔ چھوٹے آئے تو "بڑا" پایا بڑے آئے تو گم ہو کر رہ گئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ہر آنے والے کی طرف اُسکی ہمت واستعداد کے مطابق توجہ فرماتے تھے۔ چشتیوں نے اپنے سلسلہ کے مطابق پایا۔ سہروردیوں سے سُلوک اُن کے طریقے سے کیا گیا۔ قادریوں نے اپنے حسب حال اکتساب فیض کیا۔ اور نقشبندیوں نے یوں پایا کہ سکون وطمانیت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ غرضیکہ ہر سلسلہ ہر درجہ کے متلاشیان جادہ عرفان وجویان حق وایقان کو سرکار رحمتہ اللہ علیہ کے حضور آ کر قرار وسکون حاصل ہوا۔ الحمد للہ

اس آخری دور پر فتن میں آپؒ کی ذات گرامی ایک نعمت قرار پائی۔ آپؒ کی ذات والا تبار ایسی صفتوں سے متصف تھی جو کہ اولیاءِ متقدمین اور اولیاءِ کبار میں پائی جاتی تھیں۔ آپؒ کی شخصیت بڑی بلند پایہ تھی۔ آپؒ کے کمالات، درجات، منازل اور مقامات اولوالعزم اولیاءِ کرام کی طرح بڑے بلند اور رفیع الشان ہیں۔ ان حقائق کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "کہ چار ہستیاں بہت بڑی ہیں۔ ایک اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ، تیسرے ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ چوتھا کوئی اور ہی ہوگا"۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد ایک دن آپؒ نے پھر فرمایا "چار ہستیاں ایک ہی کفن میں ہیں۔ ایک اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ تیسرے ابو الحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ چوتھا کوئی اور ہی ہوگا۔" فدوی کے والد صاحب پاس بیٹھے یہ بات سُن رہے تھے انہوں نے موقع پر ہی عرض کیا۔ "حضور! آپ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ چوتھے آپؒ ہی ہیں۔"

حضرت صاحب قبلہ یہ بات سُن کر مسکرا دیے اور والد صاحب کو ہلکی سی دھول جماتے ہوئے فرمایا "تم ایسی باتیں ہی کہتے رہتے ہو۔" دیکھئے! حضور رحمتہ اللہ علیہ نے والد صاحب کی بات کی تردید نہیں کی یعنی یہ سچ ہی ہے کہ چوتھی بے نظیر ہستی آپؒ کی ذات مبارکہ ہی ہے۔

ہر ذی روح اور ہر انسان کو قوت کردار و عمل عطا کرنے والے کا فضل و کرم شامل حال ہو اور رحمت ایزدی بخشش و عنایات کے دریچے کھول دے تو قدرت کی طرف سے مقربین کو خصائص عطا ہوتے ہیں۔ کسی کو جود و سخا کی عادت کریمہ سے نوازا جاتا ہے تو کسی کو جذبہ زہد و اتقاء سے مشرف کیا جاتا ہے۔ کوئی مجاہدہ و ریاضت کی کٹھالی میں پڑ کر کندن بنتا ہے تو کوئی فکر و ذکر میں محو ہو کر بارگاہ ربوبیت میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ ایک ہمت و شجاعت کی تیغ بے نیام لے کر نکلتا ہے تو دوسرا غیرت و عزت نفس کے وصف خاص میں امتیازی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ مجذوب عشق و محبت کی سرمستیوں سے بیخود ہو کر وادی جذب و سکر میں مستانہ وار بڑھتا ہے اور سالک شریعت مطہرہ کی شمع فروزاں کے نور کی روشنی میں صراط مستقیم پر کامیاب و کامران چلتا نظر آتا ہے۔ غرضیکہ قسام ازل کی نظر رحمت جس کسی کو منتخب کرتی ہے جو چاہے عطا کر دیتی ہے۔ کسی کو ایک صفت سے متصف کیا تو کسی کو بہت سی خوبیاں عطا کر دیں۔ کچھ بندگان خاص ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں جامع کمالات بنا دیا جاتا ہے اور وہ خصوصی فضل و رحمت کی زد میں ہوتے ہیں جو خصوصیات فرداً فرداً بہتوں میں ہوتی ہیں قدرت کاملہ اپنے فضل و رحمت سے کسی ایک ذات میں اکٹھا کر دیتی ہے ایسے لوگ مقربان خاص اور افضل ترین ہوتے ہیں۔ ایسے یکتائی منتخب حضرات کی جماعت جنہیں جامع

کمالات بنایا جاتا ہے میں ہمارے حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو ایک امتیازی اور نمایاں جگہ حاصل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے تمام اوصاف اور کمالات حضور محبوب کبریا سرکار مدینہ علیہ الصلوۃ والثناء کی ذات ستودہ صفات میں جمع ہیں۔

حسن یوسف دم عیسے ید بیضاداری

آنچہ خوباں همه دارند تو تنہا داری

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے محب صادق اور فدائے سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم جناب حضرت میانصاحب رحمتہ اللہ علیہ کو بھی سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کے توسل سے یہ وصف عطا ہوا تھا کہ حاملان منصب ولایت کے تمام اوصاف وکمالات آپؒ میں جمع تھے۔ آپؒ میں غیرت تھی تو بے پایاں، حیا تھی تو بے حد، ذکر وفکر میں آپؒ کا کون ہمسر تھا۔ زہد واتقا اور پرہیز گاری کے اثرات آپؒ کے روئے مبارک سے ہویدا تھے۔ طاعت الٰہی، خداداد خلق، بیمثل تواضع، نیک نیتی، وفا شعاری، خداترسی اور صلہ رحمی کون سی ایسی نیک خصلت تھی جو آپؒ میں نہ تھی غرضیکہ۔۔۔

پھرے زمانے میں چار جانب نگار یکتا تمہیں کو دیکھا

حسین دیکھے جمیل دیکھے پر ایک تم سا تمہیں کو دیکھا

کسی میں ہے کوئی خوش ادائی کسی میں ہے کوئی دلربائی

ولے یہ اوصاف جملہ مملو صنم سراپا تمہیں کو دیکھا

جذب وسکر اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ ابتدا میں آپؒ اکثر قبرستانوں اور مزارات پر رہا کرتے تھے اور جب کبھی بحر عشق الٰہی میں تموج پیدا ہوتا اور اللہ کی محبت

سینے میں جوش مارتی تو آپؒ دریا پر نکل جاتے۔ اسی وجدان، کیف و مستی اور جوش محبت میں ایک دن آپؒ نے فرمایا "ہن میں ہو گیا کجھ ہور، میینوں کون پچھانے"

اس زمانہ سے کچھ عرصہ بعد جب کہ آپؒ اپنی عمر شریف کے درمیانی حصہ میں سے گزر رہے تھے۔ آپؒ اکثر قصور تشریف لے جایا کرتے۔ بڑی مسجد کے عقبی حصہ میں ایک حجرہ ہے جسے لوگ حمام کے نام سے پکارتے ہیں۔ عام طور پر آپؒ وہاں قیام فرماتے۔ مسجد میں پچھلی طرف وضو کیلئے ایک حوض بنا ہوا ہے اور حوض کے ساتھ ہی پچھلی طرف وضو کے لیے تھوڑی سی جگہ خالی ہے۔

آپؒ رات کو اس جگہ بیٹھ کر مسجد کو دیکھا کرتے اور فرمایا کرتے کہ مسجد سے مجھے فیض آتا ہے ایک دفعہ سحری کیوقت آپؒ حضرت عبدالرسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جا رہے تھے۔ آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ آپؒ نے چلتے چلتے ہی یہ شعر پڑھا۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ☆ جسم بگزارم سراسر جاں شوم

اور اس کے بعد پھر یہ شعر پڑھا۔

ہستی اگر سوزی بنار لاالہ را ☆ آں زماں بے پردہ بینی نور الا اللہ ما

اسی وجدان اور سرور میں حضرت صاحب قبلہ عبدالرسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جا پہنچے۔ بعد از اں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ آپکی زبان مبارک پر یہ دو شعر جاری رہے۔

ہیں تو نظروں میں مری لیکن نظر آتے نہیں
خوشبوئے گل ہائے پنہاں صاف دکھلاتے نہیں

دکھا دے یا الٰہی ہم کو دیدار کا جلوہ
ترے عاجز نے خداوندا جدائی دیکھ لی

کچھ عرصہ بعد ان دو اشعار کی بجائے یہ شعر ورد زبان ہو گیا۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

گرمی عشق و محبت، کیف و سرور، جذب و سکر اور استغراق کے ساتھ جو خاص منصب آپؒ کو عطا ہوا وہ احیائے سنت اور اتباع شریعت کا تھا۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور شریعت کی پابندی میں آپؒ نے کسی چیز کو بھی حائل نہیں ہونے دیا۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور تلقین آپؒ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی روحانی قوتوں کا استعمال صرف اور صرف دین کی تبلیغ، فروغ سنت اور اصلاح احوال کیلئے کیا۔

اس دور پر فتن اور زمانہ الحاد میں جس شان اور جس عزم و ہمت سے حق کی آواز آپؒ رحمتہ اللہ علیہ نے بلند کی وہ صرف آپؒ کی ذات مبارکہ کا ہی کام تھا۔ اعلان حق اور امر باالمعروف میں آپؒ رحمتہ اللہ علیہ تیغ بے نیام تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبہ سے ہزاروں بھٹکنے والوں کو راہ مستقیم دکھائی۔ خلق اللہ کی ہدایت اور احکام شرعیہ کے اجراء و قیام کو آپؒ رحمتہ اللہ نے ہر کام پر ترجیح دی۔ اس کام کے مقابل آپؒ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ آپ نے نہ صرف مشاہدات، کیفیات، مجاہدات اور مشکلات میں عارفوں اور صوفیوں کی راہنمائی کی بلکہ ایک دنیا کو آپؒ رحمتہ اللہ علیہ نے ایمانی رنگ میں رنگ دیا اور عام لوگوں کو شریعت کی سچی راہ دکھا کر مولائے حقیقی کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔

اخلاقِ حسنہ

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی تمامتر اتباع شریعت اور سنت کی پیروی میں گزری۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پہننا، سونا جاگنا اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کا ہر فعل شرع شریف کے عین مطابق تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے معمولات زندگی پر اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا غلبہ تھا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا تمدن، طرز زندگی، بودو باش، طور طریقہ یا رہنے سہنے کے کسی ایک گوشے کا بھی نقاب الٹو تو ہر طرف رنگ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے جلوے نظر آئیں گے۔ آپ اخلاق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اعلےٰ نمونہ تھے۔ آپ کی ہر عادت پر سرکار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا پر تو تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے شیفتگی وارفتگی اور وابستگی کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ بھی غریبوں، یتیموں اور بے سہاروں کی معاونت فرماتے۔ مظلوموں کی اعانت کرتے، بیواؤں کی خبر گیری کرتے اور ہر مستحق کی امداد فرماتے تھے۔ مہمان نوازی آپ کی گھٹی میں تھی۔ اپنے ہاں آنے والوں کی تواضع میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ آپ ہر ایک ملنے والے سے نہایت خوش اخلاقی اور کشادہ قلبی سے ملتے۔ جو بھی آتا آپ رحمتہ اللہ علیہ اُسکی بات نہایت توجہ سے سنتے اور اسکو ہر طرح سے مطمئن کرتے۔ ملنے والوں سے سلام میں پہل کرتے، رخصت کے وقت مصافحہ بھی کرتے، عیب جوئی نہ کرتے بلکہ پردہ پوشی فرماتے کسی شخص کی بری حرکت پر سب کے سامنے سرزنش نہ کرتے بلکہ علیحدگی میں نہایت پیار و محبت سے سمجھاتے حاجتمندوں کی حاجت روائی احسن طریقے اور پوشیدہ طور پر کرتے

تھے کئی بار ایسا ہوا کہ کوئی ضرورت مند آکر سوال کرتا تو آپؒ فرماتے بھائی میں تو غریب آدمی ہوں۔ لیکن جب وہ رات کو سویا ہوتا تو چپکے سے اس کی جیب میں "کچھ" ڈال دیتے۔ کئی ایک دکاندار جن کی دکانیں نہیں چلتی تھیں۔ ان کی دکانوں سے ازراہ ہمدردی سودا خریدتے۔ کئی ایک سبزی فروش ایسے تھے کہ جن کا سودا نہ بکنے کی وجہ سے گلنے سڑنے لگتا تھا تو آپؒ رحمتہ اللہ علیہ چپکے سے ان کی دکانوں سے وہ خراب سودا منگوا لیتے اور باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر پھینکوا دیتے تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ ان کا بھی مجھ پر حق ہے۔

اوصافِ حمیدہ

حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ذات کے متعلق کسی بات پر بھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کثیر تعداد میں دیہاتی، اکھڑ، جاہل اور موٹی عقل کے انسان حاضر ہوتے تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ ان کی بے ڈھنگی اور لایعنی باتوں پر کبھی غصہ نہ فرماتے۔ بلکہ نہایت عالی حوصلگی اور محبت سے انہیں سیدھے سادھے الفاظ میں ہدایات دیتے اور ہر بات ذہن نشین کرواتے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کو جھنجھلا کر تیز طبیعت ہوتے کسی نے بھی نہیں دیکھا مجلس میں کبھی امتیاز سے نہ بیٹھتے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ اپنا جوتا تک خود مرمت کر لیتے۔ لین دین کے معاملہ میں آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کی خوش معاملگی ضرب المثل تھی۔ جس کسی کا دینا ہوتا وعدہ کے مطابق ادا کرتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں کوئی ملنے والا یا کوئی مہمان بیمار ہو جاتا تو آپؒ رحمتہ اللہ علیہ بنفس نفیس اُسکی تیمارداری کرتے، اس کے علاج معالجہ میں

نہایت ہمدردی تندہی و جانفشانی فرماتے اور اسکی ہر طرح خدمت کرتے۔

آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت میں سادگی بے حد تھی۔ سادہ طریقے سے رہے سادہ مکان میں رہے اور ہر بات میں سادگی کو پسند فرمایا۔ حتیٰ کہ مسجد بنوائی تو وہ بھی ہر طرح سے سادہ اسکی تعمیر میں حتی الامکان آرائش و زیبائش سے گریز کیا۔ انگریزی معاشرت سے نفرت فرماتے۔ کہتے کہ اسمیں سادگی مفقود ہے۔ انگریزی تمدن نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہم مسلمان کے مسلمان اور بے ایمان کے بے ایمان رہ گئے ہیں مشینی اشیاء کے استعمال سے گریز کرتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مشینی چھاپہ خانوں کے فروغ سے دینی کتب کی قدر و منزلت ہمارے دلوں سے نکل گئی ہے۔

عجز و انکساری

آپؒ رحمتہ اللہ علیہ عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر خیال کرتے اور کسر نفسی سے اکثر فرماتے ''پتا تو تب چلے گا جب آگے چلیں گے۔''

ذاتی تعریف و تعظیم کو ناپسند فرماتے۔

ایک دفعہ مکان شریف میں کئی دن کے قیام کے بعد واپس شرقپور تشریف لائے تو اپنے کوچہ کے نزدیک مشہور حکیم منکھی محمد اسماعیل (مرحوم) کے ماموں منکھی عزیز دین سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے بعد علیک سلیک عرض کیا۔ ''سرکار کب آئے ہیں؟'' آپؒ نے فرمایا ''آیا ہوا تو پچاس پچپن برس کا ہوں لیکن ابھی تک کچھ نہیں کر سکا''۔ اس نے پھر کہا ''طبیعت کا کیا حال ہے؟'' آپؒ فرمانے لگے ''مرنے کے بعد پوچھنا، حال کا پتا تو اس وقت چلے گا جب دائیں ملا یا بائیں''۔ (یعنی اعمال نامہ)

ایسے ہی ایک دن آپؒ رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے ”ریاضت وعبادت اور احوال کا کیا پوچھنا، حالات تو ایسے ہو گئے ہیں کہ کوئی حرام وحلال میں تمیز کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اکل حلال کی جب بات ہی نہ رہے تو عبادات کا کیا بنے“۔ اور پھر اپنی ریش مبارک پکڑ کر فرمانے لگے ”ہمارا بھی کیا حال ہے۔ ان سب حرام وحلال میں پرہیز نہ کرنیوالوں کی نذریں، اشیاء اور کھانا ہمارے پاس آتا ہے۔ ہم پھر کیا ہوئے؟“ اللہ اکبر یہ عجز وانکساری اور کسر نفسی، آپؒ کبھی کبھی اردو زبان میں کہا کرتے ”اے خدا! اگر تو اس نکمے کی ایک عادت ہی درست کر دے تو کیا تیری رحمت سے بعید ہے۔“ سبحان اللہ!

عادات وخصائل

حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے عزیز واقارب اور دوست و احباب سے میل جول رکھتے۔ اعزہ کی دلجوئی کے لیے کبھی کبھی ان کے گھر بھی تشریف لے جاتے۔ اور احباب و عزیزوں کے ہاں کچھ نہ کچھ تحفہ کے طور پر بھی بھیجا کرتے۔ آپ عزیزوں کے گھریلو معاملات پر نظر رکھتے تھے۔ کسی میں لڑائی جھگڑا ہوتا تو ناپسند فرماتے۔ کہتے آپس میں صلح صفائی سے رہو۔ دنیا چند روزہ ہے۔ خودغرضی چھوڑ دینی چاہیے۔ لین دین کے جھگڑوں میں اپنی گرہ سے رقم دے کر فریقین میں صلح کروا دیتے۔ عزیزوں کے خلاف شریعت افعال پر نہایت رنجیدہ ہوتے اور سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ ایک دفعہ آپؒ کے عم زاد اور بہنوئی میاں غلام کبریا صاحب (مرحوم) بازار میں کھڑے کسی سے ہمکلام تھے اس وقت اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جاتے

ہوئے آپؒ کی نظر پڑ گئی۔ آپؒ نے گھر جا کر والدہ صاحبہ سے بہت شکوہ کیا اور فرمایا "آئندہ پھر کبھی میں نے انہیں ایسی حالت میں دیکھ لیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا"۔

آپؒ رحمتہ اللہ علیہ تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ لیکن چلنے پھرنے میں فخر نام کو نہیں تھا۔ جھوٹی آن بان اور تمکنت ناپسند کرتے۔ چلتے تھے تو نظریں نیچی ہوتی تھیں۔ مسجد میں ہوتے یا گھر میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتے۔ جمعہ کے خطبہ میں اگر کوئی شخص دوزانو نہ بیٹھتا تو آپؒ رحمتہ اللہ علیہ اسے تنبیہہ فرماتے۔ جوتی کا سرا قبلہ رخ رکھتے اور ہر شخص کو ایسا کرنے کی نصیحت فرماتے۔ اگر کسی کی جوتی دوسرے رخ پڑی ہوتی تو اپنے دست مبارک سے قبلہ رخ کر دیتے۔ لوٹے کی ٹونٹی بھی ہمیشہ قبلہ رو رکھتے۔ کھانے کے وقت ایک زانو پر بیٹھتے اور بسم اللہ شریف کے ساتھ دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کرتے۔ ہر چیز دائیں سے دیتے اور دائیں ہاتھ میں دیتے صرف روپیہ پیسہ لیتے دیتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرتے۔ راستے میں کوئی اینٹ، پتھر، روڑا یا کوئی چھلکا وغیرہ پڑا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے ہٹا دیتے۔

حقوق العباد کا بڑا خیال رکھتے۔ عزیز و اقارب کے حقوق کی نگہداشت اور ان کو انجام دینے میں خاص اہتمام فرماتے۔ امور شرعیہ کی بجا آوری تبلیغ اور اصلاح کے متعلق قرابت داروں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتے (قوا انفسکم واھلیکم نارًا)

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے عم زادوں میں ایک میاں رحیم اللہ تھے۔ ان کو ٹی۔ بی کے مرض نے دبوچ لیا تھا۔ جب مرض آخری درجہ پر جا پہنچا تو قرابت داروں میں سے حضرت صاحب قبلہ کی ہی ذات تھی جو سب سے زیادہ ان پر توجہ دیتی۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ نہایت ہمدردی سے ان کی خبر گیری کرتے تھے۔ رمضان

شریف کے دن تھے کہ ان پر مرض کا سخت حملہ ہوا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میاں رحیم اللہ کے ساتھ بستر پر لیٹ گئے آپ رحمتہ اللہ علیہ ان سے لپٹ گئے اور خوب توجہ فرمائی آپ رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ خصوصی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کا قلب جاری ہو گیا اور وہ ذکر وفکر میں محو ہو گئے۔ آدھی رات کے وقت اسی حالت میں ہی ان کا انتقال ہو گیا عورتوں نے رونے کی کوشش کی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے سخت ڈانٹ پلائی اور فرمایا اللہ کی رضا تھی سو وہ پوری ہوئی۔ رمضان شریف کا مہینہ ہے روزہ داروں نے سحری کے وقت کھانا کھانا ہے اگر رحلت کی بات اسی وقت نکل گئی تو محلہ دار کھانا نہیں پکائیں گے۔ "لہٰذا خبردار! کوئی آواز مت نکالے۔"

صبح ہوئی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے نماز با جماعت ادا فرمائی اور چادر پر درود شریف پڑھنے کے بعد نمازیوں سے فرمایا "میاں رحیم اللہ رحلت فرما گئے ہیں انہیں باہر قبرستان لے چلیں"۔ لوگ بڑے حیران ہوئے اور سب میاں رحیم اللہ کے ہاں چلے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے رات ہی رات میں میت کو نہلا کر کفن پہنا دیا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے بیماری کے دنوں انکی خبر گیری کے بعد آخری لحات میں تلقین فرما کر ان کی عاقبت بھی سنواردی حقوق العباد کا آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اس قدر خیال تھا کہ رمضان شریف میں ہمسایوں کی تکلیف کے پیش نظر میاں رحیم اللہ مرحوم کی فوتگی کو اخفا میں رکھا مبادا کہیں وہ رحلت کا سن کر کھانا پکانے سے احتراز کریں اور انہیں روزہ ہونے کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑے۔

سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے چچا حافظ میاں حمید الدین صاحب مرحوم و مغفور بھی رحلت سے کچھ دن پہلے حالت جذب و سکر میں فرمایا کرتے شیر محمد

رحمتہ اللہ علیہ نے میرے لیے جنت الفردوس میں بہترین مکانیت کا انتظام کر دیا ہے۔ اور پیہم اصرار کرتے کہ حضرت صاحب قبلہ ان کے پاس آ کر بیٹھیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ تشریف لاتے تو ان کی طبیعت کو قرار و سکوں ملتا۔

میاں حمید الدین صاحب مرحوم کا جب انتقال ہوا تو حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے خود اپنے ہاتھوں چچا جان کو نہلایا اور کفن پہنایا۔ نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آپ قبر پر تشریف لے گئے اور قبر میں داخل ہو کر اسے اچھی طرح دیکھا جانچا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کبھی بیٹھ کر دیکھتے اور کبھی قبر میں لیٹ کر اس کی فراخی کا اندازہ کرتے۔ قبر کا اچھی طرح اور ہر پہلو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ نے خود ہی چند ایک ہمراہیوں کی معاونت سے چچا جان کو قبر میں اتارا۔

حلیہ مبارک

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا قد درمیانہ، چہرہ گول، پیشانی کشادہ، ناک تلوار کی مانند سیدھی، آنکھیں نہ چھوٹی نہ بڑی ہر وقت سرخ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ہمہ وقت اللہ کے حضور میں ہیں۔ گھنی داڑھی میں کوئی کوئی بال سفید تھا اور مونچھیں شریعت کے مطابق کٹی ہوئی تھیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے دانت مبارک موتیوں کی طرح سفید تھے جن میں تھوڑا تھوڑا خلا بھی تھا۔ آپ کا سر بڑا اس پر گھنگریالے بال کانوں تک کا ہے سنت کے مطابق گردن تک، چوڑا سینہ، بھرے بھرے بازو، انگلیاں لمبی اور ان کے درمیان درزیں، پاؤں کا ناپ پندراں انگشت چلنے میں بہت تیز۔

لباس

آپؒ رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ سفید رنگ کا لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ سر پر گاہے کپڑے اور گاہے ناڑ (1) کی ٹوپی پہن کر اوپر عمامہ باندھتے گلے میں سفید دیسی طرز کا کھلی باہوں کا کرتا نہ لمبا نہ چھوٹا تقریباً سترہ اٹھارہ گرہ لمبا جس کا گریبان سامنے ہوتا۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لمبا کرتا پہن کر لوگ فقیر کہلاتے ہیں اور چھوٹا کرتا دنیادار پہنتے ہیں۔ سفید کرتے کے ساتھ سفید تہہ بند ناف کے اوپر باندھتے جو کہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رہتا۔ کبھی کبھی آپؒ رحمتہ اللہ علیہ نیم بادامی رنگ کی صدری یا اچکن کی طرح کا لمبا کوٹ بھی کرتے کے اوپر پہن لیا کرتے تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں مبارک میں زرد رنگ کی جوتی ہوتی اور سردیوں میں عموماً چمڑے کے موزے بھی پہنتے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق زرد رنگ کی جوتی پہننا مستحب ہے۔ کالے اور سرخ رنگ کے لباس اور جوتوں کے پہننے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کے کاندھوں پر دو لمبے رومال ہوتے۔ ایک سے آپؒ رحمتہ اللہ علیہ ہاتھ منہ پونچھا کرتے اور دوسرے سے آپ مسجد میں داخلہ کے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت اپنے ہاتھ پاؤں صاف کرتے اور فرماتے تھے میں نہیں چاہتا کہ باہر سے آتے ہوئے پاؤں سے لگی ہوئی مٹی مسجد کے اندر جائے اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ مسجد کی مٹی میرے جوتوں میں آئے۔ یہ سب کچھ احترام مسجد کے لیے تھا۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ انگریزی طرز کے لباس کو برا سمجھتے اور پہننے سے منع فرماتے تھے۔ ایک دفعہ

1۔ آپ ناڑ کی ٹوپی کے لیے لاہور سے ناڑ کا بنا ہوا ہیٹ منگواتے اور اس کے گرد سے چھجا اتروا کر اسے صابون سے دھلواتے پھر اس کے کناروں پر چمڑا لگوا کر سر پر پہنتے۔

ایک افسر ملنے کے لیے آئے تو آپ" رحمتہ اللہ علیہ نے انکی قمیص کے کالر پکڑ کر فرمایا ''کیا یہ دودھ دیتے ہیں تم تو اپنا مشرب بالکل بھول گئے ہو''۔

آپ" رحمتہ اللہ علیہ کا ہر فعل اور ہر قول شریعت مطہرہ کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ" رحمتہ اللہ علیہ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں شریعت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھتے اور سنت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھتے۔ لباس کے معاملہ میں بھی آپ" رحمتہ اللہ علیہ کا یہی نصب العین تھا اسلامی شریعت اور سنت نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق لباس پہنتے اور اسی کے مطابق دوسروں کو پہنے ہوئے دیکھنے کی آرزو کرتے۔ آپ" رحمتہ اللہ علیہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والثناء کی سنت کے بڑے دلدادہ تھے۔ آگے آنے والے واقعہ سے قارئین اندازہ کرلیں گے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو لباس پہننے میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا خیال تھا۔

آپ" رحمتہ اللہ علیہ کو گرمیوں میں بھی دو کرتوں میں ملبوس دیکھا گیا تو بعض احباب کو جستجو ہوئی کہ گرمیوں میں دو کرتے پہننے میں کیا حکمت ہے۔ آپ" رحمتہ اللہ علیہ نے دوستوں کی دلی کیفیت کو نور باطن سے دیکھا اور فرمایا ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہُ ابی وامی نے فرمایا ہے کہ ایک آخری زمانہ ایسا آئیگا کہ اس وقت جو میری چھوٹی سی سنت کی بھی پیروی کرے گا وہ میرے ساتھ اس طرح رہے گا جس طرح میرے ساتھ میرا نچلا کرتا''۔ آپ" رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو کرتے اکھٹے پہنے ہیں۔ اس لیے میں بھی سنت کی پیروی کے لیے دو کرتے پہن لیا کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت سے کیسا پیار اور سنت کی پیروی کا کتنا شوق اور دھیان یہی تو بات تھی
کہ سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں اسوۂ حسنہ کا ایسا نمونہ پیش کیا ہے
کوئی کیا کر سکے گا۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کی ہر ادا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی
ترجمان۔ آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کا ہر فعل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق اور
آپؒ رحمتہ اللہ علیہ کا ہر قول حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع۔ حضرت قبلہ
میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے کسی کونے کو بھی جانچیے شریعت اور سنت
کے عین مطابق نظر آئے گا۔

اجدادِ عظام

قبل اس کے کہ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حامئ شریعت حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی کی نقاب کشائی کی جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے اجداد اعلے کے مختصر حالات سپرد قلم کیئے جائیں۔

حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ہمارے آباؤ اجداد کابل کے رہنے والے تھے۔ علمی فضیلت کی وجہ سے لوگ "مخدوم" کے نام سے پکارا کرتے اور شاہی خاندان کے اُستاد بھی تھے۔

جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو پٹھان اپنے اساتذہ یعنی حضرت صاحب قبلہؒ کے اجداد عظام کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئے۔ ان دنوں قصور شہر علم کا گہوارہ تھا اور سرکار کے مورثان اعلے جو علمی شغف رکھتے تھے۔ پٹھانوں کے ہمراہ قصور شہر آ کر مقیم ہوئے۔ انکی تیسری پشت میں سے ایک بزرگ حضرت صالح محمدؒ تھے جو نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپؒ قرآن پاک کی کتابت سے گزر اوقات کیا کرتے کہا جاتا ہے۔ ایک دن حضرت کے جد امجد حضرت صالح محمدؒ کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا۔ "نزدیک ہی غار میں ایک ولی اللہ فروکش ہیں۔ اگر آپؒ اجازت دیں تو میں اُن سے اولاد نرینہ کے لیے دعا کراؤں؟" شریعت کی پابندی ملحوظ خاطر تھی۔ اس لیے آپؒ نے فرمایا۔ "میں خود اُن کی حاضری کے لیے جاتا ہوں۔" چنانچہ آپؒ اُن ولی

اللہ کے پاس غار میں تشریف لے گئے اور اِستدعا کی ''حضور! اولادِ نرینہ سے محروم ہوں۔ دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نیک بخت لڑکا عطا فرمادیں۔'' یہ سن کر اس مردِ حق میں نے فرمایا۔ ''باری تعالیٰ آپؒ کو فرزند عنایت فرمادیں گے اُس کا نام ''شیر محمد'' رکھنا۔'' وقت معینہ پر قدرت نے لڑکے سے نوازا۔ جس کا نام کمالِ محبت کی وجہ سے غلام رسول رکھا گیا۔

بابا غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صالح محمد صاحبؒ کے ہونہار اور نیک بخت فرزند جب پروان چڑھے تو قدرت نے نوازشوں کے دریچے کھول دیے۔ بچپن گزار کر جوانی میں قدم رکھا تو اُس سرچشمہ عرفان سے دلوں کی سوکھی کھیتیاں سیراب ہونے لگیں۔ شمع ہدایت سے نور کی کرنیں پھوٹ کر نکلیں اور تاریک دلوں کو منور کرتی چلی گئیں۔ آپؒ گوناگوں اوصاف کے حامل پارسا بزرگ نکلے۔ مولانا غلام رسول صاحبؒ علوم باطنی کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپؒ قصور شہر میں مفتی تھے۔ مولانا غلام دستگیر صاحبؒ باباصاحبؒ کے ہمعصروں میں سے تھے۔

اُن دنوں نواب قطب الدین قصور کے حاکم تھے اور قصور کو پنجاب میں ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ رنجیت سنگھ کی لالچی آنکھ بھلا یہ کیسے دیکھ سکتی تھی کہ ایسے اہم شہر پر مسلمان حاکم کی حکومت ہو۔ راجہ نے قصور پر یورش کی اور شہر کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اُس کی لوٹ سے علاقہ میں قحط رونما ہوا اور باشندے باہر جانے لگے۔ باباصاحبؒ بھی اپنے شاگردوں کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے باباصاحبؒ حجرہ شاہ مقیم

تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں فروکش ہوئے۔ قدرت مائل بہ کرم تھی منزل نے خود کھینچ لیا تھا۔ وہاں مسجد میں دو صاحبزادے پڑھ لکھ رہے تھے۔ بابا صاحبؒ نے اُن کی تختیاں لے کر ایک پر "ا" اور دوسری پر "ب" لکھ دیا۔ جب دونوں صاحبزادے گھر پہنچے تو خواجہ قطب امام صاحبؒ نے تختی دیکھی اور پوچھا "یہ کس نے لکھا ہے۔ یہ تو کسی فرشتہ کا لکھا ہوا ہے۔ بشر کا نہیں۔" دونوں صاحبزادوں نے بابا صاحبؒ کا پتہ دیا اور قطب امام صاحبؒ کے حکم سے بابا صاحبؒ کو بلا لائے قطب امام صاحبؒ کی نگاہ دور بیں نے جوہر قابل کو دیکھ لیا۔ اور وہیں اپنے ہاں سکونت اختیار کرنے کو کہا۔ بابا صاحبؒ اپنی طالبعلم جماعت کے ہمراہ ٹھہر گئے اور صاحبزادگان کی تعلیم و تدریس آپؒ کے سپرد کر دی گئی۔

جب مولانا غلام رسول صاحبؒ نے قطب امام صاحبؒ کے کمالات دیکھے تو اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ قدرت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ بابا صاحبؒ وہاں بھی زمانہ کی بیدادگری سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سکھوں نے حجرہ شاہ مقیم پر حملہ کر دیا اور تعصب کی بنا پر مسلمان عالموں خصوصاً سیدزادوں کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ صاحبزادگان مع بابا صاحبؒ کے ایک کنویں میں روپوش ہو گئے۔ رات کو موقع پا کر ایک ایک کر کے کنویں سے نکلتے اور کہیں چلے جاتے۔ حجرہ شریف کے ایک زرگر قبیلہ کے کچھ افراد جو کہ قطب امام صاحبؒ کے مریدین میں سے تھے۔ صاحبزادگان اور بابا صاحبؒ کو کھانا وغیرہ پہنچاتے رہے۔

ایک دن فضا سازگار پا کر صاحبزادگان نے بابا غلام رسول صاحبؒ سے التجا کی "حضور! اس وقت موقع ہے۔ آپ نکل کر کسی عافیت کی جگہ تشریف لیجاویں۔"

یہ سُن کر بابا صاحبؒ نے جواب دیا ''چونکہ آپؒ میرے پیرزادے ہیں آپ کا حق فائق ہے۔ آپ کا بخیریت چلے جانا ضروری ہے۔''

صاحبزادگان نے دوبارہ اصرار کرتے ہوئے کہا ''حضور! آپؒ ہمارے اُستاد ہیں اور عالم بھی۔ آپؒ سے مخلوق کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا بچ کر بعافیت چلے جانا ازحد ضروری ہے۔ الامر فوق الادب کے مصداق بابا صاحبؒ خاموش ہو گئے اور صاحبزادگان اپنے معتقد زرگر خاندان کے افراد کو آپؒ کے ہمراہ کرتے ہوئے فرمایا ''تم استاد صاحب کو کسی گوشہ عافیت میں لے جاؤ۔''

مذکورہ افراد کے عزیز اور رشتہ دار شرقپور شریف میں اقامت پذیر تھے۔ لہٰذا وہ بابا صاحبؒ کو اپنے رشتہ داروں میں لے گئے اور خود بھی (۱) شرقپور شریف میں ہی مقیم ہو گئے۔

یہاں آپؒ کے علمی کمالات خوب رنگ لائے اور شرقپور کی پیاسی زمین اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے لگی۔

شرقپور شریف میں اس جگہ پر جہاں اس وقت حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کی مسجد ہے کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ اہالیانِ قصبہ نے یہ جگہ مذکورہ بابا صاحبؒ کو مسجد کے لیے دے دی۔ آپؒ نے اسے صاف کر کے خانہ خدا کی بنیاد رکھ دی اسی جگہ ایک شہتوت کا درخت بھی تھا۔ اور حضرت صاحبؒ قبلہ سے پیشتر اسی مناسبت سے یہ مسجد ''توت والی مسجد'' کہلاتی تھی۔ بابا غلام رسول صاحبؒ نے حمائل شریف کا خودنوشتہ قلمی نسخہ کسی کو دے کر ایک سو پچیس روپیہ کے ہدیہ سے ایک کنواں جو ابھی تک تشنہ لبوں کی پیاس

۱۔ شرقپور شریف کے بلند پایہ نعت خواں بابا امام دین زرگر (مرحوم) انہی افراد کی اولاد میں سے تھے۔

بجھاتا ہے اور ایک چوکھٹ جواب بھی بفضل تعالےٰ مسجد کے درمیانی دروازہ میں نصب ہے بنوائی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپؒ نے مسجد کے بیرونی بڑے دروازے پر "یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ" جلی حروف میں لکھوایا۔

آپؒ کے پاس ہندو سکھ اور مسلمان سبھی پڑھنے آتے تھے۔ علاقہ میں آپ کا بہت شہرہ ہوا۔ زہد و تقوٰی اور علمی تبحر کی وجہ سے آپ کو باکمال ولی اللہ مانا جاتا تھا۔ آپؒ کے پاس ایک کمبل تھا۔ جس میں سویاں، دودھ اور ہر چیز جو بھی آتی ڈال لیتے تھے اور وہ ٹپکتا نہیں تھا۔

ایک دفعہ شرقپور شریف میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ لوگ بہت پریشان ہوئے اور سراسیمگی کی حالت میں بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دعا کے لیے التماس کی "بابا صاحبؒ نے ایک نقارہ پر یہ دعا لکھ دی"۔

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه

المصطفے والمرتضے وابنا هما والفاطمه

اور مسجد کی چھت پر لے جا کر خوب زور سے بجانے کے لیے کہا۔ نیز لوگوں سے فرمایا "منڈی والے دروازے پر پہرہ دار کو کہنا کہ رات کو اگر کوئی چیز دیکھے تو ہمیں خبر کر دے" چنانچہ اگلے روز پہرے دار نے اطلاع دی کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت پریشان حال روتی پیٹتی باہر نکلی ہے۔ بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا۔ "وہ عورت طاعون تھی"۔ اب انشاء اللہ العزیز شہر کے لوگ محفوظ و مامون رہیں گے اور اسی دن سے شہر میں طاعون کے مریض صحت یاب ہونا شروع ہو گئے۔

ایک روز ایک سپاہی نے آپؒ کی مسجد میں ٹونٹی پر حقہ تازہ کیا۔ بابا صاحبؒ کو

معلوم ہوا تو آپؒ نے بہت لعن طعن کی اور تھپڑ رسید کر دیا۔ اس نے تحصیل دار سے شکایت کی تحصیل دار نے آپؒ کو بلا بھیجا۔ بابا صاحبؒ نے اس کے سامنے جانے سے انکار کر دیا۔ تحصیل دار کو جب حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ سپاہی پر بہت بگڑا اور اسے ملازمت سے برطرف کر دیا۔

بابا غلام رسول صاحبؒ کے ہاں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ صرف ایک لڑکی آمنہ بی بی تھیں۔ جن کا نکاح حافظ محمد حسین (۱) صاحبؒ قصوری جو بابا صاحب قبلہ کے بھتیجے تھے سے کر دیا گیا۔ اولاد نرینہ کی کمی کے پیش نظر بابا صاحبؒ نے حافظ صاحبؒ کو شرقپور شریف اپنے پاس ہی بلوالیا۔ شرقپور شریف میں آپؒ کی بدولت گھر گھر علم و ہدایت کا چرچا ہو گیا علاقہ اور قصبہ کے بڑے بڑے روسا آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپؒ کی تاریخ وصال ۲۴ رجب ۱۲۸۰ھ ہے اور دوسری روایت کے مطابق آپؒ ۱۲۸۲ھ میں واصل باللہ ہوئے۔ آپؒ کا مزار مبارک اعلیٰ حضرت میاں صاحبؒ کے دربار عالیہ کے پاس ہی موجود ہے۔

حافظ صالح محمد صاحبؒ کے تین لڑکے تھے۔ حافظ محمد عمر صاحبؒ، بابا غلام رسول صاحبؒ اور میاں غلام محمد صاحبؒ۔ حافظ محمد عمر صاحبؒ کے فرزند حضرت میاں صاحبؒ شرقپوری کے جد امجد حافظ محمد حسین صاحبؒ تھے اور حافظ صاحبؒ کے نور نظر سرکار شرقپوریؒ کے والد بزرگوار میاں عزیز الدین صاحبؒ تھے۔

۱؎ مولانا غلام رسولؒ کی وفات کے بعد شرقپور میں درس و تدریس کا سلسلہ حافظ محمد حسینؒ ہی کے سپرد ہوا اور انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس شمع فروزاں کی روشنی دور دور تک پھیلائی۔

میاں عزیز الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ

آپ ؒ بڑے نیک اور پارسا انسان تھے۔ اتباع شریعت آپ ؒ کا شیوہ اور زہد و تقویٰ آپ ؒ کا مسلک تھا۔ ملازم پیشہ تھے۔ ضلع رہتک میں صدر مقام پر ویکسی نیٹروں پر سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے انچارج تھے۔ حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ بتاتے ہیں کہ جب وہ ویکسی نیٹر بھرتی ہو کر رہتک گئے تو وہاں میاں عزیز الدین صاحب ؒ مرحوم کے ماتحت کام کرنیوالے موجود تھے جو آپ ؒ کی خوبیوں اور اوصاف کے مداح تھے ان میں رہتک کے ایک مرزا صاحب تھے جو خصوصیت کے ساتھ آپ ؒ کی پرہیز گاری اور عادات حسنہ کی تعریف کرتے مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ میاں عزیز الدین صاحب ؒ شب بیدار اور تہجد گزار تھے۔ ان کا سلوک ماتحتوں اور افسروں کے ساتھ یکساں تھا۔ آپ ؒ ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔

میاں عزیز الدین صاحب ؒ اکثر دو تین ماہ کے بعد گھر تشریف لاتے۔ ان دنوں حضرت صاحب ؒ قبلہ کی حالت مجذوبانہ تھی۔ اکثر گریہ وزاری کیا کرتے اور عشق الٰہی میں سرگرداں رہتے۔ زیادہ وقت جنگل میں گزارتے۔ اسی وجہ سے میاں عزیز الدین صاحب ؒ سمجھتے کہ میرا یہ بیٹا بالکل ''سائیں لوک'' ہے اور مزید اولاد کی غرض سے آپ ؒ نے دوسری شادی کی۔ چونکہ خدمت خلق اور راہ خدا میں ہر چیز لٹا دینا حضرت صاحب ؒ قبلہ شرقپوری کا شعار تھا۔ اس لیے آپ ؒ ہمیشہ مقروض رہتے۔ جب میاں عزیز الدین صاحب ؒ چھٹی پر گھر تشریف لاتے تو آپ ؒ کا قرض ادا کرتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

ایک دفعہ میاں عزیز الدین صاحبؒ سپرنٹنڈنٹ انچارج کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار بعد از نماز تہجد دورے پر جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک نقاب پوش نے آپؒ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا "جس لڑکے کو تم "سائیں لوک" سمجھتے ہو وہ اپنے زمانہ کا ایک باکمال شخص ہوگا۔ اس آفتاب ہدایت کی ضیاء باریاں تاریک دلوں کو منور کریں گی۔ یہ منبع فیوض و برکات ہوں گے اور دنیا ان کو مانے گی۔ ان کا شہرہ چاردانگ عالم میں ہوگا۔ لیکن اپنے اس نیک بخت بچے کا عروج آپ نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے آپؒ انہیں کچھ نہ کہا کریں۔" اس دن کے بعد میاں عزیز الدین صاحبؒ کے دل میں حضرت صاحبؒ قبلہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ حضرت صاحبؒ قبلہ کی عزت کرنے لگے۔

آپؒ کی ملازمت کے آخری دنوں میں ضلع رہتک کے قصبہ ہانسی میں ہیضہ کی وبا پھوٹ نکلی۔ گورنمنٹ نے ہیضہ کی روک تھام کیلیے آپؒ کو ہانسی میں تعینات کر دیا۔ آپؒ وہاں تشریف لے گئے اور وہیں ہیضہ کا شکار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شرقپور شریف میں گورنمنٹ نے سرکاری طور پر آپؒ کے وصال کی اطلاع دے دی اور آپؒ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

حضرت صاحبؒ قبلہ خود بھی والد صاحبؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اور ثانی صاحبؒ کو بھی وہاں بھیجا۔ آپؒ نے حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ کو بلا کر ثانی صاحبؒ قبلہ کے ہمراہ کیا اور مبلغ پینتالیس (۴۵) روپے دے کر فرمایا۔ "پہلے سرہند شریف جانا اور مجدد صاحبؒ کی حاضری دینا اس کے بعد پانی پت جا کر غوث علی صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ کہتے ہوئے دلّی کے راستہ امام دین درزی کو مل کر ہانسی جانا۔ وہاں قصبہ کے باہر

ایک ''چھپڑ'' کے کنارے کیکر کا درخت ہے اور اس درخت کے نیچے تین مزار ہیں ان میں والد صاحبؒ کا مزار بھی ہے۔ وہاں فاتحہ خوانی کرنا۔''

چنانچہ سرکار ثانی صاحبؒ (میاں صاحبؒ کے چھوٹے بھائی) حاجی کریم بخش کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ کی ہدایات کی روشنی میں مجدد الف ثانیؒ اور غوث علی صاحبؒ کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے اپنے والد مکرم مرحوم و مغفور کے مزار کی زیارت کے لیے ہانسی تشریف لے گئے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

صبح طالع ہوئی خورشید ولایت چمکا

ذرّے ضو ریز ہوئے مہر حقیقت چمکا

شاد ہیں اہل جہاں اختر قسمت چمکا

خوش ہیں عشاق مہ عشق و محبت چمکا

طلوع آفتاب

پیش گوئیاں

ہمارے بزرگ میاں امام دین موہنگا، میاں ولی محمد صاحب ریوڑی اور ان کے دیگر ہم عصر لوگ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت صاحب قبلہ کی ولادت سے کافی عرصہ پیشتر ایک فقیر مجذوب یہاں آیا کرتا تھا اور آپؒ کے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیا کرتا۔ فقیر مذکور اکثر چھ سات ماہ کے بعد آیا کرتا۔ لوگ اسے کچھ دیتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا۔ چنانچہ ایک دفعہ معززین قصبہ مل کر فقیر کے پاس گئے اور کہا۔ ''آپ نے جو کچھ لینا ہو فرمایئے ہم حاضر کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ فقیر کا شہر سے خالی ہاتھ چلے جانا شہریوں پر بوجھ ہوتا ہے۔'' اس کے جواب میں فقیر مسکرایا اور کہا ''مجھے کچھ نہیں چاہیے اور نہ ہی میں مانگنے آتا ہوں۔ میں تو اس مکان میں ایک بابرکت ہستی کی آمد دیکھ رہا ہوں اور اسی ہستی سے فیض یاب ہونے یہاں آتا ہوں۔''

کہتے ہیں حضرت خواجہ امیر الدین صاحب بھی حضرت صاحب قبلہ کی ولادت سے بہت عرصہ پیشتر شرقپور شریف آیا کرتے اور فرماتے کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ اس سرزمین میں ایک ''شیرِ خدا'' پیدا ہوگا۔ جس سے ایک دنیا فیضیاب ہوگی۔

پیدائش

بالآخر ۱۲۸۲ ہجری کی نور افشاں صبح کو اس بلند بخت و باسعادت بچہ نے میاں

عزیز الدین صاحبؒ کے گھر جنم لیا جس نے نہ صرف عام لوگوں کے دل بدل کرانہیں واصل باللہ کر دیا بلکہ سلجھے ہوئے قلوب کی بھی راہ سلوک میں راہنمائی فرمائی۔

راقم الحروف کی دادی صاحبہ نے والد صاحبؒ کو بتایا ''جب حضرت صاحبؒ قبلہ کی ولادت ہوئی تو میں آپؒ کے گھر موجود تھی کیونکہ میں آپؒ کی والدہ محترمہ سے پڑھا کرتی تھی اور پڑھنے والی تمام لڑکیوں سے بڑی ہونے کی وجہ سے مجھے ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت صاحبؒ قبلہ کو نہلاؤں، دھلاؤں اور گھٹی دوں۔ اسی وجہ سے حضرت صاحبؒ قبلہ بڑے ہو کر مجھے پھوپھی کہا کرتے تھے۔''

اُن کا کہنا ہے کہ حضرت صاحبؒ قبلہ کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ نے ایک رات خواب میں دیکھا آسمان سے ایک تخت اُترا ہے جس کے اُٹھانے والوں کے چہروں پر نور برس رہا ہے۔ وہ میرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور جب واپس لائے تو ان کے سر پر ایک چمکتا ہوا تاج تھا اور آپؒ نورانی لباس زیب تن کیے تھے۔

بعد ازاں جب بھی حضرت صاحبؒ قبلہ ہمشیرہ صاحبہ کے گھر تشریف لے جاتے تو اکثر اس خواب کا ذکر ہوتا اور آپؒ ہنس کر مسکرا دیتے۔

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب میری پیدائش کی خبر بابا غلام رسول صاحبؒ کو دی گئی تو انہوں نے مجھے مسجد میں لانے کو کہا۔ چنانچہ مجھے مسجد میں لا کر بابا صاحبؒ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ بابا صاحبؒ نے دیکھ کر فرمایا ''یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور باکمال ہوگا۔'' اور اپنی زبان میرے منہ میں ڈال دی جسے میں نے چوس لیا۔ سلسلہ قادریہ سے میری نسبت اسی وجہ سے ہے''۔

بعد ازاں حسب دستور ساتویں روز گھر والوں نے بچے کا نام تجویز کرنے کے

لیے کہلا بھیجا تو بابا غلام رسول صاحبؒ نے فرمایا ''یہ بچہ وہی ہے جس کی بشارت میرے والد بزرگوار کو غار میں معتکف ولی اللہ نے دی تھی وہ میں نہیں تھا بلکہ وہ ہونہار اور بلند بخت لڑکا یہی ہے اور ان کے فرمان کے مطابق آپؒ کا اسم گرامی ''شیر محمد'' رکھا گیا۔

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع

عالمے گویا شود یا فاضلے صاحبِ سخن

دورہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود

بو سعید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

(حکیم سنائی)

بالائے سرش زِ ہوشمندی

مے تافت ستارۂ بُلندی

(سعدی شیرازیؒ)

طفولیت

بچپن

میاں امام دین صاحب موڑگا، حکیم امام دین صاحب سکھی و دیگر بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے کہ ''آپؒ مادرزاد ولی ہیں''۔ آپؒ کا زمانہ طفولیت ایسا بے نظیر اور حیران کن تھا کہ اسکی مثال سوائے اولیائے متقدمین کے کسی اور طبقے کے بچوں میں ملنی محال ہے۔ بچپن میں ہی آپؒ بچوں کے ساتھ کھیلتے نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے۔ بلکہ آپؒ تنہائی کو ہی پسند فرماتے تھے۔

جوں جوں آپؒ بڑے ہوتے گئے۔ آپؒ کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار اور روشن ہوتی گئیں۔ چلبلاہٹ، شرارتیں اور کھیل کود جیسی عادات جو کہ بچپن کا خاصہ ہیں آپؒ میں نام تک کو نہیں تھیں۔ کم گوئی، کم خوری، ادب، اخلاق، فرمانبرداری اور غور و فکر شروع میں ہی آپؒ کی طبیعت میں تھا۔ روشن پیشانی اور چہرے کی ضیاء آپؒ کے ہونیوالے عروج کا پتا دے رہی تھی۔

تھوڑے ہی عرصہ میں آپؒ نے قرآن کریم پڑھ لیا اور والدین کے اصرار پر سکول بٹھا دیے گئے لیکن وہاں آپؒ کی طبیعت نہ لگ سکی۔ سکول میں پانچویں درجے تک تعلیم پالینے کے بعد آپؒ کی تعلیم و تربیت حافظ حمید الدین صاحبؒ کے سپرد کی گئی۔ آپؒ نے کچھ ہی عرصہ میں چند ایک درسی و دیگر کتب پڑھ لیں اور لکھنے میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی۔ خوشنویسی آپؒ کو ورثہ میں ملی تھی۔ مکتب میں ہی آپؒ کی

خوش خطی کا شہرہ ہوگیا تھا۔ اسم ذات بڑے بڑے حروف میں بہت ذوق وشوق سے لکھا کرتے۔ اپنی فطری صلاحیتوں سے اسم اعظم ''اللہ'' جلہ شانہٗ کے گرد نقش ونگار بناتے اور خوش نما پھول پتیوں میں اسم ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم رقم کرتے حضرت صاحبؒ کے دست مبارک سے بنے ہوئے قطعات آج بھی موجود ہیں۔ ثانی صاحبؒ نے ان کے بلاک بنوا کر چھپوا دیے ہیں، تاکہ نقشبندی حضرات سرکار شرقپوریؒ کے دست مبارک سے بنے ہوئے اسم ذات کے نقشہ جات کو دیکھ کر اپنے سینوں میں موجزن جوش جنوں کو تسکین دے سکیں۔ کئی بوسیدہ قرآن پاک اور سیپاروں کے اوراق آپؒ نے خود لکھ کر صحیح کیے۔ دور حاضر کے بڑے بڑے کاتب اور نقاش آپؒ کے قطعات، مکتوبات اور تحاریر دیکھ کر محو حیرت رہ جاتے ہیں۔

دوران تعلیم جب آپؒ مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ چھٹی کے وقت دوسرے بچے تو کھیل کود میں مشغول ہو جاتے لیکن آپؒ اپنی خداداد اور وہبی تربیت کے زیر اثر کسی گوشہ تنہائی یا مسجد میں جا بیٹھتے اور اللہ کے ذکر میں محو ہو جاتے ہیں۔

بقول میری دادی صاحبہ کے حضرت صاحب قبلہ صغر سنی میں ہی اکثر محویت کے عالم میں دیکھے جاتے اور جب خدائے بزرگ و برتر کی محبت موجزن ہوتی تو آپؒ قبرستان چلے جاتے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ جب دریافت فرماتیں تو فرماتے ''اپنے وڈھیاں نوں ملن گیا ساں''۔ (یعنی اپنے بڑوں کو ملنے گیا تھا)

جیسے جیسے سرکار کی عمر شریف زیادہ ہوتی گئی آپؒ کی طبیعت ذکر اذکار اور عبادات کی طرف راغب ہوتی گئی۔ اکثر نوافل میں مشغول رہتے۔ اور کثرت سے یاد الٰہی کرنے اور زیادہ وقت محویت الٰہی میں گزارنے لگے۔

جوانی

والد صاحب بزرگوارم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صاحب قبلہ نے حدود جوانی میں قدم رکھا تو آپ پر محویت اور جنون کا غلبہ زیادہ ہو گیا۔ آپ جوش جنون کی وجہ سے قبرستانوں میں جا کر پرانی اور پھٹی ہوئی قبروں میں پڑے رہتے۔ اکثر دریاؤں پر چلے جاتے۔ سردیوں میں انتہائی سردی کے وقت دریا کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر سورۃ الفتح کا آخری حصہ ھو الذی ارسل رسولہ الخ پڑھتے اور اگر گرمی کا موسم ہوتا تو دریا کی ریتلی زمین پر لیٹتے اور سورۃ الحشر کا آخری حصہ لو انزلنا ھذا القران الخ تلاوت فرماتے اور رو رو کر کہتے "اے اللہ یا تو دین حق عطا کر دے یا یہیں پر ہی موت دے دے۔" کبھی چار چھ مہینے کے بعد والدہ صاحبہ کو ملنے گھر تشریف لاتے۔ ورنہ اکثر دریا پر رہتے۔

آپ کی والدہ ماجدہ جو رات کو گھر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سوئی ہوتیں۔ دیکھتیں کہ حضرت صاحب قبلہ گھر کے اندران کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور وہ جا کر دروازہ دیکھتیں تو وہ اندر سے بدستور بند ہوتا۔ آپ جو چیز گھر میں دیکھتے نگل جاتے دہکتے ہوئے کوئلے کھا جاتے۔ ابلتی ہنڈیا پی جاتے اور پسی ہوئی سرخ مرچیں پھانک لیتے اسی وجہ سے آپ کی والدہ صاحبہ آپ کی آمد پر ایسی چیزیں چھپا دیتیں۔

کچھ عرصہ بعد آپ شرقپور شریف شہر میں تشریف لے آئے۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ مسجد میں جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر آوازیں دیتے۔ "اللہ جی! گھر ہو میں اندر آ سکتا ہوں۔" یہ آوازیں سن کر لوگ اکٹھے ہو جاتے اور پوچھتے ہوئے کہتے

کہ مسجد کا دروازہ تو کھلا ہے آپؒ اندر جا سکتے ہیں۔ آپؒ جواب میں ارشاد فرماتے "میاں شریعت کا حکم ہے کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اندر نہیں جانا چاہیے۔"

آپؒ بار بار تکرار فرماتے اور پھر اندر جاتے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ آپؒ نے عشاء کی نماز کے بعد لاہور جانے والی سڑک کے قریب ہی حضرت ہاشم شاہ سندھیؒ کے مزار پر جانا شروع کر دیا۔ پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد آپؒ کا یہ معمول ہو گیا کہ آپؒ بعد از نماز عشاء ہاشم شاہ سندھیؒ کے مزار پر تھوڑی دیر قیام فرماتے پھر لاہور روانہ ہو جاتے وہاں راہنمائے کاملاں حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کے آستانہ پر حاضری دیتے اور واپس شرقپور شریف تشریف لے آتے۔ کئی سال سرکار شرقپوریؒ کا یہی معمول رہا۔

منصب ولایت

والد صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت صاحبؒ نے ارشاد فرمایا "ایک دفعہ میں حسب معمول لاہور جا رہا تھا۔ سردی انتہا پر تھی بارش اور آندھی کا طوفان زوروں پر تھا بجلی کڑک رہی تھی اور اولے بھی شدت سے پڑ رہے تھے۔ میری طبیعت نے آج جانے سے کچھ گریز کیا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا کہ شاید آج آزمائش کا دن ہے۔

آپؒ ارشاد فرماتے ہیں اس موقعہ پر مجھے سوہنی کا قصہ یاد آیا۔ جب میں موضع ٹھیکری والا کے قریب پہنچا تو بجلی زور سے کڑک کر گری اور ہوا کا شور بڑھ گیا۔ سڑک کے درخت گرنے لگے۔ سڑک بے آباد تھی میں ڈر کے مارے سڑک سے باہر نکل گیا۔ غائب سے آواز آئی کہ ابھی تک تمہیں اپنی جان ہی پیاری ہے۔ حضورؒ فرماتے ہیں کہ میں دوڑ کر پھر سڑک پر آ گیا۔ بجلی پھر کڑکی، میں پھر سڑک سے باہر ہو گیا۔

غائب سے پھر وہی آواز آئی۔ تیسری بار پھر ایسا ہوا اور مجھے وجد ہو گیا اور اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ کس نے مجھے گھر پہنچایا۔ مجھے چارپائی پر لٹاتے اور میں نیچے گر جاتا ایک ہفتہ اسی طرح حالت رہی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کوئی مجھے اٹھا کر بٹھا رہا ہے جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سرکار بغدادؓ تشریف فرما ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور فرمایا "سنبھلو اور ہشیار ہو جاؤ تم سے کام لینا ہے۔" اور میرا ہاتھ حضور نے بغداد والی سرکارؓ کے ہاتھوں میں دے دیا۔

اس کے بعد میں مسجد میں بیٹھ گیا اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ کچھ دن کے بعد داتا صاحب لاہوریؒ کی طرح پڑھانے کا کام بھی چھوڑ دیا اور یہ کام چچا حمیدالدین صاحبؒ کے سپرد کر دیا۔

ویسے تو اعلےٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوریؒ کا سارا خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے بلند مقام پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایتوں اور رحمتوں سے اس پر فتن دور اور پر آشوب زمانہ میں اصلاح عقائد و احوال اور ہدایت و رہنمائی کے لیے احیائے سنت کے خاص منصب پر حضرت قبلہؒ کو سرفراز فرمایا۔ آپؒ نے جس شان سے حق کی آواز بلند کی وہ اپنی نظیر آپؒ ہے۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ انہی ایام کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آپؒ نے فرمایا۔ "ایک دن میں مویشی لے کر کنوئیں سے آیا تو مسجد میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی اس دن مطلع ابر آلود تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ میں وضو کرنے لگا اور میری زبان سے بے ساختہ نکلا کہ شاید ابھی تو سورج ہو گا۔ اس وقت جماعت

میں نماز ہو رہی تھی۔ اور ایک رکعت ادا ہو چکی تھی۔ معاً ہی بادل پھٹ گئے اور سورج کی کرنیں پھوٹ نکلیں نماز کی امامت چچا حمید الدین صاحبؓ کر رہے تھے۔ انہوں نے سلام پھیر دیا۔ مغرب کا وقت ہونے پر جب مؤذن نے چچا جان سے کہا کہ اذان دوں تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اس سے پوچھ لو''۔

تجھی کو دیکھنا، تری سننا، تجھی میں ہی گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اسکو کہتے ہیں

تمہارے غیر کے خطرے سے کرنا پاک باطن کو
صنم پیر مغاں غسل طہارت اسکو کہتے ہیں

بہا خوں دست مجنوں سے اگر لی فسد لیلیٰ نے
فنا ہے نام اس کا اور نسبت اسکو کہتے ہیں

نسبتِ شیخ

بیعت

بقول والد صاحبؒ سرکار میاں صاحبؒ نے ارشاد فرمایا "مجھے بیعت کرنے کے لیے اکتالیس اولیاء ہماری مسجد میں تشریف لائے ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ لڑکا میرے سلسلے میں داخل ہو مگر کسی سے ہو نہ سکا۔" انہی دنوں حضرت خواجہ میر صادق علی شاہ صاحبؒ مکان شریف والے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں ایک دن مسجد کے محراب میں محوِ خیال تھا اور مجھ پر رقت طاری تھی تو آپؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اس کی ٹھنڈک میرے پاؤں کے تلوؤں تک محسوس ہوئی۔

حضرت صاحبؒ قبلہ نے فرمایا "کبھی کبھی پہلے بھی بابا امیر الدین صاحبؒ شرقپور شریف تشریف لایا کرتے تھے۔ میر صادق علی شاہ صاحبؒ کی آمد کے کچھ عرصہ بعد بابا صاحبؒ تشریف لائے اور مجھے بلایا جب میں حاضر ہوا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور مجھے سلسلہ میں داخل کر لیا۔ مجھے اپنے جدامجد بابا غلام رسول صاحبؒ کا فیض قادری حاصل تھا۔ لیکن حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کی نسبت مجھے کھینچ کر ادھر لے گئی"۔

کوٹلہ پنجو بیگ ضلع شیخوپورہ میں خواجہ امیر الدین صاحبؒ سکونت رکھتے تھے آپؒ وہاں اپنے شیخ کے پاس آنے جانے لگے۔ چونکہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کی نسبت آپؒ پر غالب تھی اس لیے بابا صاحبؒ قبلہ کے ہمراہ اکثر آپؒ بھی

مکان شریف چلے جاتے۔ایک دفعہ بابا صاحبؒ نے میر صادق علی شاہ صاحبؒ کے سامنے حضرت صاحبؒ قبلہ کو پیش کیا تو میر صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا۔"بابا جی! لڑکا تو خوب لائے ہو۔"استعداد بہت ہے اور اڑ جانیوالا ہے ظاہری علم کچھ کم ہے لیکن خیر!کوئی بات نہیں وہ بھی بہت ہو جائے گا۔"اس دن کے بعد سے بابا صاحبؒ سے حضرت صاحبؒ قبلہ کی نسبت کا یہ عالم ہو گیا کہ جب بھی رات کو بابا صاحبؒ کوٹلہ شریف میں یاد فرماتے۔آپؒ اسی وقت پا پیادہ روانہ ہو جاتے۔صبح کو معلوم ہوتا کہ کئی ایک سانپ آپؒ کے پاؤں تلے آ کر کچلے گئے ہوتے۔

ایک دفعہ حضرت صاحبؒ قبلہ کوٹلہ شریف تشریف لائے ہوئے تھے بابا صاحبؒ اور حضرت صاحبؒ قبلہ دونوں تالاب پر نہانے تشریف لے گئے نہانے کے دوران ہی کنویں کی چرخی کے چیخنے کی آواز آئی۔آپؒ کو تالاب میں ہی وجد ہو گیا۔اکثر مرغ کی آواز قرآن پاک کی تلاوت یا نعت خوانی کی آواز پر وجد ہو جایا کرتا تھا۔بابا صاحبؒ نے فرمایا۔"میرے عزیز کو پکڑو۔"لوگ آ گئے اور آپؒ کو پکڑنے لگے۔احباب پکڑتے تو آپؒ "اللہ" کا نعرہ لگا کر ان کے ہاتھوں سے نکل جاتے۔سرکار کئی کئی دن تک بابا صاحبؒ قبلہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور چکی پیس کر بابا صاحبؒ کی خدمت کرتے۔

میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا خطاب

بابا صاحبؒ شرقپور شریف تشریف لا کر کئی کئی مہینے حضرت صاحبؒ قبلہ کے پاس قیام فرماتے۔آپؒ قرض لے کر بھی خدمت شیخ سے دریغ نہ کرتے۔بابا صاحبؒ شب

سوار تھے۔ چائے کی ایک سماوار ہروقت آپؒ کے پاس گرم رہتی اور باباصاحبؒ یاد
الٰہی میں مشغول رہتے۔ایک روز کا ذکر ہے کہ بارش ہورہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔
خنک ہوا چلنے کی وجہ سے ''سماوار'' ٹھنڈی ہوگئی۔ جسے گرم رکھنے کے لیے مزید کوئلہ لکڑی
نہیں تھا۔ باباصاحبؒ نے آواز دی کہ چائے لاؤ۔ حضرت صاحبؒ قبلہ نے دیکھا تو
چائے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور جوش محبت میں اپنی دستار
مبارک پھاڑ کر جلائی اور چائے گرم کر کے باباصاحبؒ کے حضور پیش کردی تھوڑی دیر
بعد چائے پھر ٹھنڈی ہوگئی۔ اس دفعہ آپؒ نے اپنا کرتا اتار کر آگ جلائی اور چائے گرم
کی۔ تیسری مرتبہ چائے پھر ٹھنڈی ہوگئی تو سرکارؒ نے اپنا تہہ بند اتار کر چولہے میں
جھونک دیا اور چائے گرم رکھی۔ اس وقت تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔

باباصاحبؒ نے پوچھا'' آج چائے کس نے بنائی ہے۔اس کا مزہ کچھ اور ہے
رنگ بھی اور'' محمد دین خادم نے سرکارؒ کا نام لیتے ہوئے عرض کیا ''انہوں نے بنائی
ہے۔'' باباصاحبؒ قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلاؤ۔ جواب میں خادم مذکور نے
عرض کی ''حضور وہ تو صف لپیٹے ڈیوڑھی میں پڑے ہیں۔''

باباصاحبؒ نے کپڑوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ انہوں نے اپنے
تمام کپڑے پھاڑ کر چولہے میں جلا دیے ہیں اور آپؒ کے لیے چائے گرم رکھی ہے۔

یہ سن کر باباصاحبؒ وجد میں آگئے اور دوڑ کر صف میں ملبوس حضرت صاحبؒ قبلہ
کو سینے سے لگالیا اور جوش سے فرمایا ''تم میاں صاحب ہو میاں صاحب'' اور اسی
دن سے قبلہ شرقپوریؒ ہر خاص وعام میں ''میاں صاحب'' کے نام سے مشہور ہوگئے اور
آج بھی اکثریت اسی نام سے آپؒ کو یاد کرتی ہے۔

حضور میاںصاحب قبلہؒ ایسے شاہسوار راہ طریقت کو اپنے شیخ سے جو کچھ محبت ہوسکتی ہے اس کا اندازہ ہم ایسے نا آشنائے راہ سلوک کیسے کر سکتے ہیں حضور مرید بھی تھے اور مراد بھی۔ حضرت صاحب قبلہؒ نے خود ارشاد فرمایا کہ میں باباصاحبؒ کے سینہ پر پڑا ہوا تھا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا ''قیامت کا دن ہوگا۔ مولا عزوجل پوچھیں گے امیر الدین۔ دنیا میں تجھے بھیجا تھا وہاں کیا کچھ کیا ہے اور آخرت کے لیے کیا لایا ہے تو جواب دوں گا۔ میرے آقا! دنیا میں غفلت ہی رہی، کچھ نہ کر سکا صرف ایک کمائی کی ہے اور میاںصاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر مالک ذوالجلال کے حضور پیش کر دوں گا اور کہوں گا کہ اے الٰہ العالمین اس ''بچڑے'' کی طفیل مجھے بخش دے۔''

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ کی والدہ صاحبہ نے قصور اپنے میکے جانا تھا۔ ان دنوں قصور جانے کے لیے رائے ونڈ تک پیدل یا گھوڑی پر جانا پڑتا تھا۔ وہاں سے قصور کے لیے ٹرین ملتی تھی۔ والدہ صاحبہ نے سرکارؒ کو فرمایا ''مجھے رائے ونڈ چھوڑ آؤ۔''

باباصاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے خادم خاص محمد دین سے حضور میاںصاحب قبلہؒ نے والدہ صاحبہ کو رائے ونڈ پہنچانے کے لیے گھوڑی مانگی تو اس نے ٹال دیا۔ آپ کسی اور کی گھوڑی لے کر چلے گئے آپؒ کے تشریف لے جانے کے بعد باباصاحبؒ کی گھوڑی رسہ توڑ کر بھاگ گئی۔ تین گاؤں پھریانوالہ، ماتاتر ڈا اور ساموں لانا کے آدمی گھوڑی کو پکڑنے اکٹھے ہوئے لیکن اس نے نہ ہاتھ لگنا تھا نہ لگی تین دن گھوڑی کے پیچھے دوڑتے رہے۔ لیکن نہ پکڑی جا سکی۔ چوتھے روز محمد دین نے باباجیؒ سے عرض کی ''حضور! گھوڑی نہیں پکڑی جا سکی۔'' باباصاحبؒ نے تبسم فرمایا اور کہا ''یہ گھوڑی میاں صاحب کی چھوڑی ہوئی ہے۔ وہی پکڑوائیں گے۔ ان سے کہو۔''

محمد دین سیدھا سرکارؒ کی خدمت اقدس میں پہنچا اور تمام ماجرا من وعن بیان کردیا۔ حضور میاں صاحبؒ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ''یہ بھی کوئی بات ہے۔ ماچھریاں والے کنویں پر نسار میں سے پانی پی رہی ہے پکڑ دو۔'' محمد دین اس کنویں پر گیا تو گھوڑی کھڑی پانی پی رہی تھی۔ اس نے پیار سے بالوں سے پکڑ لیا۔ گھوڑی چپکے چپکے ساتھ چلی آئی۔

ولایت کے مختلف درجے ہیں اور بے شمار مراتب بعض حضرات عشق کے بے پایاں سرور اور نشہ میں چور ہو کر ظاہراً عقل و دانش کھو بیٹھتے ہیں۔ انہیں احکام شرعیہ کی بجا آوری کا ہوش نہیں رہتا۔ انہیں مجذوب کہتے ہیں۔ بعض وہ حضرات ہیں جو ''ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل'' ایسے حضرات ولایت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی دامن عقل و خرد ہاتھ سے جانے نہیں دیتے انہیں سالک کہا جاتا ہے۔

یہ لفظ سالک و مجذوب کی ہے شرع اے بیدم
کہ ایک ہشیار ختم المرسلین اور ایک دیوانہ

یہ تصوف کے مسائل ہیں جنہیں صوفیا ہی سمجھتے اور جانتے ہیں کہ میرا مقصد ان مسائل کی تشریح نہیں بلکہ صرف اتنا اشارہ مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت میاں صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے بلند مقامات اور اعلیٰ درجات عطا فرمائے کہ آپؒ عشق و محبت کی سرمستیوں میں مست رہ کر الفت کے بحر بیکراں میں غوطہ زن بھی رہے اور عقل و دانش اور شریعت مطہرہ کی حدود سے بھی ذرہ بھر باہر نہیں ہوئے۔ حضورؒ نے کسی وقت اور کسی مقام پر بھی احکام شرعیہ سے تھوڑی سی بھی غفلت برداشت نہیں کی۔ آپؒ کو مالک حقیقی نے ایسی قوت عطا فرمائی کہ آپؒ وادیٔ عشق و محبت میں بھی

والہانہ منازل طے کرتے رہے اور احیائے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصلاح احوال کے اعلیٰ وارفع کام میں بھی اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دی۔

حضرت صاحب قبلہ ؒ کو اپنے شیخ طریقت سے نہ صرف عقیدت تھی بلکہ آپؒ کی رگ رگ میں بابا صاحبؒ کا عشق جلوہ فگن تھا لیکن جس منصب پر حضرت صاحب قبلہؒ کو فائز کیا گیا تھا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کسی بات کو بھی حضورؒ نے حائل نہیں ہونے دیا۔

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ خواجہ امیر الدین صاحبؒ کو حضرت صاحبؒ قبلہ سے بے پایاں محبت تھی آپؒ اکثر شرقپور شریف آ کر سرکارؒ کے پاس کئی کئی ہفتے قیام فرمایا کرتے۔

ایک دفعہ بابا صاحب قبلہ ؒ تشریف لائے ہوئے تھے اور جمعہ کا دن تھا (بابا صاحب عموماً مسجد کی چھت پر ایک حجرہ میں فروکش ہوا کرتے تھے) جمعہ کے لیے اذان ہو چکی تھی۔ حضرت صاحب قبلہ ؒ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ بابا صاحبؒ حجرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؒ سیدھے بابا صاحب قبلہؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی ''حضور! جمعہ کے لیے اذان ہو چکی ہے اور آپؒ ابھی تک حجرہ میں ہی تشریف فرما ہیں۔ اس عالم میں ہم مریدین کہاں جائیں۔'' حضرت صاحب قبلہؒ کی یہ باتیں سنکر بابا صاحبؒ نے فرمایا ''بیٹا! آج کے بعد اذان ہو چکنے پر مجھے کبھی حجرہ میں بیٹھا ہوا نہیں پاؤ گے۔ سب سے پہلے صف میں جا کر بیٹھوں گا۔''

خلافت

ویسے تو سرکار میاں صاحب شرقپوریؒ مادرزاد ولی تھے۔ آپؒ کی ولایت فطری اور عطائی تھی نہ کہ کسبی تاہم شیخ طریقت کی صحبت نے صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ عبادت و ریاضت اور اشغال سلسلہ نے دل کے روشن چراغ کو جلا دی اور اسکی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر باہر نکلنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپؒ نے شغل اسم ذات حبسِ دم مراقبہ نفی اثبات و دیگر اشغال میں کمال حاصل کر لیا اور اس کے بعد آپؒ لطائف کی منازل طے کرنے لگے۔

سالک (۱) کی سات منزلیں ہیں۔ ارواح بھی سات ہیں۔ وجود آدمی میں نفس بھی سات ہیں انسان میں جوہر بھی سات ہیں۔ افلاک بھی سات ہیں۔ زمین کے طبقات بھی سات ہیں اقالیم بھی سات ہیں۔ ایمان کی صفتیں بھی سات ہیں۔ ایمان کی شرطیں بھی سات ہیں۔ اندام سجدہ بھی سات ہیں۔ واجبات شریعت بھی سات ہیں۔ طواف بیت اللہ بھی سات ہیں۔ ولائتیں بھی سات ہیں۔ اور لطائف نقشبندیہ بھی سات ہی ہیں۔ ان کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جو انسان جس منزل سے گزرتا ہے اسی رنگ کے نور کا القاء اس کے قلب پر ہوتا ہے بعینہٖ ان دنوں حضرت صاحبؒ کی بھی یہی حالت تھی۔ آپؒ پر جس قسم کی کیفیت طاری ہوتی اور جس رنگ کے نور کا ورود آپؒ پر ہوتا۔ اسی رنگ میں آپؒ اسم ذات لکھ کر مسجد میں قطعہ کی صورت میں آویزاں کر دیتے دیگر کئی شعرا اپنے حال کے مطابق مسجد کی دیواروں پر تحریر کر دیتے۔

۱۔ مفتاح اللطائف

مسجد میں حضرت صاحب ؒ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ گیارہویں شریف کا ختم دلواتے۔ قندیلیں، قطعات وغیرہ اپنے ہاتھوں سے بنا کر مسجد میں آویزاں کرتے اور خود نوشتہ نعتیں بابا امام دین زرگر، حاجی نور دین مونگا، امام دین سرمہ اور میاں غلام محمد کنی باف جو حضرت صاحب قبلہ ؒ کے خاص نعت خواں تھے، سے سنتے۔ نعت خوانی کے دوران آپ ؒ کو اتنا وجد ہوتا کہ قندیلیں گر جاتیں صفیں ٹوٹ جاتیں بلکہ اکثر صفوں کو آگ لگ جاتی اور آپ ؒ زخمی ہو جاتے۔ بابا جی نور دین مونگا اور بابا امام دین زرگر کا کہنا ہے کہ عام نعت خوانی کے بعد ایک خاص مجلس ہوا کرتی تھی جس میں تمام لوگ آنکھیں بند کر کے حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعروں میں پڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور ہم حضور ؐ کو دیکھ رہے ہیں۔ ''سبحان اللہ''۔

خواجہ امیر الدین صاحب ؒ نے اپنے روحانی فرزند اور شہباز لاہوتی کی اڑانوں کو دیکھا اور سلوک کی منازل کو یوں طے کرتے پایا تو آپ ؒ کو میر صادق علی شاہ صاحب ؒ کی وہ بات کہ ''یہ لڑکا تو اڑ جانے والا ہے۔'' ہو بہو عملی جامہ پہنے نظر آئی۔ حضرت صاحب قبلہ ؒ کی علامات روحانیت کے ظہور اور کمال ترقی کے پیش نظر بابا صاحب ؒ نے وہ اصل چیز جس کے لیے ابتدا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میاں صاحب ؒ کا ہاتھ حضور غوث اعظم ؓ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ''سنبھالو تم سے کام لینا ہے۔'' حضرت صاحب قبلہ ؒ کو سپرد کر دی یعنی لوگوں کو اصلاح اور ہدایت کے لیے بار خلافت آپ ؒ کو تفویض کر دیا۔ اور عوام الناس کو ارشاد و تلقین کا حکم فرمایا۔ سرکار میاں صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے۔

''بابا صاحب ؒ نے مجھے کیا دیا۔ دہکتے ہوئے کوئلوں اور انگاروں کا ٹوکرا (بار خلافت) میرے سر پر رکھ دیا اور میں نے پاس ادب کی وجہ سے بلا چون و چرا اٹھا لیا۔''

بردرِ درویش رو ہر صُبح و شام
تاترا حاصل شود مطلب تمام

گرترا بر سر زند سر پیش نه — آنچه داری دَر ملک درویش ده

دادهٔ درویش یابی جاودان — از نظر درویش شد شاهجهان

هر که مقبول است درویش ازنظر — شد مراتب اوزِ بالا عرش تر

(کلام سلطان العارفین سلطان باھوؒ)

سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی علی پوری
رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”مکان شریف وہ جگہ ہے جس کے نام
پر اہل نسبت وجد میں آجاتے ہیں۔“

حضرت بڈھن شاہ صاحب کلانوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا
”مکان شریف خدا کی رحمت کا مورد ہے اور ملائکہ کے
اترنے کا مکان ہے۔“

مکان شریف

شہنشاہِ اولیاءَ غوث الاغیاث، شیخ الشیوخ، امام طریقت، قطب الاقطاب حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ قدس سرہ العزیز کا مسکن اور امام الاصفیا، سرتاج عاشقان رسول خدا، مصدر فیوض گنجینۂ حسنات، مہر سپہر حقیقت، مہ فلک طریقت وادیٔ تصوف کے شہباز سید السادات حاجی شاہ حسین صاحبؒ کی آرام گاہ ضلع گورداسپور میں تحصیل کی ایک بستی رتڑ چھتڑ المشہور ''مکان شریف'' سے کون ہے جو واقف نہیں۔ مکان شریف حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوریؒ کے دادا پیر کا مسکن ہے۔ آپؒ کو مکان شریف سے والہانہ محبت تھی۔ ابتدا ہی میں حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنے پیرو مرشد خواجہ امیر الدین صاحبؒ کے ہمراہ وہاں جانا شروع کر دیا تھا۔ آپؒ نہ صرف ہر عرس پر مع اپنے عقید تمندوں کے حاضری دیا کرتے تھے بلکہ سال میں دو تین بار ضرور وہاں جایا کرتے تھے۔ اس وقت کے سجادہ نشین میر بارک اللہ صاحب و دیگر صاحبزادگان سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ آپؒ پیروں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ آپؒ عرس کے موقعہ پر ختم شریف میں شمولیت کے وقت ادب و احترام کے پیش نظر درمیان میں گدی نشینان و صاحبزادگان کے ساتھ نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ حالانکہ میر بارک اللہ صاحب کو حضرت صاحب قبلہؒ سے بے پناہ محبت تھی اور دوسرے بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔

حضرت صاحب قبلہ کو خواجہ امام علی شاہؒ اور بھورے والی سرکار سے خاص نسبت

تھی مکان شریف کے باشندگان تو ایک طرف وہاں کے در و دیوار سے آپ ؒ کو پیار تھا۔ حضرت صاحب قبلہؒ اکثر مکان شریف کے قیام کے دوران گاؤں سے باہر چلے جاتے اور پوچھتے کہ کوئی بڑا بوڑھا ایسا ہے کہ جس نے خواجہ صاحب ؒ کو دیکھا ہو؟ اگر کوئی ایسا آدمی مل جاتا تو آپ ؒ اتنی تعظیم و تکریم کرتے کہ اس پر پیر ہونے کا گماں ہوتا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ مکان شریف سے ایک آدھ کوس باہر کھیتوں میں گئے تو وہاں ایک بوڑھا سکھ ہل چلاتا ہوا نظر آیا۔ آپ ؒ نے اس سکھ سے پوچھا ''آپ نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے؟'' اس نے جواب دیا ''جی ہاں'' یہ سننا تھا کہ آپ ؒ اس کے سامنے ہل چلی زمین پر دوزانو بیٹھ گئے۔ آپ ؒ نے اسکی آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا ''ان آنکھوں سے انہوں نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے''۔ اس سکھ نے کہا ''میں اپنے باپ کے ہمراہ خواجہ صاحب ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور میرا باپ کہا کرتا تھا کہ جب ہم کھلیانوں سے فصل اٹھا لیتے تھے تو کوئی جانور زمین پر گرا ہوا دانہ نہیں اٹھاتا تھا جب تک خواجہ صاحب حکم نہ فرماتے تھے اور جب مکان شریف کی زمین سے کوئی ڈھیلا اٹھاتے تھے تو اس میں سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی۔ بچپنے میں میری کمر پر بھی خواجہ صاحب ؒ نے ہاتھ پھیرا تھا''۔ حضرت صاحب قبلہؒ باتیں بھی سنتے جاتے اور یہ فرماتے ہوئے ''ان آنکھوں نے خواجہ صاحب ؒ کو دیکھا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھی چومتے۔ مکان شریف میں قیام کے دوران میں اکثر رات کو چاند کی چاندنی میں کئی کئی گھنٹے روضہ شریف کو بیٹھے دیکھا کرتے اور فرماتے ''خواجہ صاحب ؒ کا فیض آ رہا ہے۔''

مکان شریف کا گھوڑا

امام طریقت حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کے فرزند ارجمند میر صادق علی شاہ صاحبؒ کے پاس ایک چوبدار تھے جن کا نام غالباً مولانا غلام نبی تھا۔ مکان شریف عید گاہ کے پاس آم کے پیڑوں کے نیچے مولانا غلام نبی صاحب نے والد صاحبؒ کو یہ واقعہ سنایا۔

ایک دفعہ میر صادق علی شاہؒ نے مولانا غلام نبی صاحب کو کہیں ضلع جھنگ سے ایک گھوڑا لانے کو بھیجا۔ مولانا صاحب نے گھوڑا لے کر واپس آتے ہوئے ایک دو جگہ پیر صاحبؒ کے مریدوں کے پاس قیام کرنے کے علاوہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہؒ کے ہاں بھی ایک رات بسر کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب وہ گھوڑا لے کر آپؒ کے ہاں پہنچے تو آپؒ نے انتہائی مسرت اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ گھوڑے کو علیحدہ جگہ باندھ کر اس کے لیے چارہ دانہ کا انتظام کیا اور مولانا صاحب کی خوب خاطر مدارت کی۔ مولانا کی خدمت کرنے میں جو خوشی آپؒ کو ہو رہی تھی وہ آپؒ کے چہرہ سے نمایاں تھی۔ کھانا کھا کر مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی اور سونے کی تیاری کرنے لگے۔ مولانا چارپائی پر دراز ہوئے تو آپؒ ان کے پیر دبانے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا نیند کی آغوش میں چلے گئے اور حضرت صاحب قبلہؒ نے وہاں پہنچ کر جہاں کہ گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ گھوڑے کی مٹھی چاپی شروع کر دی۔

مولانا غلام نبی صاحب کو صبح سویرے اٹھتے ہی گھوڑا دیکھنے کا خیال آیا۔ جب وہ گھوڑے کے پاس آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میاں صاحب قبلہ گھوڑے کو مٹھیاں

بھر رہے ہیں اور یہ معلوم کر کے کہ آپؒ عشاء کی نماز کے بعد سے سحری تک متواتر مکان شریف کے گھوڑے کو مٹھی چاپی کرتے رہے ہیں مولانا پر رقت طاری ہو گئی۔

مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے مولانا نے سحری کے وقت ہی روانگی کا ارادہ ظاہر کیا اور حضرت صاحب قبلہؒ مولانا موصوف اور گھوڑے کو شرقپور شریف سے چار میل دور موضع منڈیا نوالہ تک وداع کرنے گئے۔ وداع کرتے وقت آپؒ نے مولانا کو کچھ کھانے کا سامان اور کچھ رقم دیتے ہوئے فرمایا۔ ''میر صادق علی شاہ صاحب کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور یہ حقیر سا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کرنا حضور مجھ عاجز کے لیے دعا فرما دیں''۔ مولانا صاحب جب مکان شریف پہنچے تو میر صاحب قبلہؒ نے پوچھا کہ راستہ میں کہاں کہاں قیام کیا اور کیسے گزری؟

مولانا نے عرض کی ''حضور! سب مریدین اخلاق اور تواضع سے پیش آئے لیکن شرقپور شریف کے میاں صاحب نے وہ خدمت کی ہے کہ کوئی دوسرا کیا کرے گا۔ اور عجب منظر یہ دیکھا ہے کہ میری خدمت کے علاوہ گھوڑے کو تمام رات مٹھیاں بھرتے رہے اور چار میل تک وداع کرنے آئے اور یہ نذر پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ میر صاحب سے عرض کرنا میرے لیے دعا فرما دیں''۔ یہ واقعہ سن کر میر صادق علی شاہ صاحبؒ تڑپ اٹھے اور جوش سے فرمایا ''میاں صاحب نے مکان شریف کے گھوڑے کو مٹھیاں بھری ہیں۔ انہیں سارا جہان مٹھیاں بھرے گا''۔

واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا غلام نبی کہنے لگے ''اسی لیے تو میں اکثر کہا کرتا ہوں کیا میاں صاحب شرقپوریؒ کو مکان شریف کا فیض میرے سر سے گزر کر ہوا ہے''۔

روضہ شریف کے لیے غلاف

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ" مکان شریف عرس میں شمولیت کے لیے تیار
ہوئے تو آپ" نے ماسٹر غلام محمد کو بلا کر فرمایا ''دو اچھاڑ'' بنانے ہیں اور ان پر کچھ سلمہ
بھی کرانا ہے''۔ آپ" نے اس غرض سے ماسٹر غلام محمد کو کچھ رقم بھی دی۔ وہ لاہور سے
کپڑا اور سلمہ وغیرہ لے آئے اور چند دن میں ہی دو خوبصورت غلاف تیار کر دیے
دونوں غلاف لے کر آپ" اپنے احباب کی معیت میں مکان شریف روانہ ہو گئے۔
جب آپ" لاہور سٹیشن پر پہنچے تو دیکھا کہ مکان شریف کے سجادہ نشین اور خواجہ امام علی
شاہ صاحب" کے پوتے میر بارک اللہ صاحب" مع اپنے مریدین سٹیشن پر کھڑے ہیں
اور ایک ریڑھی والے سے کچھ سودا خرید فرما رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت صاحب
قبلہ" نے اپنے احباب کو اشارے سے خاموش رہنے اور چل کر گاڑی میں بیٹھنے کا حکم
دیا۔ تمام یاران طریقت مع حضرت صاحب قبلہ" چپ چاپ بٹالہ کے لیے گاڑی میں
سوار ہو گئے۔ میر صاحب" بھی اسی گاڑی سے ہی جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ قریباً تیس
مریدین اور حضرت صاحب" کے ہمراہ قریباً چالیس آدمی تھے جب بٹالہ پہنچے اور گاڑی
سے اترے تو سب اکٹھے ہو گئے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کا بڑا ادب کرتے تھے
سٹیشن سے باہر نکل کر ایک مسجد میں حضرت میانصاحب قبلہ" اور میر صاحب قبلہ" دونوں
مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھہر گئے۔ حضرت صاحب قبلہ" نے اشارے سے حاجی مستری
کرم دین کو کچھ لانے کا حکم دیا۔

چنانچہ والد صاحب" بتاتے ہیں کہ وہ بھی مستری صاحب کے ہمراہ گئے۔ بازار

سے آٹا اور گھی خرید کر اس میں نمک وغیرہ ملایا اور نانبائی سے روٹیاں لگوا کر لے آ
آپؒ نے اشارہ ہی سے فرمایا کہ میر صاحبؒ کے آگے رکھ دو۔ دستر خوان جو کہ ہر س
میں آپؒ کے پاس ہوتا تھا بچھا دیا گیا اور روٹیاں رکھ دی گئیں۔ دستر خوان کے ایک
سرے پر حضرت صاحب قبلہؒ اور دوسرے پر میر صاحب قبلہؒ بیٹھ گئے۔ میر صاحبؒ نے
دو (2) دو (2) روٹیاں ہر ایک آدمی کے آگے رکھ دیں اور بسم اللہ الرحمن
الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کر دیا گیا۔ کھانا شروع ہوتے ہی لوگوں پر عجیب کیفیت
طاری ہو گئی کسی پر رقت طاری ہے تو کوئی بیہوش ہوا جا رہا ہے کسی کو وجد ہو رہا ہے تو کوئی
تڑپ رہا ہے کوئی لقمہ اٹھا رہا ہے تو کوئی وہیں مست ہے کوئی بت کی طرح ساکت و
خاموش ہے تو کوئی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ غرضیکہ کیف و سرور کا وہ عالم تھا کہ ہر ایک
پر مستی و وارفتگی چھائی جا رہی تھی۔ قریباً آدھ گھنٹہ وجد آور و کیف آگیں منظر رہا اور ازاں
بعد حضرت صاحب قبلہؒ نے سر اٹھایا اور دستر خوان لپیٹ لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ دستر
خوان اٹھا لیا گیا اور تانگوں پر سوار ہو کر مکان شریف روانہ ہو گئے تمام راستہ ہمراہیوں
پر بے خودی سی چھائی رہی ہر ایک کا قلب جاری تھا اور سب تصور اسم ذات میں محو
تھے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں مکان شریف پہنچ گئے۔

مکان شریف پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہؒ اپنی بیٹھک جو آپؒ نے خود ہی قطب
الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کے پائینتی میں بنوائی ہوئی تھی میں چلے گئے اور میر
صاحبؒ اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ دستر خوان میں لپٹی ہوئی روٹیوں کے
متعلق آپؒ نے فرمایا کہ وہ میر صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا دی جائیں۔ جب میر
صاحبؒ کی خدمت میں روٹیاں حاضر کی گئیں تو وہ بے ساختہ رو دیئے اور اونچی آواز

میں فرمانے لگے۔

''ارے جاؤ میاں صاحب سے یہ تو پوچھو کہ روٹیوں میں کیا ڈالا ہوا تھا۔ ارے وہ تو نور تھا نور''۔ وہی بچی ہوئی روٹیاں میر صاحبؒ نے اپنے ملنے والوں کو دیتے ہوئے فرمایا۔ ''لو میاں! یہ تو نور کی روٹیاں ہیں''۔ جس نے بھی ان روٹیوں کا ٹکڑہ کھایا۔ اس پر وہی کیفیت طاری ہوگئی۔

بیٹھک میں تھوڑے سے قیام کے بعد حضرت صاحب قبلہ جھورے شریف حاجی شاہ حسین صاحب قدس سرہ العزیز کی حاضری کے لیے تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے وہ ''اچھاڑ'' جو آپؒ شرقپور شریف سے بنوا کر لائے تھے حاجی صاحبؒ کے مزار پر چڑھایا اس کے بعد آپؒ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کے روضہ اقدس پر گئے اور حاضری دینے کے بعد دوسرا ''غلاف'' آپؒ کے مزار عالی پر چڑھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ مکان شریف میں ''وٹوانی''(۱) کی غرض سے باہر دریائے راوی کے پل کی طرف نکل گئے۔ آپؒ وٹوانی کر کے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ تھوڑے سے فاصلہ پر سرشار پیمانہ وحدت، پروانہ شمع رسالت، عارف باللہ پیر سید جماعت علی شاہ ثانیؒ کھڑے تھے۔ آپؒ کی نظر جب شاہ صاحبؒ پر پڑی تو آپؒ بھی چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہو گئے۔ پندرہ بیس منٹ خاموش کھڑے رہنے کے بعد دونوں صاحب مسکراتے اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے۔ حضرت صاحب قبلہؒ جماعت علی شاہ ثانیؒ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

۱۔ وٹوانی پنجابی لفظ ہے جو پیشاب کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

واپسی پر جب حضرت صاحب قبلہؒ ''بھوراشریف'' کے پاس سے گزرنے لگے تو ایک دم کھڑے ہو گئے۔ قریباً آدھ گھنٹہ کھڑے رہنے کے بعد چلے آئے اور راستہ میں فرمایا ''حاجی صاحب نے مجھے کھڑا کر لیا تھا اور فرماتے تھے داتا صاحب لاہوریؒ کی طرف تمہارا بہت خیال ہے آخر میرا بھی تم پر حق ہے۔ یہاں ٹھہرو''۔

کلس کی مرمت

امام طریقت خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ قدس سرہ العزیز کے روضہ مبارک کے گنبد کا کلس ایک زلزلہ میں دوہرہ ہو گیا تھا اور گھڑیاں گر گئی تھیں۔ حضرت صاحب قبلہ کو اس کی مرمت کا بڑا خیال تھا۔ آپؒ جب بھی وہاں جاتے حسرت بھری نظروں سے کلس کی طرف دیکھتے ہوئے فرماتے ''کسی طرح ممکن ہو تو یہ کلس بنانا چاہیے''۔ خواجہ صاحبؒ کے روضہ شریف کی عمارت عالمگیری مسجد لاہور کے میناروں کی طرح بڑی اونچی ہے۔ کئی میل دور سے ہی روضہ شریف نظر آتا ہے۔ سجادہ نشین صاحب نے بڑی کوشش کی کہ کلس بنوا دیا جائے لیکن جو معمار آ کر دیکھتے بہت مشکل کام پا کر تیاری سے منہ پھیر جاتے۔

ایک دن میاں صاحب قبلہؒ مکان شریف اپنی بیٹھک کی چھت پر بیٹھے حسب عادت روضہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپؒ نے فرمایا ''اچھا! آئندہ کلس بننے کے بعد ہی آئیں گے''۔

چنانچہ آپؒ شرقپور شریف واپس تشریف لائے تو کچھ دن بعد آپؒ نے سلطان احمد معمار سکنہ چونیاں کو خط لکھا کہ ''تم جمعہ مکان شریف جا پڑھو۔ اور ایک چٹھی بابا

عبداللہ گھڑی ساز کو فیروز پور چھاؤنی لکھی۔ ساتھ ہی بابا مستری کرم دین کو بھی وہاں بھیج دیا۔ نہ تو آپؒ نے سلطان احمد معمار اور بابا عبداللہ کو کام کے متعلق کچھ بتایا نہ ہی مستری کرم دین کو۔ جب یہ تینوں جمعہ کے روز مکان شریف اکٹھے ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیسے آنا ہوا۔ مگر کسی کو کیا معلوم؟ ان کو تو صرف یہ حکم تھا کہ مکان شریف پہنچو اور بس! دو تین دن کے قیام کے بعد ان تینوں کاریگروں کو جو نہ صرف مستری ہونے کے لحاظ سے ہم پیشہ تھے بلکہ اشغال سلسلہ میں بھی ساتھی تھے خیال پیدا ہوا کہ روضہ شریف کے اوپر گنبد ہی کو دیکھیں اور تینوں دوست دو چار روز اوپر جا کر جہاں تک سیڑھیاں جاتی تھیں گنبد کے اردگرد چکر لگاتے رہے۔ اچانک ایک دن گنبد پر ہتھوڑا چلاتے چلاتے ایک جگہ سے چونا گر پڑا اور نیچے سے ''گو'' کا سوراخ نکل آیا انہوں نے مزید سوراخوں کے لیے کوشش شروع کردی۔ آخر چاروں طرف مطلوبہ سوراخ پانے میں کامیاب ہوگئے۔

ان دنوں مکان شریف میں غالباً میر لطف اللہ صاحب کا چہلم تھا۔ دور دور سے لوگ اسمیں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں لاہور سے شیخ شہاب الدین صاحب لوہاری منڈی والے اور حافظ حسین بخش صاحب المشہور رمٹ والے بھی آئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مستری کرم دین اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا ''کیا تم گنبد کا کلس بنوانے آئے ہو''۔ انہوں نے جواب دیا ''ہمیں کوئی علم نہیں۔ لیکن اگر حضرت صاحب قبلہ نے ہمیں کلس بنانے کے لیے بھیجا ہے ہم انشاء اللہ العزیز بنا کر جائیں گے بصورت دیگر ہم مر کر یہاں ہی دفن ہوں گے''۔

یہ سن کر شیخ شہاب الدین اور حافظ حسین بخش صاحبان جو کلس بنوانے کی پہلی

کوششوں میں پیش پیش تھے کہنے لگے ''یہاں بڑے بڑے سمجھدار کاریگر، مستری اور انجینئر عاجز آ گئے ہیں۔ بھلا تم کیا کرو گے''۔ اور ساتھ ہی ایک چٹھی بڑے سخت الفاظ میں سرکار میانصاحبؒ کی خدمت میں تحریر کی جس میں لکھا تھا ''اتنے عقلمند اور سمجھدار ہوتے ہوئے آپؒ نے ایک جوتیاں بنانے والا، ایک گھڑیاں صحیح کرنے والا اور ایک کچی اینٹیں لگانے والے معمار کو خواجہ صاحب کے عظیم الشان روضہ کا کلس بنانے کے لیے بھیج دیا ہے۔ جہاں بڑے بڑے زیرک کاریگروں نے ہمت ہار دی ہو بھلا یہ کیا کریں گے''۔

میری سرکارؒ نے ان دونوں کو جواب لکھا ''کہ میں نے چاروں اطراف نظر دوڑائی ہے ان سے بہتر کلس بنانے والا میری نظر میں کوئی نہیں آیا۔ اگر میرے اللہ کو منظور ہوا تو انہی کے ہاتھوں بن جائے گا''۔

ساتھ ساتھ ہی آپؒ مستری کرم دین اور ان کے ساتھیوں کو خط لکھتے رہے جن میں تحریر ہوتا ''کرم دین! مکان شریف نہ سمجھنا مدینہ شریف سمجھنا''۔ جب انکی ہمتیں پست ہونے لگتیں تو آپؒ کی چٹھی ملتی۔ جس میں یہی لکھا ہوتا ''مکان شریف نہ سمجھنا مدینہ شریف سمجھنا''۔ اس نامہ مبارک کے ملتے ہی انکی طاقتیں پھر عود کر آتیں اور وہ تازہ دم ہو کر نئے ولولے اور شوق سے مصروف ہو جاتے۔

آخر ''گو'' کے مکمل سوراخ نکلنے کے بعد بابا کرم دین مستری (مرحوم) شرقپور شریف واپس آئے اور حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں بعد از نماز مغرب حاضر ہوئے۔ آپؒ نے دیکھتے ہی فرمایا ''کرم دینا! تیرا راہ ویکھدیاں میریاں اکھیاں تھک گیاں نیں ہُنا؟''

انہوں نے عرض کی "حضور! گنبد کے گرد گو کے سوراخ نکل آئے ہیں۔ یہ سن کر آپؒ نے سربسجود ہو کر شکر ادا کیا اور فرمایا "صبح رقم لے جاؤ اور سامان لے کر گو باندھو۔"

دوسری صبح مستری صاحب امرتسر سے بانس، رسّے، تختے اور دوسرا ضروری سامان لے کر مکان شریف جا پہنچے۔ "گو" باندھنے کے بعد مستری صاحب پھر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "سرکار! "گو" کلس کی سلاخ تک نہیں پہنچتی۔

آپؒ نے ارشاد فرمایا "ماریا ہویا! یہ کون سی مشکل بات ہے ایک لکڑی کا منبر بنا کر "گو" پر رکھ دو اور اس کی کمر سلاخ کے ساتھ لگا دو"۔

چنانچہ انہوں نے جا کر ایسا ہی کیا اور "گو" پورے طور پر مکمل ہو گئی۔ مستری صاحب پھر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا "اب جاؤ اور کلس کے لیے گھڑیاں بنواؤ۔ اس پر سونا بھی لگوانا"۔ چنانچہ مستری کرم دین صاحب امرتسر گئے اور گھڑیاں بنوا لائے۔ ان پر ۳۲ تولہ سونا بھی لگوایا گیا تھا۔ گھڑیوں کی تیاری پر حضرت صاحب قبلہؒ میاں فتح اللہ لائل پوری کی کار پر چند احباب کے ہمراہ روانہ ہوئے اور امرتسر سے گھڑیاں لے کر مکان شریف جا پہنچے۔

جب کلس پر گھڑیاں لگانے لگے تو سرکار میاں صاحبؒ حاجی دانیالؒ کے مزار پر جا بیٹھے۔ وہاں سے سیدھی نظر گنبد اقدس پر پڑتی ہے۔ آپؒ وہاں بیٹھے گھڑیاں لگنے کا منظر دیکھتے رہے گھڑیاں لگ جانے کے بعد آپؒ سے عرض کی گئی۔

"حضور! کچھ تھوڑی سی لوہے کی سلاخ اوپر گھڑی کی کھڑی رہ گئی ہے"۔ آپؒ نے فرمایا "کوئی ہے جو اس کو کاٹ دے؟" فتح محمد حکیم مراد آبادی نے عرض کی "سرکار! مجھے ارشاد ہو تو میں کاٹوں"۔ آپؒ نے رضامندی کا اظہار فرما دیا۔

حکیم فتح محمد حکم پاتے ہی سلاخ کاٹنے دوڑے۔ جب وہ سلاخ کاٹ رہے تھے تو نیچے لوگوں کی ٹولیاں کپڑوں کی جھولیاں بنائے حکیم صاحب کے گرنے کی منتظر تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ گنبد پر سے حکیم فتح محمد بھی زمیں پر آ رہے گا۔ ادھر حضرت صاحب قبلہؒ حاجی دانیالؒ کے مزار پر سے ٹکٹکی باندھے سلاخ کٹتی دیکھ رہے تھے۔ جتنا عرصہ فتح محمد کاٹنے میں مصروف رہا۔ آپؒ بغیر آنکھ جھپکائے اس کی طرف نظریں جمائے رہے۔ آخر کچھ وقت کے بعد اس نے سلاخ کاٹ پھینکی کلس مکمل ہو جانے پر خوشیاں منائی گئیں۔ خاص طور پر حضرت صاحب قبلہؒ بڑے شاداں تھے۔ سب لوگ آپؒ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران تھے کہ جہاں بڑے بڑے انجینئر سر پھوڑ کر رہ گئے تھے۔ اور بڑے بڑے کاریگروں اور مستریوں نے ہمتیں ہار دیں وہاں حضرت صاحب قبلہؒ کے روحانی تصرف اور نظرِ عنایت سے یہ مشکل کام سرانجام پا گیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ مکان شریف جانے کی غرض سے لاہور پہنچے۔ سٹیشن کی ڈیوڑھی پر ایک آدمی محمد امین جو آپؒ کے پاس آنے جانے والا تھا ملا۔ اس نے آپؒ سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا ''مکان شریف'' اس نے عرض کی ''سرکار امرتسر جانے والی ٹرین تو روانہ ہو چکی ہے''۔ آپؒ نے فرمایا ''گاڑیاں لیٹ بھی تو ہو جاتی ہیں''۔ وہ کہنے لگا ''سرکار! میرے سامنے ابھی روانہ ہوئی ہے''۔ آپؒ نے قدرے اونچی آواز سے فرمایا ''جا کے دیکھو تو سہی''۔ جب وہ پلیٹ فارم پر دیکھنے پہنچا تو گاڑی پلیٹ فارم پر واپس آتی نظر آئی وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ گارڈ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی لائن کلیئر لینا مس ہو گیا تھا۔

عقیدت مندوں پر شفقت

حضرت صاحب قبلہؒ جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے۔ عموماً رات کے آخری حصہ میں اپنا سفر شروع فرماتے۔ اکثر فجر کی نماز حجۃ الکاملین حضرت داتا صاحب لاہوریؒ کی مسجد میں ادا کی جاتی۔ پچیس، پچیس تیس، تیس عقیدت مند ہمراہ ہوتے اور تمام احباب خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سفر کرتے۔ کبھی سر جھکائے ذکر میں محو طبیعتوں میں سکون لیے ہوتے۔ راستہ میں بعض احباب پر وجد طاری ہو، ہو جاتا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ مع اپنے احباب کے مکان شریف جا رہے تھے شرقپور شریف سے لاہور تک تانگوں میں سفر ہوا۔ لاہور سے امرتسر تک ریل کی سواری ہوئی اور وہاں سے پھر تانگوں پر اجنالہ ہوتے ہوئے رمداس پہنچے۔ وہاں رمداس میں غلام یٰسین نامی ایک ساتھی نے بازار سے ایک خربوزہ خریدا۔ وہ ابھی خربوزہ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہی تھا کہ حضرت صاحب قبلہؒ کی نظر پڑ گئی۔ آپؒ نے مستری کرم دین صاحب سے نہایت غصے سے فرمایا ''کرم دین! اندھے ہو میں مر نہ جاؤں کہ احباب میرے ساتھ آئیں اور خرچ اپنا کریں''۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مستری صاحب بازار پہنچے اور ایک من خربوزے خرید لائے آپؒ نے پوچھا ''کتنے لائے ہو؟'' اور یہ معلوم ہونے پر کہ ایک من لائے ہیں فرمانے لگے ''تم بڑے (وہ) ہو۔ ارے ساری ڈھیری ہی لے آؤ''۔ پس وہ گئے اور ڈھیر کا ڈھیر ہی خرید لائے۔ دستر خوان بچھا دیا گیا خربوزوں کی قاشیں بنائی جانے لگیں۔ عجیب منظر تھا کرم نوازی زوروں پہ تھی دریائے رحمت و شفقت جوش پر تھا۔ قبلہ شرقپوریؒ خربوزوں کی ''پھاڑیاں'' (۱) بنا رہے تھے۔ پھیکی پھیکی حضور کے سامنے تھیں اور میٹھی میٹھی سب میں بانٹی

۱۔ قاشیں

جارہی تھیں۔ اور بشاشت آپؒ کے چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی۔ آپؒ خوش ہو ہو کر کھلا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے ''خوب کھاؤ' خوب کھاؤ اور خوب اللہ کا ذکر کرو''

حضرت صاحب قبلہؒ کو شرقپور کی خواجہ برادری سے خاص لگاؤ تھا آپؒ نوجوانوں پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مکان شریف جاتے وقت یہاں کے کافی احباب آپؒ کے ہمراہ ہوتے اور آپؒ کی ہمراہی میں ذکر و فکر میں خوب محویت ہوتی جب مکان شریف پہنچتے تو خواجہ امام علی شاہ صاحبؒ کے پائنتی میں حضرت صاحب قبلہؒ کی بیٹھک میں قیام ہوتا آپؒ ہمراہیوں کو فرماتے ''بھئی! کچھ کرلو۔'' احباب شرمسار ہوتے تو آپؒ دلجوئی کے لہجہ میں فرماتے ''میں بھی ساتھی ہوں میں بھی ساتھ دوں گا۔'' اور مستری کرم دین صاحب والد صاحبؒ وغیرہ کو فرماتے ''بازار سے کچھ گوشت وغیرہ لے آؤ۔ اور انکو بنا دینا۔ کچھ دودھ وغیرہ بھی لیتے آنا اور گرم کر رکھنا۔ جب ہم ختم شریف سے واپس آئیں تو ان نوجوانوں کو پلانا۔ کیونکہ انہیں گھروں میں عادت ہے۔ ان کی مائیں رات کو اٹھا کر انہیں دودھ پلاتی ہیں۔'' چنانچہ گوشت لایا جاتا اور جب پک کر دسترخوان پر آتا تو آپؒ دلجوئی کی خاطر ایک آدھ بوٹی لے لیتے۔

راقم الحروف کے والد حاجی فضل الٰہی صاحبؒ اوائل عمر میں کاروبار کی وجہ سے لاہور مقیم تھے کبھی کبھی آٹھ دس دن کے بعد رشتہ داروں کو ملنے اور سرکار میاں صاحبؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا کرتے۔ حضرت صاحب قبلہؒ والد صاحبؒ سے بڑی شفقت اور مہربانی فرمایا کرتے اکثر ایسا ہوتا لوگ لاہور میں آپؒ کی تشریف آوری کے متعلق پوچھتے تو حضور فرماتے کہ فضل الٰہی سے پوچھ لینا۔ یہ حضرت صاحب قبلہؒ کا تصرف تھا کہ والد صاحبؒ آپؒ کی آمد سے غائبانہ باخبر ہو جاتے۔ جب بھی آپؒ

نے لاہور آنا ہوتا۔ والد صاحبؒ کی طبیعت میں بیقراری بڑھ جاتی۔ کسی کل چین نہ آتا وہ سمجھ جاتے کہ آج حضرت صاحبؒ نے آنا ہے یا کوئی غیر معمولی بات ظہور پذیر ہوگی۔

ایک دفعہ والد صاحبؒ لاہور سے شرقپور شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے فرمایا ''ظہر کی نماز کے بعد جانا ہے۔'' ظہر کی نماز کے فوراً بعد والد صاحبؒ اپنی ہمشیرہ کے گھر صرف یہ بتانے گئے کہ وہ جا رہے ہیں اور واپسی پر حضرت صاحب قبلہؒ کو موجود نہ پایا۔ آپؒ روانہ ہو چکے تھے۔ (خیال رہے کہ حضرت صاحب قبلہؒ نیک کاموں کی انجام دہی میں ذرہ بھر بھی توقف نہیں کیا کرتے تھے) حضرت صاحب قبلہؒ کی روانگی کی خبر پا کر والد صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ ان دنوں موٹریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ذریعۂ سفر صرف ٹم ٹم ہی تھا۔ والد صاحبؒ نے سالم ٹم ٹم کرایہ پر لی اور عالم اضطراب میں حضرت صاحبؒ کے پیچھے چل دیے لاہور پہنچ کر بڑی جستجو اور تلاش کے بعد والد صاحبؒ نے سید مٹھے کی ایک مسجد میں حضرت صاحبؒ کو جا ڈھونڈا۔ مسجد کی چھت پر آپؒ وظائف میں مشغول تھے والد صاحبؒ بھی وہاں جا بیٹھے۔ کھانا وہیں کھایا گیا اور عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد آپؒ مسجد کی چھت سے نیچے اترے اور چل دیے۔ مستری کرم دین صاحب (مرحوم) اور مولوی غلام قادر صاحب آپؒ کے ہمراہ تھے۔ مولوی غلام قادر صاحب شرقپور شریف میں مدرس تھے مولوی صاحب مولانا غلام قادر صاحب بھیروی خطیب بیگم شاہی مسجد لاہور کے شاگرد تھے۔ کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت صاحب قبلہؒ کو ان سے بڑی محبت تھی اور جس سے آپؒ کمال محبت

فرمایا کرتے اسے اپنے ہمراہ مکان شریف لے جاتے۔

والد صاحب ؒ کو ان دونوں حضرات کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ؒ مکان شریف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ لاہوری دروازہ (لوہاری گیٹ) کے باہر میاں صاحب قبلہ ؒ تانگہ میں سوار ہو گئے اور وہ دونوں ساتھی بھی ۔ والد صاحب ؒ آگے بڑھ کر سوار ہونے لگے تو آپ ؒ نے مسکرا کر فرمایا ''نہیں بھئی ! اب نہیں ۔'' دوبارہ پھر والد صاحب ؒ نے ارادہ کیا لیکن آپ ؒ نے پھر منع فرما دیا اور حضور چل دیے۔ والد صاحب ؒ بصد حسرت و یاس اشکبار آنکھوں سے آپ کو جاتا دیکھ رہے تھے۔ دل بلیوں اچھلا ۔ آرزوئیں مچلیں۔ ارمان تڑپے اور آشاؤں نے دم توڑ دیا۔ کچھ نہ ہو سکتا تھا حضور تو جا چکے تھے۔

یہ واقعہ غالباً ۱۹۱۳ء کا ہے۔ والد صاحب ؒ کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی ۔ جوانی کا عالم، محبت کا غلبہ، ذوق و شوق کے سوتے پھوٹتے تھے۔ محبوب کا آنکھوں کے سامنے یوں چلے جانا دلِ مضطر کے لیے تازیانہ تھا بے کلی بڑھ گئی ۔ سکون جاتا رہا۔ نیند اُڑ گئی ساری رات بے چین رہے۔

سحری کے وقت امرتسر کو گاڑی جاتی تھی ۔ اس پر سوار ہو کر امرتسر جا پہنچے اور آپ ؒ کی تلاش شروع کر دی یہ تو معلوم نہ تھا کہ آپ ؒ امرتسر ٹھہریں گے بھی کہ نہیں ۔ اگر ٹھہریں گے بھی تو کہاں تاہم جہاں بھی آپ ؒ کا قیام ممکن تھا ڈھونڈا۔ لیکن آپ ؒ نہ مل سکے۔ ہجر کی گھڑیاں بڑی کٹھن ہوتی ہیں آپ ؒ کی غیر موجودگی میں پل بھر بھی وہاں نہ ٹھہر سکے۔ اس سے پہلے کبھی بھی والد صاحب ؒ مکان شریف حاضر نہیں ہوئے تھے۔ صرف حضرت صاحب قبلہ ؒ و دیگر احباب کی مکان شریف کے متعلق باتیں کثرت سے

بنی ہوئی تھیں۔ امرتسر میں پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ پہلے ٹم ٹم پر اجنالہ پھر رمداس اور وہاں سے پیدل مکان شریف جانا پڑتا ہے۔

چنانچہ والد صاحبؒ اجنالہ پہنچے اور وہاں رمداس کے لیے ٹم ٹم کا انتظار کرنے لگے۔ انتظار کرتے کرتے شام ہوگئی۔ کوئی ٹم ٹم نہ مل سکی۔ آخر انہیں اجنالہ میں ہی رات بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ قصبہ کے باہر ایک مسجد تھی والد صاحبؒ وہیں چلے گئے۔ مسجد آبادی سے ذرا ہٹ کر تھی اور نماز کی جماعت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔ کسی نماز کے وقت امام صاحب آجاتے تھے اور کسی نماز کا وقت ایسے ہی گزر جاتا۔ مسجد کے ارد گرد رونق نہ ہونے کی وجہ سے رات کو سوائے والد صاحبؒ کے مسجد میں کوئی نہ تھا انہوں نے صحن کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور سو رہے۔

آدھی رات گزری تھی کہ انہیں نہانے کی حاجت محسوس ہوئی۔ بیدار ہونے پر والد صاحبؒ غسل کی نیت سے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی غسلخانہ میں پانی ڈال رہا ہے والد صاحبؒ کو دیکھ کر اس آدمی نے کہا کہ تم نہاؤ پانی ڈال دیا ہے۔ والد صاحبؒ نے بغیر کچھ کہے سنے نہانا شروع کردیا۔ نہا چکنے کے بعد غسلخانہ سے باہر نکلے تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا والد صاحبؒ بڑے حیران ہوئے اور دوڑ کر دروازہ دیکھا تو بدستور اندر سے بند تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد میں تہجد اور نماز کے لیے آدمی آنا شروع ہوگئے دروازہ کھول دیا گیا۔ امام صاحب آگئے تھے۔ انہوں نے جماعت کروائی اور ادائیگی نماز کے بعد والد صاحبؒ مسجد کے اندر چلے گئے۔ ان کے اندر چلے جانے کے بعد مسجد کے دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے اندر آگئے۔ تھوڑی دیر بعد والد صاحبؒ اُٹھ کر ٹم ٹموں کے اڈہ کی طرف چل دیے اور وہ لوگ بھی پیچھے چلے آئے

لوگ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ یہ شخص جس طرف جاتا ہے اسی طرف سے خوشبو آتی ہے اکثر لوگ قیام وطعام کے لیے کہتے رہے لیکن انہیں تو کچھ اور ہی دھن تھی۔

والد صاحب ؒ ٹم ٹم پر سوار ہو کر رمداس چل دیے اور جب رمداس پہنچے تو گیارہ بج چکے تھے اور موسم سخت گرم تھا۔ آتش ہجر و فراق نے ذرہ بھر بھی ستانے نہ دیا۔ وہاں سے سیدھے ہی مکان شریف روانہ ہو گئے۔

قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب ؒ کا روضہ اقدس اتنا بلند ہے کہ رمداس سے ہی نظر آجاتا ہے۔ والد صاحب ؒ نے اصل راستہ چھوڑ کر روضہ شریف کی سیدھ میں چلنا شروع کر دیا۔ جوتی ہاتھ میں تھی اور وارفتگی میں گندم کٹے کھیتوں کے بیچوں بیچ چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت، گرمی کا موسم ننگے پاؤں، تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ لگن تھی جو لیے جا رہی تھی۔ مدہوشی تھی جو کچھ معلوم نہ ہونے دیتی تھی۔ پاؤں جھلس گئے اور گندم کے ''مڈھ'' چبھنے کی وجہ سے خون رسنے لگا۔ لیکن کھینچنے والا کھینچتا گیا اور چلنے والا چلتا گیا۔

آخر مکان شریف آگیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب ؒ قبلہ میر صاحب کی حویلی میں قیام فرما ہیں۔ والد صاحب ؒ وہاں پہنچے تو مولوی غلام قادر صاحب کھانا کھا کر کلی کر رہے تھے۔ مولوی صاحب نے ہنس کر حضرت صاحب قبلہ ؒ سے کہا ''سرکار فضل الٰہی آگیا ہے۔'' آپ ؒ نے بھی مسکراہٹ فرمائی اور حویلی سے اُٹھ کر مسجد میں چلے آئے۔

حضرت صاحب قبلہ ؒ نے مسجد میں آکر رومال کھولتے ہوئے فرمایا ''لو فضل الٰہی! یہ مصری لو اور حجرہ میں سے ایک پیالہ لے کر پانی میں گھول کر پی لو میں نے شرقپور شریف سے ہی چلتے وقت یہ مصری تمہارے لیے لے لی تھی۔'' والد صاحب ؒ نے مصری

گھول کر شربت پی لیا تو آپؒ نے فرمایا ''حویلی میں جاؤ۔ وہاں الماری میں تمہارے لیے ایک پیالہ میں سالن رکھا ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا فضل الٰہی آ کر کھالے گا۔'' والد صاحبؒ کھانا کھانے کے بعد آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''حضور! بھورے شریف جانا ہے۔ اجازت دیجئے۔'' آپؒ نے کچھ دیر توقف کے لیے فرمایا اور بعد نماز ظہر بلا کر بھورے شریف بھیج دیا۔ والد صاحبؒ کا کہنا ہے کہ وہاں حاجی شاہ حسین صاحبؒ کے قدموں میں وہ فیض حاصل ہوا اور ایسا لطف و سرور آیا کہ زندگی بھر ایسی نیک گھڑی کی آمد کی آرزو رہی جب وہاں سے اٹھنے لگے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی بٹھا رہا ہے پھر بیٹھ جاتے۔

مکان شریف دورات کے قیام کے بعد سرکار میاں صاحبؒ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میر بارک اللہ صاحب سجادہ نشین مکان شریف نے ایک عربی النسل گھوڑی آپؒ کے لیے اور ایک گھوڑا مولوی غلام قادر صاحب کی سواری کے لیے دیا۔ تا کہ آپؒ رمداس پہنچ سکیں۔ چنانچہ گھوڑے پر مولوی غلام قادر صاحب اور مستری کرم دین صاحب سوار ہوئے اور گھوڑی پر حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنے پیچھے والد صاحبؒ کو سوار کر لیا۔ میر صاحب نے ایک آدمی گھوڑیاں واپس لانے کے لیے بھی آپؒ کے ہمراہ کیا جو کہ نیا نیا ہی ان کے پاس آیا تھا۔

سحری کے وقت آپؒ رمداس کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ساتھ والے آدمی سے جو گھوڑیاں واپس لانے کے لیے جا رہا تھا فرمایا ''کیوں بھئی! کیا اسی راستہ پر ہی چلنا ہے۔''

یہ سن کر اس آدمی نے کہا ''جناب! لوگ تو کہتے ہیں کہ میاں صاحبؒ ولی اللہ

ہیں اور آپؒ کو راستہ بھی نہیں معلوم؟" آپؒ فرمانے لگے "لوگ ایسے ہی کہتے ہیں میں تو ابھی بندہ بھی نہیں بن سکا ولی اللہ تو دور کی بات ہے۔"

ادھر آپؒ نے یوں فرمایا اور ادھر والد صاحبؒ کو انہیں پکڑ رکھنے اور مضبوطی سے سنبھل کر بیٹھنے کو کہا اور گھوڑی کو ایڑ لگا دی بس پھر کیا تھا۔ عربی النسل گھوڑی فراٹے بھرتی ہوئی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ زور زور سے چیختا رہ گیا کہ ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ۔ راستہ بھول جاؤ گے لیکن جلد ہی آپؒ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور رمداس پہنچ کر ہی رُکے۔

جب آپؒ رمداس پہنچے تو سامنے ہی مسجد میں نماز فجر کی جماعت ہو رہی تھی۔ والد صاحبؒ اتر کر گھوڑی کو پکڑنے لگے تو حضرت صاحب قبلہؒ نے جھڑک کر فرمایا "جاؤ جا کر نماز پڑھو۔ تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کرتا ہوں۔"

ان کے بعد حضرت صاحبؒ بھی گھوڑی باندھ کر جماعت سے آملے۔ اسی اثنا میں پیچھے رہے ہوئے ساتھی بھی پہنچ گئے بعد ادائیگی نماز تانگہ کھڑا تھا جسے حضرت صاحب قبلہؒ پہلے ہی گھوڑی باندھتے وقت کہہ آئے تھے۔ اس پر سوار ہو کر امرتسر روانہ ہو گئے۔

رمداس سے ابھی کچھ میل ہی چلے تھے کہ والد صاحبؒ کو قے ہوئی اور ہیضے کی شکایت ہو گئی۔ مولوی غلام قادر صاحب نے آپؒ سے عرض کی "حضور دیکھئے فضل الٰہی کو کیا ہو گیا ہے؟" والد صاحبؒ "ٹم ٹم کے" "ہودے" میں بیٹھے تھے اور ان پر نیم غشی کی حالت طاری تھی یہ دیکھ کر حضرت صاحب قبلہؒ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ آپؒ نے ٹم ٹم کو ذرا تیز چلانے کے لیے کہا۔ اجنالہ نزدیک ہی تھا۔ تھوڑے وقت میں وہاں پہنچ گئے۔ ٹم ٹم

ٹھہرتے ہی آپؒ جلدی سے اتر کر ایک طرف روانہ ہو گئے اور چند منٹوں کے بعد ہی جھولی میں آلو بچے اور ہاتھ میں سکنجبین کا گلاس تھامے آئے۔ آپؒ نے والد صاحبؒ کو سکنجبین پلائی اور فرمایا "نمک لگا کر آلو بچے چوستے چلو۔ انشاء اللہ امرتسر پہنچ کر علاج معالجہ کریں گے۔"

امرتسر پہنچ کر ہال بازار میں مسجد مولوی خیر دین چلے آئے اور وہاں مسجد کے خطیب مولوی امام دین صاحب جو حضرت صاحبؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ کے بارے میں پوچھا۔ لیکن پتا چلا کہ وہ تو گھر میں ہیں اور نماز کے وقت ہی آئیں گے۔ آپؒ نے وہیں ٹھہرنے کے لیے فرمایا اور کہا "کچھ دیر انتظار کر لو شاید مولوی امام دین آ ہی جائیں۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مولوی صاحب آ گئے اور حضرت صاحبؒ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور کہا "اسی لیے ہی میں آج اس وقت آ گیا ہوں ورنہ میں تو نماز کے وقت ہی آتا ہوں۔"

مولوی امام دین صاحب نے کمرہ کھول دیا اور والد صاحبؒ کو وہاں لٹا دیا گیا۔ حضرت صاحب قبلہؒ نے سب سے پہلے حوائج ضروریہ سے فراغت کی جگہ کا انتظام اور پھر نہایت احتیاط سے علاج کروایا۔ دوپہر وہاں آرام کیا گیا اور جب والد صاحبؒ کو کچھ آفاقہ ہوا تو چار بجے والی گاڑی پر سوار ہونے کے لیے سٹیشن روانہ ہو گئے۔ والد صاحبؒ نے حضرت صاحب قبلہؒ کا بیگ اٹھا لیا تو سرکار میاں صاحبؒ نے والد صاحبؒ پر چھتری سے سایہ کر دیا۔ والد صاحبؒ نے ایک دو بار عرض کی "حضور! چھتری مجھے تھما دیجئے۔" لیکن آپؒ نے نہ دی۔ تیسری بار پھر

عرض کیا تو آپؒ نے نہایت جوش سے فرمایا ''تم میرے ہمراہ آئے ہو۔ تمہاری خدمت میرا فرض ہے۔ قیامت کے روز مولائے ذوالجلال مجھ سے پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔'' دوسرے لوگوں نے بھی چھتری پکڑ لینے کے لیے عرض کی لیکن آپؒ نے ہر بار انکار کردیا اور سارا راستہ خود ہی سایہ کیے چلے آئے۔

اس جگہ تو چند ایک واقعات ہی ضبط تحریر لائے گئے ہیں لیکن سرکار شرقپوریؒ کی سوانح حیات میں بیسیوں جگہ ایسے واقعات آپ کو نظر آئیں گے جن سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچے گی کہ حضور میاں صاحبؒ نے جس طریقے سے اپنے متعلقین اور مریدین کے حقوق کی نگہداشت کی ہے اس کی مثال کہیں شاذ و نادر ہی مل سکے گی۔ اپنے مریدین اور ساتھیوں پر باپ سے بڑھ کر شفقت فرماتے اور جس طرح اپنے بچے کے دکھ درد پر شفیق ماں کا دل مضطرب اور بیقرار ہو اٹھتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر حضرت صاحب قبلہؒ اپنے احباب کے دکھ درد اور تکلیف کو محسوس کرتے۔

مکان شریف سے والہانہ محبت

مکان شریف سے آپؒ کو بڑی محبت تھی۔ جب وہاں جانے کا پروگرام ہوتا تو آپؒ پر عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ آپؒ کے ہمراہ جانے والے احباب بھی بڑے ذوق وشوق سے جانے کی تیاری کرتے۔ ایک دفعہ مکان شریف جانے کا پروگرام مرتب ہو چکا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ '' کو تبخیر معدہ کی شکایت ہوگئی۔ (سرکار میاں صاحب '' کو مدت سے تبخیر معدہ کی شکایت تھی آپؒ اس بیماری کی وجہ سے بیہوش بھی ہو جایا کرتے تھے) اس دفعہ بھی آپؒ تبخیر معدہ کی وجہ سے دو دن سے بیہوش

تھے احباب بڑے فکر مند ہوتے کہ اب کیا ہوگا۔

روانگی کے دن ساتھ جانے والے تمام احباب سحری کے وقت آپؒ کی بیٹھک میں جمع تھے کہ حضرت صاحب قبلہؒ ہوش میں آگئے اور چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مکان شریف چلنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

آپؒ کی والدہ ماجدہ کو جب آپؒ کے سفر پر جانے کا علم ہوا تو فرمایا ''بیٹا ایسی تکلیف میں مکان شریف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں تو بہتر ہے کہیں راستہ میں تکلیف زیادہ نہ ہو جائے۔'' آپؒ نے کہا ''اماں جی! اگر مکان شریف کے راستہ میں میرا انتقال ہو جائے تو اس سے بہتر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔''

سبحان اللہ! آپؒ کو مکان شریف سے کیسی والہانہ محبت اور شیفتگی تھی۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے

بوسہ زن بر آستانِ کاملے

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نور خدا

ناقصاں راپیرِ کامل کاملاں را رہنما

نور سجون تقدس درمیان ما وطین — حق پر ستان راکشودہ دیللہ حق الیقین

خازن گنجینۂ اسرار را باشدا میں — سایۂ الطاف ایز د رحمۃ للعالمین

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نور خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

شاہ جیلاں غوث اعظم شیخ ارض و سما — گفت در جمع مریداں از کرامت بارہا

ہم زمانہ گر ہمی بو د علی ہجویر را — تازہ بیعت کردمے بر دست آں یضا لقا

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نور خدا

ناقصاں راپیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت مخدوم علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) سے تعلق

حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو ہستیوں سے خاص نسبت ہے۔ ایک سرتاج الاولیا' امام الاتقیا' شہنشاہ بغداد' حضرت میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دوسرے زبدۃ العارفین' حجتہ الکاملین' سند الموحدین' مظہر العلوم الخفی والجلی' المخدوم حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے۔" آپؒ نے فرمایا اوائل عمر میں اکثر لوگ مجھے کتابیں دیتے تھے۔ میں نہیں لیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اگر میں لائق ہوا تو کتابیں خود بخود آجائیں گی اور اگر نالائق ہوا تو میں نے کتابیں کیا کرنی ہیں۔

"کچھ عرصہ بعد اپنے مکان میں کچھ تلاش کر رہا تھا کہ ایک الماری میں دو کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک "غنیۃ الطالبین" اور دوسری "کشف المحجوب" (1) انہیں کھول کر سامنے رکھتا تھا تو ان میں سے سفید رنگ کا دھواں سا نکلتا تھا اور میرے دل میں سرایت کر جاتا چونکہ ان دونوں ہستیوں کی نسبت مجھ پر غالب تھی یہ ان کا فیض تھا جو مجھے میسّر تھا۔ اگر کوئی آدمی دونوں کتابوں میں سے کوئی ایک بھی مانگتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میرا دل اور میری انتڑیاں نکلی جا رہی ہیں۔"

حضرت صاحب قبلہؒ کی عادت تھی کہ جب کبھی لاہور داتا صاحبؒ کی حاضری کے لیے جاتے تو مسجد کی محراب میں داتا صاحبؒ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے وہاں سے سیدھی داتا صاحب قبلہؒ کے لوح مزار پر نگاہ پڑتی تھی۔ والد صاحبؒ کو بھی آپؒ نے

---

(1) یہ کتابیں قلمی تھیں اور تقریباً سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی تھیں۔

فرمایا کہ وہاں جا کر بیٹھا کرو۔

ایک دن سرکار" تشریف لے گئے اور وہیں محراب میں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ" اٹھ کھڑے ہوئے اور روضہ پر تیسرے درہ میں جا کر کھڑے ہو گئے والد صاحب" بھی ہمراہ تھے۔ بتاتے ہیں کہ اندر سے آواز آرہی تھی "آپ" کی جوتی کی ایڑھی کے ساتھ تھوڑی سی چیز لگی ہوئی ہے اسے اتار دو" ابھی یہ آواز آرہی تھی کہ میاں محمد حیات (مرحوم) مجاور ہار لے کر دوڑے آئے۔ جب آپ" کے گلے میں ہار ڈالنے لگے تو آپ" بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور فرمایا "کیا میری پگڑی اتارنے آئے ہو؟" اتنا کہہ کر آپ" نے اپنی پگڑی زمین پر پٹخ دی اور باہر آ کر سر پر صافہ لپیٹ کر ننگے پاؤں واپس چلے آئے۔ والد صاحب" کا کہنا ہے کہ کچھ دنوں بعد انہوں نے حضرت صاحب قبلہ" سے پوچھا کہ داتا صاحب" کے ہاں کیا بات تھی۔ آپ" فرمانے لگے "ارے! تم کہاں تھے؟" اور ساتھ ہی فرمایا "کیا روضہ شریف کے اندر کوئی مزار ہے؟ اندر تو ایک تخت بچھا ہے اور داتا صاحب" اس پر جلوہ فگن ہیں۔" جوتی کی چیز کے متعلق فرمایا کہ "داتا صاحب" فرماتے تھے "سید محمد کو ذرا پرے کر دو۔" سید محمد شاہ سے حضرت صاحب قبلہ" کو بڑی محبت تھی لیکن عشق حقیقی میں اتنی سی بات بھی گوارہ نہ کی جا سکی۔

داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ

شرقپور شریف کی شیخ برادری میں میاں محمد نامی ایک شخص تھا۔ بہت غریب اور نادار بیچارے کی نہایت کس مپرسی کے عالم میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک دن غربت اور بیکاری سے تنگ آ کر شرقپور شریف سے ہجرت کر کے لاہور چلا آیا اور ایک چھاپہ خانہ

میں دس روپے ماہانہ ملازم ہوگیا۔ تنگدستی اور ناداری کی وجہ اسے کوئی رشتہ بھی نہیں دیتا تھا۔ ایک دن نہایت افسردگی سے حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''حضور! دس روپیہ مہینہ میں گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا کروں؟''

آپؒ نے فرمایا ''نوکری چھوڑ کر دوکان کرلو۔''

کہنے لگا ''سرکار! دوکان کس سے کروں؟ سرمایہ تو پہلے ہی نہیں ہے۔''

حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنے پاس سے پانچ روپے دیے اور فرمایا ''اللہ مالک ہے۔'' اس نے اشارہ کے مطابق اندرون بھاٹی دروازہ دکان کرلی۔ حضورؒ کی توجہ سے وہ کام چلا کہ وارے نیارے ہوگئے وہ ایسا پارسا اور نیک ہوگیا کہ بھاٹی دروازہ کے تمام لوگ اس کے پاس امانتیں رکھتے تھے اور اسکی شادی بھی ہوگئی۔ بھاٹی دروازہ کے اندر ہی اس نے دو دکانیں بمع بیٹھک خرید لیں اور حضرت صاحب قبلہؒ سے استدعا کی کہ سب سے پہلے حضور تشریف لائیں تا کہ باعث نزول برکت ہو۔ چنانچہ آپؒ تشریف لے گئے اور اس کے بعد بھی جب لاہور تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی میاں محمد (مرحوم) کی اس بیٹھک میں بھی قیام فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور مذکورہ بالا جگہ پر ہی فروکش تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ دوستوں نے عرض کی ''سرکار داتا صاحبؒ کے دربار چلیں؟'' چنانچہ سب دوستوں کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہؒ داتا دربار روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب چوک (جہاں سے داتا صاحبؒ روڈ شروع ہوتی ہے اور جہاں ان دنوں پتھروں کی ایک دکان ہوا کرتی تھی) تک پہنچے تو آپؒ رک گئے۔ دربار داتا صاحبؒ کی طرف سے ایک آدمی آیا۔

آپ" بڑی تعظیم وتکریم سے ملے اور بڑھ کر مصافحہ کیا۔ آنے والے شخص کے سر پر گول پگڑی تھی اور وہ کمبل اوڑھے تھے۔ ان کی داڑھی سفید تھی اور چہرہ منور۔ قریباً بیس منٹ حضرت صاحب قبلہ" اور وہ آنے والے حضرت ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور حضرت صاحب قبلہ" واپس چلے آئے اور وہ دربار داتا صاحب" کی طرف رواں ہوئے۔ بھاٹی دروازہ میاں محمد (مرحوم) کی بیٹھک پر پہنچے تو تمام دوست بڑے سٹ پٹائے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے "جانا تو داتا صاحب" تھا اور گئے بھی۔ لیکن راستہ سے ہی واپس آ گئے۔ آخر بات کیا ہوئی۔ سرکار سے پوچھنا چاہیے۔"

والد صاحب" بتاتے ہیں کہ سب دوستوں کے مجبور کرنے پر انہوں نے حضرت صاحب قبلہ" سے عرض کی "حضور! داتا صاحب" کی حاضری سے پہلے ہی آ گئے ہیں؟" سرکار" مسکرائے اور فرمایا "داتا صاحب" کو ہی ملنا تھا نا۔ وہ جو چوک میں گول پگڑی اور نورانی چہرے والے ملے تھے وہ داتا صاحب" ہی تو تھے۔"

والد صاحب" لاہور کاروبار کرتے تھے اور کبھی کبھی شرقپور شریف حضرت صاحب" کی حاضری کے لیے آتے۔ ایک دن حضور" کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے تو آپ" نے فرمایا "فضل الٰہی! داتا صاحب" جایا کرو۔"

حالانکہ وہ ہر روز داتا صاحب" کی حاضری کے لیے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب" کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی "سرکار! ذرا واقفیت کرادیں۔"

یہ سن کر آپ" مسکرائے۔ جب وہ واپس لاہور پہنچے اور داتا صاحب" گئے تو ان کا کہنا ہے۔ "ابھی دروازہ میں ہی تھا کہ کسی نے کندھوں سے پکڑ' منہ پھیر اپنی طرف

متوجہ کرلیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درودیوار کے تمام پردے درمیان سے اٹھ گئے ہیں۔ بہت دیر تک وہیں کھڑے رہے عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور وہیں باہر سے ہی واپس ہو لئے۔"

یہ تھا حضرت صاحب قبلہ" کا تصرف اور نتیجہ واقفیت کرانے کا کہ منزل نے خود ہی راہرو کو کھینچ لیا اور مقصود نے خود ہی طالب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

دلیلِ معرفت

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ" داتا صاحب" تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ" نے دیکھا کہ ایک شخص داتا صاحب" کی طرف منہ کیے مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ان کا نام منشی غلام غوث تھا وہ قادری سلسلہ میں کسی صاحب سے بیعت تھے اور یکی دروازہ (1) لاہور میں رہتے تھے۔ لوگ دور دراز سے بچوں کے لیے پانی اور تعویذ لینے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ دو گھڑے پانی دم کر کے اور ایک گھڑے میں تعویذ پہلے ہی لکھ کر رکھتے تھے۔ جب کوئی بچہ لے کر آتا۔ گھڑے میں سے پانی بھی دے دیتے اور تعویذ بھی۔ تعویذ لینے والوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ فرداً فرداً لکھ کر دینے سے کام ہی نہیں چلتا تھا۔ منشی صاحب کا "استغیث" پر عمل تھا۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے سرکار شرقپوری" نے فرمایا "ایک خیال داتا صاحب" کی طرف، ایک خیال دل کی طرف اور ایک خیال ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف پھر یکسوئی کونسی ہوئی۔" اتنا کہنے کے بعد آپ" تو آگے بڑھ گئے اور منشی صاحب مراقبہ توڑ کر آپ" کے پیچھے ہو لیے۔ چلتے چلتے لاہوری دروازہ آ گیا۔

1۔ یکی دروازہ حضرت سید زکی الدین کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن عوام الناس اسے زکی کی بجائے "یکی" کہنے لگے جو آج تک مشہور ہے۔

اس کے باہر پھولوں کی دکانوں کے عقب میں چند ایک مزار ہیں (۲) وہاں پہنچے تو وہاں عرس ہو رہا تھا اور محفل سماع گرم تھی۔ قوالی خوب زوروں پر تھی۔ منشی غلام غوث وہیں ٹھہر گئے۔ چونکہ وہ عمر میں حضرت صاحبؒ سے بڑے تھے اس لیے آپ بھی ان کے احترام کی وجہ سے رک گئے تھوڑی دیر کے بعد ساز بجتے بجتے بند ہو گئے۔ یہ دیکھ کر منشی غلام غوث صاحب وہاں سے آگے چل دیے۔ حضرت صاحب قبلہ "بھی ہمراہ تھے۔

جب لاہوری دروازہ کے اندر بازار میں آئے تو پیچھے سے قوالی کی آواز پھر آنے لگی۔ منشی صاحب پھر واپس ہو لیے۔ وہاں پہنچے تو ساز پھر بند ہو گئے۔ منشی صاحب پھر چل دیے اور جب دروازہ کے نزدیک آئے تو پیچھے سے پھر قوالی کی آواز آنے لگی منشی صاحب پھر پلٹ آئے۔ آپ بھی ہمراہ تھے۔ جب آ کر کھڑے ہوئے تو ساز پھر بند ہو گئے قوالوں نے بہت زور مارا لیکن نہ سازوں میں آواز پیدا ہونی تھی نہ ہوئی۔ یہ

---

۲ بہت زمانہ کی بات ہے انگریزوں کے نہیں بلکہ سکھوں کے زمانہ سے پہلے ہر سال دھونکل شریف ضلع گوجرانوالہ میں پیر سخی سرور کے روضہ پر میلے کا اختتام ہو جاتا تو وہاں سے درویشوں کے گروہ کے گروہ چل پڑتے۔ وہ سال بھر تک گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر پھرنے اور قدموں کے میلے پر حاضری دے کر پھر روانہ ہو جاتے۔ یہ سیلانی مبلغ جہاں جاتے لوگوں کو خدا اور اس کے رسول مقبول ﷺ کا پیغام سناتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ دستور یہ تھا کہ ان مبلغین میں سے جس پڑاؤ پر جس کسی کا انتقال ہوتا اسے وہیں دفن کر دیا جاتا۔ لوہاری دروازہ کے باہر چھوٹی سی مسجد تھی جس میں سیلانی مبلغ آ کر فروکش ہوتے تھے اور یہ ان کا پڑاؤ تھا اس مسجد میں ان مبلغوں کی ہی قبریں ہیں۔ اس پرانی مسجد کو شہید کر کے اس جگہ مزاروں کے اوپر چھت ڈال کر انجمن خادم المسلمین بیرون لوہاری دروازہ کے زیر اہتمام ایک بہت بڑی رفیع الشان مسجد بنائی گئی ہے جو مسلم مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ انارکلی اور لوہاری دروازہ سے گزرتے وقت اس کا بلند و بالا اور خوش وضع منار ہر ایک کی نظر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے یہ روایت علامہ اقبال (مرحوم) کے عمر بھر کے ہم جلیس اور دوست چوہدری محمد حسین (مرحوم) کی بیان کردہ ہے اور نوائے وقت کے خاص ایڈیشن مورخہ نومبر ۱۹۶۲ء میں چھپ چکی ہے۔ (مولانا محمد بخش مسلم (مرحوم) اس مسجد کے بہت عرصہ تک خطیب رہے ہیں)۔

دیکھ کر منشی صاحب نے حضرت صاحب قبلہؒ سے عرض کی ''ساز جو بند کر دیے ہیں۔
مجھے ہی نہ کھڑا ہونے کے لیے کہہ دیتے۔ میں نہ رکتا۔'' سرکارؒ خاموش رہے اور آگے
چل دیے۔ جب چوک جھنڈا پہنچے تو دیکھا کہ گندم فروخت ہو رہی ہے۔ کوئی گندم تول
رہا ہے اور کوئی چھان رہا ہے۔ چھنا چھن اور دوسرے شور و غوغا سے کان پڑی آواز
سنائی نہیں دیتی۔ آپؒ نے منشی صاحب سے فرمایا ''یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ سماع نہیں
ہے؟'' منشی صاحب نے عرض کی ''حضور یہ تو دلیل معرفت ہے۔ اور آپؒ نے میری
مشکل حل کر کے منزل طے کروا دی ہے۔'' اس دن کے بعد سے منشی غلام غوث نے
حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔

نئی مسجد

ایک دفعہ چوہدری غلام رسول ٹھیکیدار جس نے کہ جناب داتا صاحبؒ کی مسجد
بنوائی تھی شرقپور شریف اعلےٰ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؒ
اسے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''میرا بھی
دل چاہتا تھا کہ اسے دیکھوں جس نے داتا صاحبؒ کی مسجد بنوائی ہے۔ چوہدری غلام
رسول کانوں سے بہرہ تھا اور ہر وقت اپنے ساتھ سنکھ رکھتا تھا۔ تا کہ جس کسی نے بھی
کوئی بات کہنی ہو سنکھ منہ میں رکھ کر اس کے کان میں کہے اور وہ خود بھی عام بہرے
لوگوں کی طرح اونچی آواز سے ہی بات کہتا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب قبلہؒ کا ارشاد
سن کر گویا ہوا ''حضور! اس وقت نہیں دیکھا تھا جب داتا صاحبؒ نے آپؒ کی موجودگی
میں مجھے فرمایا تھا کہ مسجد بنوا۔'' اور پھر بیان کرنے لگا ''میں اپنی کوٹھی میں رات کو سویا

ہوا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ داتا صاحبؒ والی چھوٹی مسجد میں جمعہ ہو رہا ہے
۔ خلقت اتنی تھی کہ خدا کی پناہ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چلے آ رہے تھے۔ آپؒ داتا
صاحبؒ کے ساتھ کھڑے اس جم غفیر کو دیکھ رہے تھے جو کہ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جمع
ہو رہا تھا۔ داتا صاحبؒ مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ ''غلام رسول سن! میاں صاحب
کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ بابا صاحب دیکھو! جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں
کیسے تنگ ہو رہے ہیں۔ آپؒ ولیوں کے بابا ہیں اور مسجد اتنی چھوٹی سی یہاں ایک بڑی
ذی شان مسجد بننی چاہیے۔'' سو حضور! ''اس وقت آپؒ نے مجھے نہیں دیکھا تھا؟'' یہ سن
کر حضرت صاحب قبلہؒ مسکرائے اور فرمانے لگے ''تینوں ای جاچ ہووے گی۔''

تھوڑے سے وقفہ کے بعد ٹھیکیدار غلام رسول نے عرض کی ''قبلہ میں اس لیے
حاضر ہوا ہوں کہ میرے لڑکے دین محمد نے ایک طوائف سے شادی کی ہے اس بات
سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ اس کی پہلی بیوی بھی موجود ہے اور اولاد بھی۔ آپؒ توجہ
فرمادیں۔''

چوہدری غلام رسول کی شرقپور شریف سے واپسی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اس کا لڑکا
دین محمد حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ''سرکار میں
نے اس طوائف کو طلاق دے دی ہے۔ اس کے بطن سے دو لڑکیاں ہیں۔ اس کے
خاندان والوں نے لڑکیاں حاصل کرنے کے لیے مجھ پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اور میں
نہیں چاہتا کہ لڑکیاں ان کے پاس رہیں۔ حضور! دعا فرمادیں کہ مقدمے کا فیصلہ
میرے حق میں ہو۔'' تھوڑے ہی عرصہ بعد مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا اور
لڑکیاں اسے مل گئیں۔

چوہدری غلام رسول نے خواب میں داتا صاحبؒ کا حکم سن کر پرانی مسجد کو شہید کر کے نہایت اہتمام سے عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میاں صاحب قبلہؒ نے ہی داتا صاحبؒ سے کہلوا کر مسجد تعمیر کروائی ہے۔

نوٹ: یہ مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا مغلیہ طرز تعمیر اور بیل بوٹوں سے آراستہ تھی۔ یہ ابھی حال ہی میں شہید کرنے کے بعد دوبارہ تعمیر کی گئی ہے وہ جدید طرز کی خوبصورت وسیع و عریض مسجد ہے۔ جس کا ماڈل ترکی طرز تعمیر کا ہے۔

”اگر کسی مزار پر گزر ہو تو کچھ پڑھ کر بخش
تاکہ صاحبِ مزار کو خوشی حاصل ہو اور وہ
تیرے حق میں دعا کرے۔“

(فرمان حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ)

مپندار سعدیؒ که راه صفاء
توان یافت جز در پئے مصطفےٰ

خلاف پیمبر کسے ره گزید
که هر گز بمنزل نخواهد رسید

(حضرتِ سعدی شیرازیؒ)

پاسِ شریعت اور احیاءِ سنت

جیسا کہ سابقہ اوراق میں عرض کر چکا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے بلند درجات عطا فرمائے کہ آپؒ عشق ومحبت کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن بھی رہے اور شریعت مطہرہ کی حدود سے بھی ذرہ بھر تجاوز نہیں کیا۔ بلکہ مولائے ذوالجلال نے آپؒ کو دہریت، نیچریت اور آزاد خیالی کے پرفتن دور میں محیٔ سنت کا منصب خاص عطا فرمایا۔ آپؒ نے کسی موقع، کسی وقت اور کسی لمحہ بھی شریعت کی حدود شکنی اور سنت کی خلاف ورزی کو برداشت نہیں کیا۔ آپؒ بڑے سے بڑے آدمی اور بزرگ سے بزرگ ہستی کو بھی خلاف سنت کام پر ٹوک دیتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ پنجاب میں عقائد اہل سنت کے علمبردار عالم بے مثل مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے شرقپور شریف تشریف لائے۔ حضرت صاحب قبلہ بہت خوش ہوئے اور مولانا موصوف کی بڑی خاطر مدارات کی اسی اثنا میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ آپؒ نے مولانا صاحب سے فرمایا: "مولانا آپؒ نماز پڑھائیں" مولانا صاحب کے سر پر ٹوپی تھی۔ آپؒ نے جو دیکھا تو آنکھ کے اشارے سے ایک معتقد کو بازار سے تین گز ململ لانے کو کہا۔ چنانچہ ابھی تکبیر ہو ہی رہی تھی کہ ململ آ گئی اور آپؒ نے مسکراتے ہوئے اپنے دست مبارک سے مولانا صاحب کی ٹوپی پر پگڑی باندھ دی اور فرمایا "مولانا! ٹوپی سے نماز تو ہو جاتی ہے لیکن فضیلت یہ ہے کہ ٹوپی اور پگڑی دونوں ہوں۔"

آپ کی عادت کریمہ تھی کہ جب کبھی کسی کو ننگے سر دیکھتے تو تین گز کپڑا منگوا کر اس کے سر پر باندھ دیتے۔

پیر ابراہیم گیلانی صاحب

والد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دن لاہور دکان پر بیٹھے بیٹھے طبیعت بڑی بے چین ہوئی اور گھبرا کر دکان سے اٹھے اور چلے آئے۔ جب وہ بیرون شاہ عالم گیٹ پہنچے تو وہاں تانگوں والے "مزنگ۔ مزنگ" کی ہانک لگا رہے تھے۔ والد صاحب غیر ارادی طور پر مزنگ جانیوالے ایک تانگے پر بیٹھ کر مزنگ اڈہ پر جا اُترے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ انہوں نے اونچی مسجد میں نماز ادا کرنے کی ٹھانی اور وہاں چلے گئے۔

جب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ آپؒ دیکھتے ہی مسکرا دیے اور فرمایا۔

"آ گیا ایں۔ مینوں تیرا خیال سی۔" "جوان! اتھے بغداد والی سرکار کے سجادہ نشین آئے ہوئے ہیں۔" میں نے کہا سرکار کے سجادہ نشین جو ہوئے چل کر مل آؤں۔

چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد چند احباب کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ پیر ابراہیم صاحب کو ملنے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے نواب اور تمام سلاسل کے سجادہ نشینان حاضری کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اپنے اپنے نام کی چٹ اندر جاتی تھی اور باری باری ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ کے ساتھ مزنگ کا خدا بخش نامی ڈرائیور تھا جو کہ آپ کا والہ و شیدا تھا۔ آپؒ نے اس سے کہا۔

"خدا بخش تم اپنے نام کی چٹ بھیج دو"۔

سو حسب الارشاد اس کے نام کی چٹ اندر بھیج دی گئی۔ گیارہ بجے شب اندر بلایا گیا۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ جب اندر گئے تو دیکھا کہ ہال کمرے میں بیش قیمت قالیچے بچھے ہوئے ہیں اور ایک اونچے تخت پر سید ابراہیم صاحب تشریف فرما ہیں۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اندر جا کر قالیچہ پر نیچے ہی ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور دیگر سب احباب بھی عقب میں بیٹھ گئے۔

پیر صاحب نے حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ سرکار میاں صاحب نے جواب دیا "مقام ازل سے۔"

پیر صاحب نے دوبارہ پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں۔"

آپؒ نے جواب دیا۔ (لا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔")

پیر صاحب نے تیسری بار پھر پوچھا "آپ کا نسب؟" حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سورۃ حشر کی آخری آیات ھو اللہ الذی پڑھیں۔

چوتھی دفعہ پیر ابراہیم صاحب یوں گویا ہوئے۔ "آپ کا نام؟"

اس پر میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "فنا ہونے والے کا بھی کوئی نام ہوتا ہے" یہ سننا تھا کہ پیر صاحب تخت سے نیچے اتر کر آپؒ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ ان کی داڑھی کتری ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا اور اپنی داڑھی کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے ہی پوچھا "یہ کیا ہے؟" پیر صاحب جوش میں آگئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ ناک سے نیچے اور لبوں کے اوپر رکھا تو نیچے سے داڑھی قبضہ بھر ہوگئی۔ یہ دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ نے ایک جھرجھری لی اور

فرمایا یہ کوئی شریعت کی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہی دلیل ہوتی تو تمام پیغمبر علیہم السلام بھی ایسا ہی کرتے۔" پیر صاحب پر رقت طاری ہوگئی۔ آپؒ نے رخصت کی اجازت مانگی تو پیر صاحب نے فرمایا۔ "آپ یہیں ٹھہریں۔" آپ نے جواب دیا۔ "بیمار ہوں اور تبخیر ہوتی ہے" پیر صاحب کہنے لگے۔ "ارے میاں! جب تک میری داڑھی پوری نہ ہو جائے تب تک تو رہو۔" آپ خاموش ہوگئے اور آتی دفعہ سو روپیہ پیر سید ابراہیم صاحب کی نذر کیا۔

میاں صاحبؒ غالباً آٹھ یوم مزنگ میں مقیم رہے اور ہر روز دو وقت سید صاحب کی ملاقات ہوتی۔ جب پیر صاحب کی داڑھی کچھ بڑی ہوگئی اور آپؒ نے رخصت کے لیے اجازت چاہی تو پیر صاحب فرمانے لگے "ارے میاں! کبھی بغداد شریف تو تشریف لائیں۔" حضور فرمانے لگے۔ "میں اس لائق کہاں ہوں۔ اچھا! جو خدا کو منظور ہوا۔" آپ اسی دن شرقپور شریف واپس تشریف لے آئے۔ (۱۹۲۴ میں پیر صاحبؒ پر بغاوت کا الزام لگا کر انہیں عراق بدر کیا گیا اور آپؒ ہندوستان تشریف لائے) عرصہ بعید کے بعد معلوم ہوا کہ سید ابراہیم شاہ صاحب بغداد شریف جاتے ہوئے بمبئی میں انتقال کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

میلہ سے نفرت

شرقپور شریف کے نزدیک ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام سکھانوالہ ہے یہ موضع سکھوں کے عہد حکومت میں کسی سکھ جاگیردار کا قلعہ تھا۔ اس جگہ ایک پرانا مزار بھی تھا جس پر سائیں غلام محی الدین کے والد صاحب جو کہ مجذوب اور مست حال تھے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بعض لوگ سائیں غلام محی الدین کی سجادہ نشینی میں حارج ہوئے لیکن راقم الحروف کے دادا جان میاں الٰہی بخش مونگا نے

کوشش کر کے انہیں گدی نشین کرا دیا۔ اس مزار کے ساتھ کچھ زمین تھی اور اسی وجہ سے لوگ سائیں غلام محی الدین کے گدی نشین ہونے میں حائل ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا اور یہ ہو کر رہا۔

سائیں غلام محی الدین کی حالت عجیب تھی۔ کبھی وہ بالکل فقیرانہ اور مجذوبانہ حالت میں اپنے خیال میں محو باہر ویرانوں میں وقت گزارتا تو کبھی گاؤں اور شہر میں زیورات پہنے نظر آتا۔ گاہے اس کے بدن پر گوٹا کناری لگے رنگدار کپڑے ہوتے اور گاہے پھٹا پرانا لباس زیب بدن ہوتا۔ ہزاروں روپیہ قرض لے کر سکھانوالہ میلہ منعقد کرواتا۔ یہ میلہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ دور دراز سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں میلہ میں شرکت کرتے۔ اس زمانے میں بیل جتے یکے عام ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں یکے شائقین کو لے کر آتے۔ لاہور اور امرتسر کے گوجر خاص طور پر سائیں غلام محی الدین اور دوسرے بزرگوں کے معتقد تھے۔ ان کو یہاں سے بہت فیض حاصل ہوتا تھا۔ لوگ ہزاروں روپیہ نذر گزارتے۔ سائیں غلام محی الدین کی طبیعت رندانہ سی تھی۔ خرچ کرنے میں ہاتھ کھینچ لینا اس کی عادت نہ تھی جو کچھ اکٹھا ہوتا تمام کا تمام خرچ کر ڈالتا۔ میلے کے شوق کے علاوہ بظاہر اس میں کوئی اور عیب نہیں تھا۔ لیکن مرشدم حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ میلہ جو شرع محمدی کے بالکل خلاف ہے کسی بزرگ کے مزار پر کیوں ہو۔ آپ تو شریعت مطہرہ کی چھوٹی سے چھوٹی خلاف ورزی بھی برداشت نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ میلہ۔ ایک دو دفعہ حضرت صاحب قبلہ نے سائیں غلام محی الدین کو کہلا بھیجا کہ میلہ نہ کیا کرو لیکن اس وقت کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بعد میں میلہ کی رونق کم ہوتی گئی۔

مسجد کی طرف سے غفلت پر تنبیہہ

ایک روز حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ شہر سے باہر تشریف لائے اور میانی کھوئی کی طرف قضائے حاجت کی غرض سے چل نکلے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد آپؒ نے ایک چرواہے سے ''ڈھانگی'' (1) لی اور نیم کے درخت سے ایک ڈنڈا بنایا۔ اور موضع سکھانوالہ کی طرف چلے آئے۔ وہاں پہنچ کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس مسجد کی چھت گری ہوئی تھی۔ آپؒ کے ہمراہ مستری کرم دین صاحب (مرحوم) بھی تھے۔ آپؒ نے مستری صاحب کو فرمایا ''ذرا سائیں غلام محی الدین کو بلا لاؤ۔''

ادھر سائیں غلام محی الدین کو بھی کسی صورت پتا چل گیا کہ حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ خوف کے مارے وہ کسی کمرے میں چھپ گیا اور مستری صاحب ناکام واپس لوٹے اور عرض کی۔ ''حضور! وہ یہاں نہیں ہے۔'' آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ہے تو یہیں۔ کہیں چھپ گیا ہوگا۔'' خیر اس موضع کیلئے کسی بڑے آدمی کو ہی بلا لاؤ۔'' گاؤں کے تقریباً سبھی لوگ باہر کھیتوں میں کام کرنے گئے ہوئے تھے۔

مستری صاحب قریب کے کنوئیں سے ایک بیالیس چوالیس سالہ آدمی اپنے ہمراہ لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا'' میاں! اگر کسی کے گھر کی چھت گر جائے تو وہ کیا کرتا ہے۔'' اُس نے عرض کی'' حضور! وہ لازمی طور پر اس کو بنائے گا۔'' حضور میاں صاحب کا یہ سننا تھا کہ آپؒ نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا'' اپنے گھر کا اتنا خیال؟ اور اللہ کے گھر کی چھت اتنے دنوں سے

---

(1) یہ پنجابی لفظ ہے۔ ایسی چھڑی جس کے آگے پتے اور ٹہنیاں کاٹنے کا آلہ لگا ہوتا ہے۔

گری پڑی ہے۔ لیکن کسی کا اس طرف دھیان ہی نہیں۔" اس آدمی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی" قبلہ! ایک ہفتہ کے بعد آپؒ چھت بنی ہوئی پائیں گے۔" کچھ وقفے کے بعد آپؒ وہاں سے رخصت ہوئے اور قبرستان "ڈوہراں والا" تشریف لائے وہاں جو کچی مسجد تھی آپؒ اسمیں محو ذکر ہو گئے۔

چند لمحوں کے بعد مسجد کے دروازہ پر ایک خوبصورت سی کار آ کر رکی۔ اس میں سے ایک آدمی انگریزی لباس میں ملبوس ہیٹ پہنے نکلا اور جوتے اتار کر مسجد کے اندر حضرت صاحب قبلہ کے سامنے جا پہنچا۔ اس نے ہیٹ اتار کر آپؒ کو سلام کیا۔ یہ دیکھ کر آپؒ طیش میں آ گئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار طمانچہ رسید کیا۔ اس کا ہیٹ پرے جا گرا اور وہ کانپنے لگا۔ آپؒ نے فرمایا "نور محمد اں دیاں ایہہ بوتھیاں ہندیاں نے" (یعنی نام تو نور محمد ہے چہرہ سارا انگریزی وضع کا) وہ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ "سرکار! اب کی دفعہ نور محمد بن کر حاضر ہوں گا۔"

خیال رہے کہ نور محمد پہلی دفعہ ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کبھی بھی حضورؒ سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ شاید اس زمانے میں مہتمم بندوبست تھے۔ اسی اثناء میں پیچھے سے ان کا پانچ سالہ لڑکا آیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی گود میں بیٹھ گیا اس سے آپؒ کی طبیعت بدل گئی۔ اور آپ مسکرا پڑے۔ آپؒ نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر اس لڑکے کو دیا اور فرمایا۔ آؤ چلیں۔ شیخ نور محمد نے مستری کرم دین صاحب سے عرض کی کہ کار حاضر ہے۔ لیکن مستری صاحب خاموش رہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے مستری صاحب کی طرف دیکھا اور پوچھا "یہ کیا کہتا ہے۔" انہوں نے عرض کی "حضور! یہ کہتا ہے کہ کار حاضر ہے۔" آپ فرمانے

لگے "میں ایہدی کار تے موتر داوی نئیں ۔" (یعنی ہم اس کی کار پر پیشاب بھی نہیں کرتے) اس کو کہو کہ کار پر گھر چلا آئے اور آپ "بولیاں" والے کنوئیں کی طرف سے کھیتوں کے بیچوں بیچ گھر تشریف لے آئے۔

مندرجہ بالا واقعہ کے تھوڑے دن بعد سکھانوالہ میلہ آ گیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے رات کے وقت ۲ بجے بابا حاکم (۱) ٹم ٹم والے کو فرمایا۔ "تم جاؤ اور میلہ سے سائیں غلام محی الدین کو لے آؤ۔" بابا حاکم سیدھا سکھانوالہ گیا۔ اس وقت میلہ خوب زوروں پر تھا۔ قوالیاں ہو رہی تھی۔ طوائفیں محو رقص تھیں۔ تماشائی دنیا ومافیہا سے بے خبر تماش بینی میں مشغول تھے۔ سائیں غلام محی الدین بھی میلہ میں موجود تھے ان کے بدن پر زیور سج رہا تھا۔ گوٹے دار لال کپڑے پہن رکھے تھے۔ بابا حاکم نے جا کر کہا کہ حضرت صاحب قبلہ بلاتے ہیں چلو۔ وہ اسی حالت میں ہی چپ چاپ ساتھ ہو لیئے۔

یہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ وہ جیسی حالت میں تھے ویسے ہی اور میلے کو زوروں پر چھوڑ کر چلے آئے ورنہ ایسی سرور انگیز گھڑیوں میں سائیں غلام محی الدین کا میلہ چھوڑ آنا ممکن ہی نہ تھا وہ جب حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس آئے تو

---

۱ بابا حاکم ٹم ٹم والا اوائل عمر میں نامی گرامی چور اور مشہور بد معاش تھا۔ چوری اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اس وقت کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہی چور ایک دن نہایت پارسا اور پرہیزگار بندہ ہوگا۔ اس کی قسمت ایک دن چمک اٹھی اس کی ٹم ٹم ہی وسیلہ بن گئی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ ایک دن اس کی ٹم ٹم پر لاہور کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں آپ نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام بری عادات چھوڑ کر پابند صوم وصلوٰۃ ہو گیا اکثر وقت استغراق کے عالم میں ہوتا۔ ایک دفعہ محویت کے عالم میں تھا کہ آپ نے مکان شریف سے واپسی پر اسے تبرک کی گٹھڑی دی اور فرمایا اسے گھر پہنچاؤ مگر اس نے وہ تبرک راستے ہی میں تقسیم کر دیا۔

آپؒ نے فرمایا۔ ''غلام محی الدین نہاؤ'' وہ چپ چاپ نہا لیے۔ آپؒ نے ان کو گھر سے سفید کپڑے لا کر پہنائے۔ اسی اثناء میں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور آپؒ نے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ سائیں غلام محی الدین کی ادائیگی نماز کے بعد آپؒ نے فرمایا ''غلام محی الدین! آج کے بعد تم میلہ نہ کرنا۔'' اور رخصت کی اجازت دے دی۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد سائیں صاحب کا انتقال ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ سائیں صاحب آدمی تو اچھے تھے لیکن ان کا کوئی شیخ نہ تھا اور اسی لیے سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے آخری وقت بلا کر توبہ کرا دی۔

پاسِ شریعت

جن دنوں امیر ایوب خاں امیر کابل لاہور میں نظر بند تھے (ان کی رہائش کا انتظام چوبرجی کے پاس ایک بہت بڑی کوٹھی میں کیا گیا تھا) ان کے ایک وزیر کے بھائی سردار حاجی نذر محمد صاحب تھے جو قادری سلسلہ کے بہت بلند پایہ اہل نسبت بزرگ تھے۔ لاہور میں ان کے کافی مرید تھے۔ وہ اکثر بنگلہ ایوب شاہ میں فروکش ہوتے۔ سردار نذر محمد صاحب راقم الحروف کے والد حاجی فضل الٰہی پر بہت مہربان تھے اور جب بھی لاہور آتے والد صاحب ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ سردار صاحب والد صاحب کو اکثر کہا کرتے۔ ''بھئی! مجھے بھی اپنے پیر کے پاس لے چلو۔''

والد صاحب نے لاہور میں کاروباری سلسلہ منقطع کر دیا ہوا تھا اور وہ واپس شرقپور شریف آ گئے ہوئے تھے۔ پیچھے سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا ''حضرت صاحب

بلاتے ہیں۔" جب وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا۔ "تیرے دوست سردار نذر محمد صاحب آئے ہوئے ہیں اور محلہ گھمیاں میں انکو ٹھہرایا ہوا ہے۔" والد صاحب وہاں گئے اور دیکھا کہ سردار صاحب مع آٹھ دس پٹھان مہمانوں کے تشریف فرما ہیں وہ دو بیلوں والی رتھ پر لاہور سے آئے تھے۔ ان کے لیے خورد و نوش کا سامان آپؒ وہیں ان کے ڈیرہ پر بھیج دیتے تھے۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ "میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سردار نذر محمد صاحب بڑے اشتیاق اور محبت سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب قبلہؒ نے کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی۔ دوسری صبح سردار نذر محمد صاحب نے کہا آج کھانا وہاں کھائیں گے جہاں لنگر میں عام لوگ کھاتے ہیں اور دس بجے کے قریب سردار صاحب کھانا کھانے بیٹھک میں تشریف لے آئے۔ حسب دستور دستر خوان بچھا ہوا تھا سب احباب بلا تفریق امیر و غریب بیٹھے ہوئے تھے۔ سردار صاحب بھی سب کے ساتھ بیٹھ گئے کچھ وقفہ کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سردار نذر محمد صاحب سے فرمایا "میرے گناہ زیادہ ہو گئے ہیں کہ آپؒ جیسے سفید ریش بزرگ میرے پاس آئے ہیں۔" والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے کہا "یہ بچہ ہی تو ہے، مجھے آپؒ کے متعلق بتاتا تو میں خود حاضر ہو کر ملاقات کرتا۔ خیر! کوئی بات نہیں بادل گھر آ کر ہی برسا کرتے ہیں۔"

یہ سن کر سردار صاحب کہنے لگے "میں نے کئی حج کیے ہیں۔ ۲۵ برس مکہ معظمہ بیت اللہ شریف میں درس دیا ہے اور جہاد فی سبیل (1) اللہ بھی کیا ہے لیکن جو کچھ آج

1۔ سردار نذر محمد صاحب کا بایاں بازو جہاد میں گولی لگنے کیوجہ سے ناکارہ ہو چکا تھا۔

رات میں نے یہاں دیکھا اور فیوضات حاصل کیے ہیں وہ یہاں سے ہی مل سکتے تھے۔

''اسی دن آپؒ نے ان کی خواہش پر رخصت کر دیا اور وداع کرنے کیلئے ان کے ساتھ ہو لیے۔ تھوڑی دور جا کر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سردار صاحب کو رتھ پر سوار ہو جانے کو فرمایا۔ لیکن انہوں نے ادب کیوجہ سے انکار کر دیا۔ اس پر آپؒ نے انہیں خود اٹھا کر رتھ پر بٹھا دیا اور قریباً دو فرلانگ تک آپؒ ان کے ساتھ گئے۔

لاہور جا کر سردار حاجی نذر محمد صاحب نے کہا۔ ''اپنی زندگی میں اگر کوئی مرد کامل دیکھا ہے تو وہ میاں صاحب شرقپوری ہیں وہاں سے میں نے بہت فیض حاصل کیا ہے اور اس دن کے بعد اکثر اپنے مریدین اور معتقدین کو حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں شرقپور شریف بھیجا کرتے۔

سردار حاجی نذر محمد صاحب کی ملاقات کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لے گئے اور اس کے دو چار دن بعد یہاں شرقپور شریف میں مقامی سکھوں نے ایک جلسہ کا انتظام کیا جس میں بیرونجات سے دوسرے سکھوں نے بھی شرکت کی۔ وہ ایک جلوس کی صورت میں بازار میں آئے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بھجن گاتے اور تقریریں کرتے چلے۔ ان گویّوں اور مقرروں میں ایک نابینا سکھ تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان سکھ لڑکا بھی تھا۔ جو جوڑی (طبلہ) بجاتا تھا اور وہ نابینا ہارمونیم باجے کے ساتھ گاتا اور تقریر کرتا تھا۔ اس کی تقریر کے دوران میں جب جلوس سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی گلی کے سامنے سے گزرا تو اس سکھ نے تقریر بند کر دی اور جلوس کو کھڑا کرنے کے لیے کہا اور بولا ''اس طرف سے کسی اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے مجھے ان کی قدمبوسی کر لینے دو پھر آگے چلیں گے۔''

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور کئی ایک حضرت صاحب قبلہؒ کے عقیدتمند اس جلوس میں موجود تھے۔ان پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔لالہ پھگو رام جو شرقپور شریف میں میونسپل کمیٹی کا ممبر تھا اور سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محلہ دار بھی، اس نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ اس گلی میں بہت بڑے بزرگ میاں صاحب رہتے ہیں اور آج یہاں موجود نہیں ہیں کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے ہیں یہ سن کر وہ سکھ رو دیا اور کہنے لگا۔''یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں قدم بوسی سے محروم رہا۔'' اس کے بعد اُس نے تقریر ختم کردی۔

والد صاحب (حاجی فضل الٰہیؒ) کہتے ہیں ''رات کو اُن کا پھر جلسہ تھا مجھے اشتیاق تھا کہ اس نابینا سکھ کی تقریر سنی جائے۔اسی جستجو میں رات جلسہ گاہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس وقت تقریر کرے گا؟ سکھ کہنے لگا۔''وہ اس وقت تقریر کرتا ہے جب عام تماشائی جو محض وقتی طور پر حظ اُٹھانے آجاتے ہیں یہاں سے چلے جائیں اور صرف وہ خلوص بھرے لوگ رہ جائیں جو محض کسی بلند مقصد اور گرو جی کی رضا کے لیے آئے ہوں اور ایسا پُرسکون ماحول سوائے پچھلی رات کے کب میسر آسکتا ہے۔'' سو ایسا ہی ہوا کہ سب سے آخر میں وہ نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا سٹیج پر آئے اور کچھ دیر ہارمونیم اور طبلہ بجاتے رہے تقریر سے بیشتر انہوں نے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ تعریف رسالت مآب ﷺ بیان کی۔پھر وہ نابینا سکھ لوگوں سے یوں مخاطب ہوا۔

''بھائیو! میں نے کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کرنی ہے۔میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سکھ کون ہے اور کون کون سکھ کہلانے کا مستحق ہے۔بات یوں ہے کہ گورونانک ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے انکو صرف رب کا نام جپنے کی ہی دھن رہتی

تھی۔ایک دن اسی محویت کے عالم میں ایک شخص ان کے پاس سے گزرا گورو نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ پاس آکر کہنے لگا فرمائیے۔تو گورو جی نے کہا ''سکھ'' اس نے جواب دیا ''کیا سیکھوں''؟ گورو جی کہنے لگے ''سکھ رب دا ناں''۔اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ وہ آدمی ہندو تھا مسلمان تھا یا کون تھا؟ (۱) کیس رکھوانے (۲) کڑا ڈالنے (۳) کچھا پہننے (۴) کنگھا رکھنے اور (۵) کرپان باندھنے سے سکھ نہیں ہو سکتا۔جس نے رب کا نام سیکھ لیا وہ ''سکھ'' ہے خواہ کوئی ہو جو اس کا نام جپنے والا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے وہی ''سردار'' ہے باقی سب باتیں ہی باتیں ہیں۔مذکورہ باتیں کہنے کے بعد اُس نے اپنی تقریر ختم کر دی۔اُس کی تقریر میں بہت لطف اور لذت تھی اور اُس کے الفاظ نے لوگوں کے دلوں پر خاصہ اثر چھوڑا۔صبح ہوتے ہی وہ نابینا سکھ شرقپور شریف سے روانہ ہو گیا۔

جلسے کے دوسرے دن ہی حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف سے واپس تشریف لے آئے۔والد صاحب عشاء کی نماز کے بعد مسجد کی چھت پر حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس گئے۔حسب عادت آپؒ گیارہ ساڑھے گیارہ کے قریب گھر جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔سرکارؒ دروازہ پر سیڑھیوں کے قریب ''منتظر'' کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈالا کرتے تھے۔اس دن کتوں کو روٹی ڈالتے وقت والد صاحب نے آپؒ سے عرض کی ''حضور! سکھوں کا جلسہ ہوا تھا اور اس میں ایک نابینا...

آپؒ نے فقرہ پورا کرنے ہی نہ دیا اور فرمایا ''اوتاں جوان کوئی ول ای ہووےگا''۔(یعنی بھئی! وہ تو کوئی اچھا آدمی ہی ہوگا) راستے میں بات پھر شروع ہوئی۔لیکن آپؒ نے

---

۱ سکھوں کے بنیادی پانچ ارکان جس کو وہ ''پانچ ککے'' کہتے ہیں۔

بات بیچ میں ہی کاٹ دی اور یہی فرمایا۔ ''جوان! اوتاں کوئی ول ای ہووے گا۔''
تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا اور والد صاحب خاموش ہو گئے۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے دوسرے دن ہی ظہر کی نماز کے بعد مجھے گھر سے حضرت صاحب قبلہ نے بلا بھیجا۔ جب میں بیٹھک میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا حضرت صاحب قبلہؒ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں سرکار مسکرائے اور آنکھ کے اشارے سے سمجھایا کہ وہ سکھ یہی ہے۔ میں وہیں بیٹھ گیا تمام احباب مع وہ دونوں سکھ مراقبے میں مشغول ہو گئے۔ قریباً آدھ پون گھنٹہ یہی عالم رہا۔ اس کے بعد اس نابینا سکھ نے میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زانوؤں کو دبا کر کہا ''الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ! چالیس برس کے بعد گورو کا رنگ یہاں آ کر دیکھا۔'' اور نوجوان کو آگے کیا اور کہا ''اس کی کمر پر ہاتھ پھیریں۔ یہ گوروؤں کی سیوا کرتا ہے۔ اگر مجھے اجازت ہو تو کبھی کبھی حاضر ہوتا رہوں؟'' حضرت صاحب قبلہؒ نے اس کے بازو پر ہتھیلی مارتے ہوئے فرمایا ''جا مار یا ہویا! ابھی تک تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوا۔''

جو تن سے نزدیک ہے وہ مجبور ہے
جو دل سے نزدیک ہے وہ کب دور ہے

اس کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ انہیں کچھ پلاؤ۔ وہ کہنے لگا ''یہی پلائیں جو کچھ پلا رہے ہیں۔'' آپ مسکرا پڑے اور فرمایا ''یہ بھی کچھ ہوتا ہے۔'' والد صاحب کہتے ہیں میں نے کہا ''کسی ہندو سے لاؤں۔'' وہ بول اٹھا ''جی کوئی بات نہیں! جہاں سے چاہو لے آؤ۔'' چنانچہ والد صاحب مولوی محمد صدیق کی دکان سے دودھ لے آئے اور وہ کہنے لگا۔ ''پہلے حضور نوش فرمائیں۔'' تو آپؒ نے ایک گھونٹ پی کر اسے دے دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آپؒ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ والد صاحب نے اس نابینا سے پوچھا ''تم کیسے آگئے ہو۔'' اُس نے بتایا ''میں سیالکوٹ میں تھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے روحانی تار ملا اور صبح میں حاضر ہوگیا۔

دوسرے دن لوہاراں والی مسجد میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اشراق پڑھنے کے لیے وضو فرما رہے تھے تو بعد فراغت آپؒ نے فرمایا ''حاجی سردار نذر محمد صاحب بڑے اچھے پارسا بزرگ ہیں ہمیں ان کی بڑی عزت ہے لیکن اس نابینا سکھ کی طرح ''فنا'' والے تمام پنجاب میں ہندو مسلمانوں میں تین یا چار آدمی ہیں۔ مگر ہمیں تو سردار نذر محمد صاحب ہی اچھے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والے یہ ہندو یا سکھ یا دوسرے مذاہب کے افراد کا حصہ یہاں دنیا میں ہی ہے۔ آخرت میں نہیں ہے اور پھر ہمیں تو ہر حالت میں شریعت کا پاس ہے۔''

ایک دفعہ اعلٰے حضرت سُرکار میانصاحبؒ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو ہمراہیوں کے ساتھ قصبہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپؒ شہر کے دروازہ سے نکل کر بولیاں والے کنواں سے ہوتے ہوئے کچھ دور آگے نکل گئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ آپؒ نے ساتھیوں کو ٹھہرایا اور خود پیشاب کرنے آگے بڑھ گئے۔ آپؒ نے اپنی جیب میں سے تسبیح نکالی اور اسے ایک کیکر کے درخت کی ٹہنی پر لٹکا کر خود حوائج ضروریہ کے لیے چل دیے بعد فراغت واپسی پر راستہ میں ہی ایک جگہ ''پیراں بھار'' (پاؤں کے بل) بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھ کر استنجا کیلئے کنویں کی طرف سے آنے والی پانی کی نالی پر چلے گئے۔ استنجا کے بعد آپؒ نے کیکر کے درخت سے تسبیح اتاری اور ساتھیوں کو لے کر گھر کی طرف واپس ہوئے۔ راستہ میں آپؒ نے فرمایا۔ ''جب میں پیشاب کر

کے لوٹا تو راستہ میں ایک جگہ پاخانہ پڑا ہوا تھا۔وہ سوکھ کر سنہری رنگ کا ہو گیا تھا۔مجھے وہ بڑا خوبصورت لگا میں اس کے پاس بیٹھ گیا مجھے اس پر بڑا پیار آرہا تھا۔پاخانے نے زبان حال سے مجھے کہا ”تمہیں جو مجھ پر اتنا پیار آرہا ہے اور بڑی محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہو، مجھے کھا کیوں نہیں لیتے۔“میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ”تجھے کھا تو لوں لیکن کیا کروں شریعت اجازت نہیں دیتی۔حضرت کے فرمان کا ہر طرح سے لحاظ ہے اور ہر چیز سے مقدم۔“نیز آپؒ نے فرمایا۔”جب میں کیکر کے درخت سے تسبیح اتارنے لگا تو کیکر نے زبان حال سے مجھے یوں کہا ”دیکھ! میں اکیلا ہوں میرا اللہ بھی ایک ہے۔دل میں اسی ایک کا دھیان رکھو۔ماسوا ہر کسی کا خیال چھوڑ دو۔“اس کے بعد آپؒ نے فارسی میں یہ فرمایا۔

نہ باید گریست اندر چیز کس دل
کہ دل بر داشتن کاریست۔

مست یا کہ باشریعت

کسی گاؤں میں جلال دین نامی ایک شخص رہتا تھا۔وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا اس نے سنا کہ موضع ”باٹھ“(1) میں ایک مست فقیر رہتے ہیں۔وہ بڑے کامل بزرگ ہیں۔چنانچہ جلال دین بڑے شوق سے وہاں پہنچا۔اس مست نے اس پر کمال شفقت کی اور اسے بھی مست کر دیا۔اسی مستی میں جلال دین لاہور چلا آیا۔

---

1 موضع ”باٹھ“ ضلع لاہور میں واقع ہے۔مست فقیر کا نام شہاب الدین المشہور ربا با مست باٹھاں والا تھا یکی دروازہ لاہور کے باشندے تھے۔

ان دنوں مستری کرم دین مرحوم ملازمت کے سلسلہ میں لاہور مقیم تھے۔جلال دین جواب ایک مست حال فقیر تھا ان کے مکان پر آیا۔انہوں نے کھانے کے لیے اسے ایک روٹی دی وہ روٹی لیے ساری رات سیڑھیوں میں ہی بیٹھا رہا اور صبح ہونے پر اسی کیف و مستی میں شرقپور شریف چلا آیا۔

شرقپور شریف پہنچ کر مسجد حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے وہ روٹی ہاتھ میں لیے کھڑا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ گھر سے تشریف لائے۔نماز ادا کرنے کے بعد آپؒ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ جلال دین نیچے کھڑا ہے اسے لے آؤ۔جب اسے مسجد میں لایا گیا تو حضرت صاحب قبلہؒ نے پکڑ کر اسے لٹا لیا اور یہ کہتے ہوئے ''لاؤ تمہاری مستی نکالوں''۔خوب پیٹا۔جب وہ ہوش میں آیا تو سرکار نے پوچھا ''بتاؤ کدھر جانا ہے؟'' اُس نے عرض کی۔''حضور! جدھر آپؒ ارشاد فرمائیں۔''

آپؒ فرمانے لگے۔''پہلے گھر جاؤ۔اپنی والدہ سے ملو اور پھر اپنا کاروبار خوب جی لگا کر کرو۔'' نیز آپؒ نے ارشاد فرمایا ''ان مستوں سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔یہ کمال مہربانی کریں تو اپنے جیسا مست کر دیتے ہیں۔بصورت دیگر منفی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔اس لیے باشریعت بزرگوں کے پاس حاضر ہونا بہتر اور افضل ہے۔''

مساوات

ایک دن سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی قدمبوسی کے لیے ایک ڈیلدار حاضر ہوا بڑا گرانڈیل اور لمبا تڑنگا جوان تھا۔رعب اور تمکنت اس کے چہرہ سے

ہویدا تھی ریوالور کمر سے بندھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور مسکین صورت آدمی بھی تھا جس کے معمولی کپڑوں اور اس زمیندار کے پیچھے پیچھے مؤدبانہ چلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی اس کا ملازم ہے۔ وہ دونوں اعلےٰ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹھک میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب قبلہؒ تشریف لائے بعد ملاقات، گفتگو اور کھانے کا وقت ہو جانیکی وجہ سے دستر خوان بچھا اور کھانا چن دیا گیا سب احباب جو وہاں موجود تھے دستر خوان پر بیٹھ گئے لیکن ذیلدار کا ساتھی اپنی جگہ پر بدستور بیٹھا رہا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بھی فرمایا ''بھئی! تم بھی آؤ اور سب کے ساتھ ملکر کھانا کھاؤ۔'' یہ سنکر وہ ذیلدار کہنے لگا۔'' جناب اسے علیحدہ کھانا دے دیا جائے یہ ہمارا 'کمین' (کام کرنیوالا غلام کی طرز کا ملازم) ہے۔''

حضرت صاحب قبلہ خاموشی سے اٹھے اور اندر سے کھانا لاکر اس کے سامنے رکھ دیا اور بلند آواز سے فرمایا ''تم بھی کمین، میں بھی کمین۔ آؤ! میں اور تم ملکر اکٹھے کھاتے ہیں۔'' اور آپؒ اس کے ہمراہ کھانا کھانے لگے۔

حضرت صاحب قبلہ کی یہ گفتگو سن کر اور اس کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھ کر ذیلدار کے چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ شرمندگی سے سرنگوں ہو گیا اور اسکی پیشانی پر قطرات ندامت ہویدا ہو گئے۔ اس پر رقت طاری تھی اور وہ رو رو کر کہتا تھا ''سرکار! میں بھی آپؒ کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔'' آپ مسکراتے تھے اور فرماتے تھے ''نہیں، بھائی تم ذیلدار ہوئے۔ رئیس اور بڑے آدمی۔ تمہیں ہم سے علیحدہ ہی کھانا چاہیے۔ ہم دونوں 'کمین' ہیں ہم اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔''

سبحان اللہ! مساوات و احترام آدمیت و حقوق العباد، سنت رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم اور شریعت مطہرہ کا اس قدر خیال! ایسا منظر کہاں دیکھنے میں آئے گا؟ پھر اس کی تلقین کس اچھوتے اور موثر انداز میں۔ اولیائے سلف کی سی عادات اور قرون اولیٰ کی روایات کو اس دور پرفتن اور اس گئے گزرے زمانہ میں قائم رکھنا آپ کا ہی حصہ تھا۔

سر شفیع (مرحوم)

میاں سر محمد شفیع (مرحوم) کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ کسی زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں سر شفیع کا طوطی بولتا تھا پہلے تو وہ ایک کامیاب بیرسٹر تھے اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بعد میں وزارت قانون کا قلم دان ان کے سپرد کر دیا گیا۔ سر شفیع اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے خالہ زاد تھے جب تک آپکی خالہ بقید حیات رہیں آپؒ ان کے سلام کو سر شفیع کی کوٹھی اکثر جاتے رہے۔

ایک دفعہ صاحب قبلہ اپنی خالہ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے کہ سر شفیع کی والدہ اپنی بہو یعنی لیڈی سر شفیع اور دختر سر شفیع (بیگم شاہنواز) کو ساتھ لیے آپؒ کی طرف آئیں آپؒ نے دور سے ہی دیکھا تو پکار کر کہا "خالہ جان! لے جایئے ان دوسری چیزوں کو" اور آپؒ نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا اور نہ ہی آپؒ ان سے ملے آپ کی خالہ صاحبہ نے آپؒ سے کہا کہ آج کھانا یہیں کھالو۔ چنانچہ آپؒ نے خالہ صاحبہ کی دل جمعی کی خاطر ہمراہیوں سے کھانا وہیں کھا لینے کا ارشاد فرمایا۔ نیز حکم دیا کہ سر شفیع کے ڈرائینگ روم کا سب سامان صوفے وغیرہ باہر نکال دیے جائیں۔ ہم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی کر دیا گیا۔

اسی اثناء میں سر شفیع دفتر سے کوٹھی آئے اور سب سامان باہر لان میں نکلا پڑا دیکھ کر سخت حیران ہوئے گھر سے پوچھا تو پتہ چلا کہ سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔ جلدی جلدی سوٹ اتارا اور دوسرے کپڑے پہن کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے کسی سوال پر سر شفیع نے کہا "حضور! میں تو مسلمانوں کا بڑا خیر خواہ ہوں۔" یہ سننا تھا کہ آپ کو طیش آگیا آپؒ نے اس کی ٹوپی اُتار کر اس کے سر پر دے ماری (1) اور فرمایا "تمہارا کعبہ تو لندن ہے اور انگریز کا قانون تمہارا قرآن میں تو تب تمہیں مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھوں اگر تم قانون بناتے وقت قرآن شریف دیکھ کر اس کے مطابق قوانین مرتب کرو۔ کیا ہی لطف ہوتا۔ شریعت کے مطابق اتنی بڑی تمہاری داڑھی ہوتی۔ تم کونسل میں بیٹھے ہوتے اور غیر مسلمانوں پر تمہارا رعب ہوتا وہ بھی سمجھتے کہ ہاں! کونسل میں کوئی مسلمان بیٹھا ہے"۔

سر شفیع پر رقت طاری تھی اور وہ رو رہا تھا۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ وہاں سے چلے آئے۔ سر شفیع کا کہنا تھا "میں نے آج پچیس برس کے بعد زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے روٹی کھائی ہے۔"

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کہیں باہر جانے کے لیے لاہور اسٹیشن پر پہنچے۔ تو خوب گہما گہمی تھی۔ دیکھا کہ ریلوے اسٹیشن خوب سجایا گیا ہے۔ جھنڈیاں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے بنائے گئے ہیں اور خوب چہل پہل ہے۔ حضرت صاحب قبلہؒ

1۔ پچھلے صفحہ پر جو مذکور ہوا۔ سر شفیع کی بیوی اور لڑکی دونوں کی وضع قطع فرنگی طرز کی تھی۔ خود سر شفیع بھی اسی طرز کے ہوگئے تھے جسے آپ شریعت کے خلاف اور بہت برا سمجھتے تھے۔

...ٹ فارم سے گزر رہے تھے کہ سر شفیع اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ مل گیا اور حضور ...ے نہایت ادب کے ساتھ ملاقی ہوا۔ آپؒ نے پوچھا ''اسٹیشن دلہن کی طرح سجایا گیا ...ہ کیا بات ہے؟''

''ہمارا وائسرائے آرہا ہے حضور'' سر شفیع نے جواب دیا۔

یہ سننا تھا کہ آپؒ پر سکتہ طاری ہو گیا اور آپؒ رقت بھری آواز میں فرمانے لگے۔

''ہمارے بھی ایک وائسرائے ہیں'' اور فارسی کے یہ اشعار پڑھے۔

همه انبیاء در پناه تو اند   مقیم درِ بارگاه تو اند

تو مهر منیری همه اختر ند   تو سلطان ملکی همه چاکر ند

جب آپؒ نے یہ اشعار پڑھے تو عجیب عالم تھا۔ سر شفیع اس کے ہمراہی افسرو دیگر حضرت صاحب قبلہ کے ساتھیوں پر رقت طاری تھی اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ سبحان اللہ گرمی عشق رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)

درود شریف کے شماروں کا احترام

شرقپور شریف سے جنوب کی طرف پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور و معروف گاؤں فیض پور کلاں ہے۔ کسی زمانہ میں یہ گاؤں ایک بارونق قصبہ تھا۔ دریائے راوی کے کٹاؤ کے عمل کی وجہ سے یہ برباد ہوا۔ اب اس گاؤں کی دوتہائی آبادی دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو چکی ہے۔

اس گاؤں کے مشہور خاندان کا نمبردار چوہدری اللہ بخش ایک دفعہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد از ملاقات آپ مسجد میں

نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بھی آپؒ کے ہمراہ مسجد میں نماز کے لیے چلا آیا۔

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں بعد از نماز فجر اور نماز عشاء سے پیشتر ایک لمبی چادر پر اکھٹے بیٹھ کر کھجور کی گٹھلیوں پر درود شریف خضری پڑھا جاتا تھا۔ (جو آج تک اسی ترتیب سے جاری ہے) چنانچہ حضرت صاحب قبلہ اور دوسرے احباب کے ہمراہ چوہدری اللہ بخش بھی درود پاک پڑھنے لگا۔

چوہدری اللہ بخش بڑی لمبی پگڑی باندھا کرتا تھا اور اس کی بڑی پگڑی سارے علاقے میں مشہور تھی۔ درود شریف پڑھنے کے دوران میں چوہدری اللہ بخش نے کھجور کی گٹھلیوں (شماروں) کو ہاتھوں میں لے کر جہاں شمارے ختم ہو چکے تھے وہاں پھینکا۔ شماروں کو اس طرح پھینکتے دیکھ کر حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ بڑے کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا۔ ''چوہدری صاحب! آپ کی اس بڑی سی پگڑی کو آپ کے سر سے اُتار کر زور سے دور پھینکا جائے تو کیا آپ کو غصہ نہیں آئیگا۔'' جن شماروں پر درود پاک پڑھا جاتا ہے ان کی عزت کیا تمہاری پگڑی سے بھی کم ہے؟'' آپ کے اتنا فرمانے پر چوہدری اللہ بخش نہایت شرمندہ ہوئے اور انہوں نے آئندہ کے لیے توبہ کی۔ علاقے کے بڑے بوڑھے جانتے ہیں کہ چوہدری صاحب کی اس دن کے بعد کی زندگی نہایت زہد واتقا میں گزری ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی دنیادار بڑی شخصیت کی آمد کا علم ہوتا تو آپ اس کے آنے سے پیشتر ہی بیٹھک سے اٹھ

کر چلے جاتے اور اس کی آمد کے بعد تشریف لاتے یہ اس لیے کہ اس دنیادار کی تعظیم کے لیے آپؒ کو اٹھنا نہ پڑے۔ ایک دن ڈاکٹر محمد اقبال، سر محمد شفیع (مرحوم) جو میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خالہ زاد تھے کے ہمراہ شرقپور شریف حاضر ہوئے۔ آپؒ ان کے آنے سے پہلے ہی بیٹھک سے اٹھ گئے تھے ڈاکٹر صاحب آئے اور بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؒ نے ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہی فرمایا "اخاہ! آج ہمارے جیسا کون ہے جبکہ ہمارے ہاں خود "اقبال" (بمعنی عروج و ترقی) آ گیا ہے، اور پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے فرمایا۔ "ارے میاں! جاؤ حجام کو بلا لاؤ ہماری بھی داڑھی مونچھیں مونڈھ جائے ہمارے ہاں اقبال جو آ گیا ہے" اور آپؒ نے سر اقبال کی انگریزی وضع اور لباس پر سرزنش کی۔ ان باتوں کا ڈاکٹر صاحبؒ پر بڑا اثر ہوا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔

علامہ صاحبؒ نے درد بھرے انداز سے عرض کی "حضور! آپ عاشق رسول ہیں گناہوں سے نفرت ہونا چاہیے۔ گناہگار سے نہیں۔"

اس پر حضرت صاحب قبلہ میں نرمی آ گئی اور آپؒ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ بعد ازاں آپؒ نے علامہ صاحب کی خاطر تواضع کے ساتھ انہیں تلقین بھی کی۔

حضرت صاحبؒ سے ملاقات کے بعد علامہ صاحبؒ نے دنیاوی لہو و لعب ترک کر دیئے اور اکثر لوگوں نے انہیں کہتے سنا "میں بڑے بڑے فقیروں جابر اور پروقار شخصیتوں کے پاس پہنچا لیکن جو رعب و دبدبہ میں نے اس مرد قلندر میں دیکھا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔"

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند
آیا بودکہ گوشہ چشمے بما کنند
(حافظ شیرازیؒ)

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ھیں تقدیریں
جوھو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ھیں زنجیریں
(اقبالؒ)

فیضانِ نظر

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ 'کلید التوحید' میں ارشاد فرماتے ہیں ''مرشد کامل، طالب کو سرفراز کرنا چاہے تو ایک نظر میں اعلیٰ مراتب ومناصب پر پہنچادیتا ہے۔ اس کی ایک نظر کرشمہ اور اس کی توجہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مل جانے سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ اس کی ایک نظر سے خاک، سونا اور چاندی ہوجاتی ہے''

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ''درویش کی نظر سے دل بیدار ہو جاتا ہے اور فقیر کی نظر سے طالب روشن ضمیر اور اپنے نفس پر حاکم ہو جاتا ہے۔''

الحمد للہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو رب ذوالجلال نے ایسی نگاہ کیمیا صفت عطا فرمائی تھی کہ جس پر پڑ گئی خدا آشنا ہو گیا جس کسی کو حضورؒ نے نظر بھر کر دیکھا اس کی حالت غیر ہو گئی۔ بڑے بڑے نفس پرست اور بد باطن لوگ آپؒ کی نظر کرم سے صاف باطن نیک نفس اور پارسا بن گئے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سرہند شریف جانے کے لیے شرقپور شریف سے روانہ ہوئے اور لاہور اسٹیشن پر پہنچ کر سرہند شریف کے لیے ٹکٹیں خرید لی گئیں۔ جس پلیٹ فارم پر گاڑی کھڑی تھی آپؒ اس طرف چل پڑے۔ راستہ میں پلیٹ فارم پر ایک پچیس سالہ سکھ نوجوان کھڑا تھا۔ جس کی اچھی پوشاک اس کے ذوق جمالیات کی غماز تھی۔ انگریزی لباس اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اچھا خاصہ تعلیم

یافتہ ہے اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور دوسرا گھنی موچھوں کو بل دینے میں مصروف۔ غرور اور تمکنت اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ جب حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اس کے پاس سے گزرے تو دو قدم آگے جا کر آپؒ نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا اور واپس آ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے منہ پر پھیرے اور فرمایا "یہ شکل تو مسلمانوں جیسی ہے۔" اتنا کہہ کر آپؒ گاڑی میں جا بیٹھے اور وہ سکھ نوجوان آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سکھ نوجوان سکتہ کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر اس نے اپنا ٹکٹ نکالا اور کہنے لگا "کسی نے گوجرانوالہ جانا ہے؟" کوئی جواب نہ پا کر اس نے ٹکٹ ریل کی پٹڑی پر پھینک دیا اور تلاش کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس گاڑی میں جا بیٹھا۔ وہ خاموش تھا اور اس پر رقت طاری تھی آپؒ نے اسے کچھ نہ فرمایا بلکہ بابا مستری کرم دین (مرحوم) کو اشارہ کیا کہ وہ دوڑ کر اس کیلئے سرہند شریف کا ٹکٹ لے آئے۔ سرہند شریف پہنچنے تک اس کا یہی عالم رہا اور وہ بالکل خاموش رہا۔ سرہند شریف پہنچے تو سب دوستوں نے وضو کیا اور وہ سکھ نوجوان نہا کر ساتھ ہو لیا۔

جب حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری ہوئی تو وہ خوب رُو سکھ نوجوان حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پر مسلمان ہو کر بیعت ہوا۔ آپؒ نے مسکرا کر فرمایا "داڑھی تو تمہاری پہلے ہی ہے موچھیں ترشوا دو اور سر کے بال کانوں تک سنت کے مطابق رہنے دو۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ گھر والوں سے کچھ نہیں کہنا یعنی جھگڑا وغیرہ نہیں کرنا۔"

بعدازاں وہ نوجوان کئی دفعہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ کی نظرِ فیض رساں نے اسے اندھیرے اور پستی سے نکال کر اجالے اور بلندی پر لا کھڑا کیا۔ آپؒ کی نظرِ کرم سے وہ نیک، پارسا اور تہجد گزار بن گیا۔

سرہند شریف میں مسجد حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک حجرہ میں بابا علی محمد صاحب رہا کرتے تھے۔ انہیں کسی کامل شیخ کی جستجو تھی۔ جن کے دست حق پر بیعت کر کے سلوک کی منزلیں طے کریں اور انوار و تجلیات سے اپنے مضطرب دل کو تسکین دے سکیں۔ انہیں دنوں میدان تصوف کے شاہ سوار سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا بہت شہرہ تھا۔ آپؒ کے کمالات سن کر بابا علی محمد کو بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے کا شوق پیدا ہوا اور وہ موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سرہند شریف تشریف لے گئے اور خود ہی بابا علی محمد کے حجرہ میں چلے گئے۔ بابا علی محمد پر سرکار نے توجہ فرمائی اور فیض سے مالا مال کر دیا۔ بابا صاحب کا عجیب عالم تھا اور وجدانی کیفیت طاری تھی۔ لیکن بابا علی محمد کو معلوم نہیں تھا کہ قلب جاری کرنیوالے کون ہیں۔

تین چار ماہ کے بعد اپنی سابقہ جستجو اور شیخ کی تلاش میں وہ شرقپور شریف حاضر ہوئے تو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ یہ تو وہی صاحب ہیں جنہوں نے حجرہ میں کمال کرم نوازی فرما کر راہ حق سے روشناس کرایا تھا اور جب بیعت کے لیے عرض کی تو حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا ''حجرہ میں ملنے کے بعد بھی کسی بیعت کی ضرورت ہے؟''

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سرہند شریف حاضری کے

لیے گئے تو بابا علی محمد نے آپؒ کی خدمت میں کچھ رقم پیش کی اور کہا ''یہ رقم حج کے ارادہ سے جمع کی ہوئی ہے۔'' یہ سنکر سرکار نے فرمایا ''تم نے اتنی رقم جمع کیوں کی۔ یہاں رہ کر بھی ابھی تمہیں حج یاد ہے۔'' اور فرمایا ''یہ رقم مستحقین میں تقسیم کردو۔'' لہٰذا حسب الارشاد بابا علی محمد نے مذکورہ رقم غرباء میں تقسیم کردی۔

نظر جنہاں دی کیمیا.......

پنجاب کے 'ماجھے' میں کون شخص تھا جو قادر بخش ڈاکو کے نام سے واقف نہ ہو۔ آج بھی اس علاقے کے بڑے بوڑھے اس کی دلیرانہ ڈاکہ زنی کی وارداتوں کے افسانے دیہاتیوں کے جھرمٹ میں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ چار ڈاکوؤں کی ٹولی میں ''رائیاں'' ضلع لاہور کے اس نامور سپوت کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس ڈاکہ زن ٹولی میں اکثر میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی موضوع بحث بنی رہتی۔ یہ لوگ تبصرہ کرتے ہوئے اکثر کہتے کہ معلوم نہیں اس شخص کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے؟ جس سے یہ سینکڑوں مہمانوں کو ہر روز کھانا کھلانے کے علاوہ اتنی دریا دلی اور فیاضی سے مستحقین میں سخاوت کرتے ہیں۔ ان کے پاس ضرور کوئی خزانہ ہے۔'' آخر یہ فیصلہ ہوا کہ قادر بخش جو ان چاروں میں زیادہ سمجھدار، چالاک، بہادر اور نڈر تھا۔ وہاں جا کر اس بات کا سراغ لگائے کہ اتنی دولت کہاں سے آتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے مواقع کیسے میسر آسکتے ہیں۔ چنانچہ طے شدہ سکیم کے تحت قادر بخش شرقپور شریف میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر ایک مہمان کی حیثیت سے آپہنچا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ نووارد مہمانوں کے پاس خود تشریف لے جاتے اور اسکو پوچھتے۔ عادت کے مطابق آپؒ قادر بخش کے پاس بھی آ بیٹھے اور پیار سے پوچھا "کہاں سے تشریف لائے ہو اور کیا نام ہے آپ کا؟" اُس نے عرض کی "حضور! رائیاں ضلع لاہور کا رہنے والا ہوں اور قادر بخش نام ہے۔" یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے تین بار کہا "یا قادر! بخش! یا قادر! بخش! یا قادر! بخش۔"

اس کے بعد آپؒ نے دستر خوان بچھا کر کھانا رکھا اور اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر فرمایا۔ "اچھی طرح کھاتے چلے جاؤ۔ کام تمہارا تو شاید ممکن نہیں۔"

قادر بخش بڑا گرانڈیل، قوی الجثہ اور طویل القامت جوان تھا۔ وہ دس بارہ روٹیاں ایک ہی وقت کے کھانے میں کھا جاتا تھا۔ وہ آٹھ دن متواتر یہاں مقیم رہا۔ دولت وخزانے کے سراغ میں ہر چیز اور ہر جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیتا رہا لیکن یہ تو وہ دولت تھی جسے نہ چوروں کا خدشہ، نہ راہزن کا ڈر یہ تو قدرت کے عطا کردہ پر اسرار خزانے تھے جن تک پہنچنا قادر بخش کے بس کا روگ نہیں تھا بلکہ بڑے بڑوں کی نظریں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں نہ پہنچ سکیں۔

آخر اتنے دنوں کے بعد قادر بخش (1) حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے

1۔ پچھلے صفحہ پر ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ بڑا طاقت ور آدمی تھا اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ حضرت صاحب قبلہؒ کے وصال کے بعد جبکہ مزار شریف والے کنویں کا "پڑانہ" بن رہا تھا اور لوگ آس پاس سے مٹی اُٹھا اُٹھا کر وہاں پھینک رہے تھے تو ان مٹی اُٹھانے والوں میں میاں قادر بخش بھی شامل تھا۔ اس وقت بھی اس کی جسمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ یہ دو گدھوں کے برابر وزن (جتنا وزن عام گدھے اُٹھاتے ہیں) اُٹھاتا تھا اور اس پر تکرار کرتا تھا کہ مٹی ابھی کم ہے۔

اجازت لے کر روانہ ہونے لگا تو آپ نے تھوڑی سی چپاتیوں میں کچھ سالن لپیٹ کر اس کو باندھ دیں اور قصبہ کے باہر "شیخانیوں" کے کنویں تک اسے چھوڑنے گئے اور واپس آتے وقت اسے فرمایا "ذرا خیال سے جانا۔" اور قادر بخش اپنے گاؤں روانہ ہوگیا۔

شرقپور شریف سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا درختوں کا ذخیرہ (جنگل) ہے اس میں ایک نہر بہتی ہے۔ جب قادر بخش اس نہر کے پار پہنچا تو بے ساختہ اس کی زبان پر ذکر الٰہی جاری ہوگیا اور وہ وجدانی کیفیت سے دوچار ہوا کپڑے پھاڑ ڈالے اور اِدھر اُدھر دوڑنے لگا آخر کار بیہوش ہو کر گر پڑا۔

چوبیس گھنٹے بے سدھ پڑا رہنے کے بعد آخر اس کے حواس کچھ درست ہوئے تو اپنے جسم پر نگاہ پڑی تو دیکھا کپڑے پھٹ جانے کی وجہ سے برہنہ ہوگیا ہے اور جسم پر خراشیں آگئی ہیں اور خون رس رہا ہے۔ اس نے اپنے پھٹے ہوئے پیراہن کی بکھری ہوئی دھجیاں اکٹھی کر کے اپنے جسم کے خاص خاص حصوں کو ڈھانپا اور واپس شرقپور شریف چل پڑا۔ چیتھڑوں میں لپٹا ہوا یہ گرد آلود جوان جب نیم بیہوشی کی حالت میں شرقپور شریف پہنچا تو اس نے حضرت صاحب قبلہؒ کو گلی کے سرے پر پہلے ہی منتظر پایا۔ اس کو دیکھ کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا "تم تو بڑے نڈر اور بہادر تھے۔ میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ ذرا دھیان سے جانا۔ تم تو تھوڑا سا بھی برداشت نہ کر سکے۔" آپ اسے اندر بیٹھک میں لے آئے اور اندر سے اجلے کپڑے لا کر اسے پہنائے۔ بعد ازاں آپؒ نے اسے نماز ادا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور ساتھ ہی کہا "پہلے تو قادر بخش ڈاکو تھا اب میاں قادر بخش ہو۔" آپ کہتے تھے اب جاؤ تو وہ متواتر روئے

چلا رہا تھا اور ہاتھ جوڑ کر کہتا تھا ''حضور! اب میں جانے کے قابل نہیں رہا۔''

تاہم آپؒ نے اسے توبہ کرائی اور فرائض کی انجام دہی اور ذکر کی تلقین کرتے ہوئے اسے واپس گاؤں بھیج دیا۔ وہاں اسکے پرانے ساتھیوں نے اس مشن کے متعلق پوچھا جس پر اس کو بھیجا گیا تھا تو قادر بخش کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے روتے ہوئے کہا ''وہاں سے آنے کے بعد اب میں تمہارے قابل نہیں رہا۔''

کہتے ہیں کچھ دنوں بعد اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے اُن ساتھیوں نے بھی بری باتوں سے توبہ کرلی۔ قادر بخش اب قادر بخش نہ تھا بلکہ علاقہ بھر میں میاں قادر بخش کے نام سے مشہور تھا۔

وہ نہ صرف پابند صوم وصلوٰۃ تھا بلکہ تہجد کی اذان دیا کرتا اور لوگ اسکی تبلیغ اور اس کے کردار سے متاثر ہو کر اسکے ہمراہ نماز تہجد با جماعت ادا کیا کرتے۔

قادر بخش اکثر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس شرقپور شریف آیا کرتا۔ ایک دن اس نے عرض کی ''حضور! اب میں کیا کام کروں۔'' آپؒ نے فرمایا ''کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرنا۔'' حضور کے اس ارشاد سے وہ بڑا پریشان ہوا اور دل میں کہنے لگا ''میں تو بالکل ہی اَن پڑھ ہوں۔ کچھ نہیں جانتا۔ یہ بات کیسے چلے گی'' کچھ دن پھر اس نے آپؒ کی خدمت میں عرض کی۔ ''حضور! اب میں کیا کام کروں۔''

آپؒ نے ارشاد فرمایا ''کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرنا۔''

دن ایسے ہی گزرتے گئے۔ ایک دن قادر بخش گاؤں میں ایک پنساری کی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک بڑا زمیندار سکھ جس کا نام (اچھی طرح یاد نہیں رہا غالباً سندر سنگھ تھا) آرہا تھا اسے آتے دیکھ کر میاں قادر بخش کہنے لگا۔ ''تیری بیوی

ایک عرصہ سے بعارضہ تپ دق بیمار ہے اور تم نے بڑے علاج کیے ہیں۔ کیا میں بھی اس کا علاج کروں؟"

یہ سن کر وہ سکھ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ حکیم تو ہے نہیں ازراہ مذاق کہا "بڑی خوشی سے کرو میاں!"

قادر بخش نے کہا "میں اس کا علاج کروں گا اور اسے آرام ہو جانے کے بعد ایک بھینس اعلیٰ قسم کی، ایک گھوڑی بہت اچھی نسل کی اور ایک سو روپیہ لوں گا۔"

اور سکھ زمیندار نے منظور کر لیا۔

میاں قادر بخش نے اس ہندو پنساری جس کی دوکان پر وہ بیٹھا ہوا تھا سے کہا "لالہ! لکھو نسخہ" اور چند ایک معمولی قسم کی چیزیں از قسم عناب، لسوڑیاں وغیرہ لکھوا دیں۔ یہ نسخہ سن کر وہ سکھ اور پنساری ہندو خوب ہنسے اور خوب مذاق اڑایا۔ لیکن میاں قادر بخش نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا "ارے سندر سنگھ! تم نے بڑی تعداد میں بڑے قیمتی علاج کیے ہیں۔ میرے اس معمولی علاج سے تیری بیوی مر نہیں جائیگی۔ تین یوم کر کے دیکھ لو۔ اگر میرا اللہ شفا دے دے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔"

یہ باتیں سن کر سندر سنگھ نے نسخہ لے لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں حرج بھی کیا ہے علاج شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت! اس کی بیوی کو بتدریج افاقہ ہونے لگا۔ قریباً ایک ماہ بعد وہی چارپائی سے لگی ہوئی نحیف ونزار مریضہ خود چل کر میاں قادر بخش کے پاس آئی اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا "میاں! چلو ہمارے بیلے میں اور اپنی حسب منشا ایک بھینس اور ایک گھوڑی لے لو۔" میاں قادر بخش ان کے ہمراہ بھینسوں کے گلہ میں پہنچا وہاں بڑی تعداد میں اچھی اچھی بھینسیں کھڑی تھیں اور چار عدد

[اعلیٰ] نسل کی گھوڑیاں۔ان میں سے میاں قادر بخش نے اپنی پسند کی ایک بھینس اور ایک گھوڑی لے لی اس کے بعد اس سکھ زمیندار نے مبلغ یک صدروپیہ پیش کرتے ہوئے کہا ''میاں جی! یہ سو روپیہ، بھینس اور گھوڑی تو آپ کا مانگا ہوا حق تھا اور اب ہم اپنی طرف سے ایک بھینس، ایک گھوڑی اور پانصد روپیہ آپ کی نذر کرتے ہیں۔''
لیکن میاں قادر بخش نے انکار کرتے ہوئے کہا ''میں نے جو کچھ کہا تھا۔لے لیا ہے اس کے علاوہ ایک پائی بھی زائد نہیں لوں گا۔''

بس پھر کیا تھا میاں قادر بخش ایک حکیم کی حیثیت سے سارے ''ماجھے'' میں مشہور ہو گئے اور اُن کے دروازے پر ہر وقت مریضوں کی بھیڑ رہنے لگی۔میاں قادر بخش نے جس مریض کا علاج کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی جس بیمار کے معالجہ کے لیے وہ جاتا تھا جو کچھ لینا ہوتا تھا پہلے ہی طے کر لیا کرتا تھا اس علاقے کے، اس زمانے کے لوگ جو ابھی بقید حیات ہیں سب میاں قادر بخش کے واقعات سے واقف ہیں اور آج بھی دست شفا رکھنے والے حکیم کی حیثیت سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی ذات کو جانتی ہے۔

ایک دفعہ قادر بخش ماجھے (۱) کے ایک گاؤں ''ستوکی'' گیا ہوا تھا۔ستوکی کے باشندوں کی اکثریت غیر مقلد وہابیوں پر مشتمل تھی۔اسی دن جبکہ قادر بخش بھی وہاں گیا ہوا تھا۔مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد وہابی فرقہ کے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے عبدالستار کی کتاب پڑھ رہے تھے اسی دوران میں میاں قادر بخش جو مسجد کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور جس کے علاقے کے سبھی فرقوں کے لوگ عزت وتوقیر کرتے تھے باہر نکل آیا

---

(۱) لاہور کے نزدیک مخصوص علاقے کا نام جس کے لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔

اور کہنے لگا "میں بھی تمہیں کچھ سناؤں؟" سب وہاں خوش ہو کر کہنے لگے "میاں ضرور سناؤ۔" میاں قادر بخش نے نہایت پرسوز اور درد بھرے لہجہ میں پنجابی زبان میں کہا۔ "نہیں ہیگا اے سارا جہان! میرے پیر دے نونہہ ورگا۔"

وہ تو یہ کہہ کر اندر چلا گیا اور عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اس کے درد بھرے الفاظ جادو بن کر لوگوں کے دلوں پر چھا گئے۔ سب پر رقت طاری تھی اور وہ رو رو کر رہے تھے کہ اس چھوٹے سے فقرے سے دلوں کو وہ سرور حاصل ہوا ہے جو بڑی بڑی کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ عشق و محبت اور پیار و الفت کی بات ہی اور ہے اور پھر...... دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی جن کمالات کی حامل تھی وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ جن پر ایک نظر ڈال دی وہ بھی منبع فیوضات بن گئے اور ایک دنیا ہے کہ ان سے فیض حاصل کر رہی ہے۔

؎ نظر جنہاں دی کیمیا سونا کردے وٹ۔

میاں قادر بخش اکثر حضور کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کی طبیعت جتنی شدت سے برائیوں کی طرف راغب تھی اب اتنی شدت سے ہی نیکیوں کی طرف بھی مائل ہو گئی تھی۔ وہ خوب دل لگا کر ذکر و فکر میں محو رہتا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی طرف خصوصی توجہ فرمایا کرتے۔ اس لیے اس کی طبیعت زوروں پر تھی ادھر حضرت صاحب قبلہ کی توجہ خصوصی ادھر اس کی طبیعت کا میلان۔ خوب رنگ چڑھا۔ میرے والد صاحب سے میاں قادر بخش کے خاصے دوستانہ مراسم تھے وہ اکثر ان کے پاس دکان پر آتا تھا۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ اُس کی آنکھیں ہر وقت سرخ اور پرنم رہا

کرتیں وہ اکثر منہ پر کپڑا اڈالے رہتا۔ اس کا دیکھنا ہی عجیب کیف آگیں تھا اور اس کا وجود زبان حال سے پکارا کرتا۔

دوھری ھیں مستیاں میری ھر بادہ خوار سے
اک جام مے سے پیتا ھوں اک چشم یار سے

شیخ ہو تو ایسا

ایک بزرگ حاجی محمد عبداللہ لاہور کے رہنے والے تھے۔ قادریہ اور نقشبندیہ دونوں سلاسل میں ان کی بیعت تھی بلکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں صاحب اجازت بھی تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار، عابد اور صاحب دل تھے اور لاہور ہائی کورٹ میں کلرک کی حیثیت سے ملازم تھے۔

ناچیز کے والد بزرگوار سے ان کی گہری دوستی تھی وہ فرماتے ہیں حاجی صاحب موصوف شب بیدار اور ذکر اذکار کرنیوالے تھے۔ ذکر و فکر میں ان کی محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دفتری کارروائی لکھتے لکھتے دو صفحے اسم ذات لکھ دیے متعصب ہندوؤں نے وہ کاغذ لے جا کر ہائی کورٹ کے جج شادی لال کے روبرو پیش کر دیے اور کہا۔

''دیکھئے جناب! اس آدمی کے سرکاری کام میں بھی مذہبی جذبات کا دخل ہے کیا یہ آدمی دفتر میں کام کرنے کے قابل ہے؟'' یہ سن کر شادی لال جج نے حاجی محمد عبداللہ صاحب کو بلا کر پوچھا۔ ''محمد عبداللہ یہ تم نے لکھا ہے؟'' حاجی صاحب نے اس وقت ابھی حج نہیں کیا تھا۔ حاجی صاحب پہلے تو خاموش رہے پھر جواب دیا۔ ''جناب! مجھ سے ہی لکھا گیا ہوگا۔'' شادی لال نے پوچھا ''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''کلرک ہوں'' حاجی صاحب نے جواب دیا۔

شادی لال کہنے لگا ''آج سے میں آپ کو ہیڈ کلرک کرتا ہوں۔'' اور دوسرے ہندوؤں کو جواب دیا۔ ''ارے! تم کہتے ہو ایسا شخص کام کے قابل نہیں۔ میں کہتا ہوں دنیا ایسے انسانوں کے سہارے ہی تو قائم ہے۔'' حاجی صاحب مرحوم ساٹھ برس کی عمر میں بھی مولانا اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے پاس عربی علوم پڑھنے کے لیے ہر روز جایا کرتے تھے۔ ایک دن حاجی صاحب (مرحوم) مولانا روحی صاحب کے پاس سبق پڑھنے گئے ہوئے تھے تو حاجی صاحب نے مولانا صاحب سے کہا۔

''آج ذرا جلدی پڑھا دیجئے۔'' مولانا صاحب نے پوچھا ''کیوں! آج کیا بات ہے؟'' حاجی صاحب نے جواب دیا ''میں اکثر شرقپور شریف جایا کرتا ہوں اور آج مجھے وہاں جانا ہے۔''

روحی صاحب کہنے لگے ''ہاں یار! میں نے بھی سنا ہے کہ وہاں ایک بزرگ میاں صاحب ہیں لیکن حاجی صاحب یہ لوگ ایسے ہی پیر بنے ہوئے ہیں یہ محض ڈھونگ ہوتا ہے۔ اصل میں بات کچھ نہیں ہوتی۔''

حاجی صاحب نے کہا ''آپ کے خیالات آپ کو مبارک۔ مجھے تو جانا ہے۔ سبق پڑھا دیجئے۔'' مولانا روحی صاحب سبق بھی پڑھاتے رہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے رہے ''یہ بزرگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ یوں ہوتے ہیں۔ یہ ایسا کرتے ہیں۔''

سبق پڑھا چکنے کے بعد مولانا روحی صاحب نے کہا ''بھئی حاجی صاحب ہم بھی آج تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔'' چنانچہ ۹ بجے کے قریب لاہور سے ڈاک لے جانے والی ٹم ٹم پر سوار ہو کر یہ دونوں حضرات شرقپور شریف آ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مہمانوں کو کھانا کھلا چکنے کے بعد اپنی ڈیوڑھی پر کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈال رہے تھے۔ یہ دونوں بزرگ علیک سلیک کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے پاس ہی کھڑے ہو گئے آپؒ نے اندر چل کر بیٹھنے کو کہا لیکن وہ وہیں کھڑے رہے اور حضرت صاحب کتوں کو نہایت انہماک سے روٹی کے ٹکڑے ڈالتے رہے۔ اسی دوران یوں ہوا کہ ایک نحیف ونزار کتیا کے آگے آپؒ نے روٹی کا ایک ٹکڑہ پھینکا تو ایک بھاری بھر کم طاقتور کتا بھونک کر اس پر جھپٹا اور اس نے کتیا سے ٹکڑہ چھین لیا یہ دیکھ کر سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھوڑا سا مسکرائے اور فرمایا ''نہ بھئی اس طرح تو نہیں کرنا چاہیے۔''

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس طاقتور کتے نے روٹی کا وہی ٹکڑا اس کتیا کے آگے ڈال دیا اور اسکے گرد پہرہ دینے لگا اور وہ کتا اس وقت تک پہرہ دیتا رہا جب تک کہ آپؒ نے اس لاغر کتیا کو اچھی طرح نہیں کھلا لیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ مولانا اصغر علی صاحب حضرت صاحب قبلہؒ کے قدموں میں گر پڑے اور اونچی آواز میں پکار کر کہنے لگے ''شیخ ہو تو ایسا مجھے ایسا پیر ہی درکار تھا۔''

مندرجہ بالا واقعہ کے بعد مولانا روحی اکثر شرقپور شریف حاضر ہوتے رہے اور آپؒ سے بیعت کرنے کے لیے عرض کرتے رہے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ عموماً فرمایا کرتے تھے ''مرید کے لبوں سے یہ بات نہ نکلے کہ میں فلاں پیر کا مرید ہوں بلکہ اس کے افعال یہ پکار پکار کر کہیں کہ یہ فلاں شخص کا مرید ہے۔''

مولانا صاحب کے پیہم اصرار پر ایک دن حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا ''مولانا! میرے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے ایک سبق بتایا تھا۔ اتنی عمر

ہو گئی۔ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آج تک وہ سبق اچھی طرح یاد نہیں کر سکا۔ آیئے! میں آپؒ کو وہ سبق بتاتا ہوں۔ میں اور آپؒ آمنے سامنے بیٹھ کر اس کا ''دور'' کرتے ہیں۔ شاید آپؒ کی طفیل مجھے بھی یاد ہو جائے۔''

ایک دن مولانا موصوف ایک نوجوان (ا) لڑکے کو ہمراہ لے کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''حضور! لڑکا دہریہ ہے۔ اس کی طرف توجہ فرمایئے۔ میں تو سمجھا سمجھا کر عاجز آ گیا ہوں۔'' آپ نے بظاہر تو اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور مولانا روحی مرحوم سے کہا ''اسے کچھ نہ کہا کیجئے۔'' اور انہیں واپسی کی اجازت دے دی۔ چند دن کے بعد مولانا پھر حاضر ہوئے اور عرض کی ''اب وہ لڑکا بالکل ٹھیک ہو گیا ہے اور میں بہت خوش ہوں۔'' آپ مسکرا دیئے۔

اس کے بعد وہ لڑکا حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں اکثر آتا رہا۔

لاہور میں ایک حکیم محمد یوسف رہا کرتے تھے وہ میاں صاحبؒ کے عقیدتمندوں میں سے تھے اور ریلوے کے محکمہ میں ملازم تھے ان کے ایک گزٹیڈ آفیسر جو غیر عقیدہ تھے اکثر ان سے اولیاء اللہ سے حصول فیضان کے متعلق بحث مباحثہ میں مشغول رہتے کوئی گیارہ بارہ برس کے بعد آخر حکیم صاحب نے اپنے ان افسر صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ ایک دفعہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دیں۔

ایک دن حکیم صاحب ان کو ہمراہ لے کر شرقپور شریف آپؒ کی خدمت میں آ پہنچے۔ آپؒ بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ آپؒ سے ملے تو حضور نے پوچھا ''کیا نام

ا غالباً وہ لڑکا مولانا صاحب مذکور کا اپنا صاحبزادہ تھا جو بعد میں فوت ہو گیا تھا۔

ہے؟ انہوں نے نام بتایا۔ آپؒ نے یہ کہہ کر کہ اتنا بڑا نام ہے اور یہ کیا بنا رکھا ہے۔" (ان صاحب کی داڑھی مونچھ سرے سے صفا تھی) آپؒ نے ان کے سر سے ہیٹ اتار لیا اور پیٹنا شروع کر دیا۔ انہیں نیچے گرا لیا اور خود اوپر چڑھ بیٹھے۔ آپؒ نے اسے خوب مارا۔

اس مار پیٹ کو دیکھتے ہوئے حکیم محمد یوسف صاحب جو کہ ان کے ماتحت تھے اور اتنے عرصہ کی تگ و دو اور جدوجہد کے بعد اس افسر کو اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوئے تھے اپنے دل میں بہت پریشان ہوئے اور دل ہی دل میں کہنے لگے۔ "عجیب بات ہے میں انہیں کس طرح لایا ہوں اور ان کی یہاں کیا درگت بنی ہے"۔ وہ دل میں ابھی یہ باتیں سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت صاحب قبلہؒ نے حکیم صاحب کی طرف دیکھا اور فرمایا "ایسے بُرے لوگ انہیں اپنا رازق سمجھتے ہیں۔" اور ان افسر صاحب کو جنہیں آپؒ نے چھوڑ دیا تھا پھر پکڑ کر پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ افسر خاموش تھے اور رو رہے تھے۔

اچھی طرح مار چکنے کے بعد آپؒ نے انہیں کھانا کھلایا اور کمال شفقت و مہربانی سے تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا "آج رات تم یہاں ہی رہو۔" انہوں نے معذرت کے ساتھ عرض کی۔ "حضور! ہمیں ضروری کام ہیں اور ہم نے جانا ہے اس لیے اجازت دیجئے" اور آپؒ نے انہیں واپسی کی اجازت دے دی۔

شرقپور شریف میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی حاضری کے بعد جب کبھی بھی حکیم محمد یوسف صاحب اپنے ان افسر صاحب کے کمرہ میں جاتے تو وہ ادب کی وجہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے "حکیم صاحب! دراصل تم میرے راہنما ہو جو مجھے سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے جہاں کہ میری کایا پلٹ دی

گئی۔" ریٹائرڈمنٹ کے بعد بھی حکیم صاحب کو وہ صاحب بوقت ملاقات اسی نیاز مندانہ طریق پر ہی ملتے رہے اور لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ صاحب پکے نمازی اور تہجد گزار ہو گئے تھے اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف پڑھتے رہنا اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا ان کا معمول ہو گیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے واقعی سچ کہا ہے

"نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

نگاہ سے تو نے جسے.....

قصور شہر میں ایک ہندو تھا جس کا نام بوٹا مل کھتری تھا۔ بیس پچیس سال کے لگ بھگ اسکی عمر تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کسی امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا لیکن اس دنیا میں کس کو بقا ہے امیر کو غریب ہوتے اور غریب کو امیر ہوتے کتنی دیر لگتی ہے۔ امیرانہ ٹھاٹھ دیکھنے کے بعد جب غریبی نے آ دبوچا تو اسے جوئے کی لت پڑ گئی وہ کسی وقت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوتا تو کسی وقت سونے سے لدا ہوتا۔ دسوں انگلیوں میں انگوٹھیاں اور چھلے ہوتے۔ گلے میں طلائی ہار اور بیش قیمت زیور ہوتا۔ حریر و اطلس کے کپڑے پہن کر امیرانہ شان کا مظہر ہوتا۔ جیتا ہوا بوٹا مل راجہ ہوتا تو ہارا ہوا یہ جواری فقیر بنا ہوا دکھائی دیتا۔ صوفی ابراہیم صاحب قصوری (مرحوم و مغفور) کو اس سے بہت محبت تھی۔

ایک دن صوفی صاحب مرحوم بیٹھے ہوئے تھے کہ بوٹا مل آ گیا اور کہنے لگا "صوفی صاحب لاہور میں شالا مار باغ کا میلہ لگ رہا ہے مجھے وہاں لے چلیں۔" بہ تقاضائے محبت و دوستی صوفی صاحب میلہ دکھانے کے لیے بوٹا مل کے ہمراہ لاہور چلے

آئے۔شالامار باغ گئے اور سارا دن میلہ میں رہے وہاں صوفی صاحب کو تجسس ہوا کہ اس میلہ کے منعقد ہونے کی حقیقت کیا ہے یہ کیوں لگتا ہے آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی باغ سے باہر نکلے تو 'مادھولال حُسین' (۱) صاحب کے مزار پر آ نکلے۔وہاں آ کر معلوم ہوا کہ مادھولال حسین صاحب ہی ہیں کہ جن سے یہ میلہ منسوب ہے۔رات کافی گزر چکی ہے۔صوفی صاحب نے فرمایا ''چلو! کہیں رات بسر کریں۔'' صوفی صاحب بوٹا مل کو ساتھ لے کر رات بسر کرنے کی غرض سے ''بڑے میاں درس'' چلے آئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سرکار میاں صاحب شرقپوری تشریف فرما ہیں۔حضرت صاحب قبلہؒ نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا۔صوفی صاحب بھی مسکرا کر بیٹھ گئے آپؒ نے ارشاد فرمایا ''صوفی صاحب کیسے اور کدھر آنا ہوا؟'' ''حضور! بوٹا مل کو شالامار باغ کا میلہ دکھانے آیا تھا'' صوفی صاحب نے عرض کی۔''اچھا! بہت میلہ دیکھا ہے''؟ آپ نے پوچھا۔صوفی صاحب خاموش رہے۔حضور نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔''اتنا میلہ دیکھا ہے کہیں ربّ بھی دیکھا ہے؟'' صوفی صاحب تو خاموش رہے لیکن بوٹا مل بول اٹھا ''حضور میں نے رب دیکھا ہے۔'' حضرت صاحب قبلہ ہنس پڑے اور فرمایا ''عشقے اوئے! مینوں وی دس۔''

وہ دوڑ کر حضرت صاحب سے لپٹ گیا اور کہا ''یہ ہے ربّ۔یہ ہے ربّ۔میں نے تو ڈھونڈ لیا ہے۔آپ خاموش ہو گئے اور بوٹا مل باہر آ گیا اور اسے قے ہو گئی۔وہ

۱؎ شاہ حسینؒ نے ۹۴۵ ہجری میں لاہور کے ٹکسالی دروازہ کے ایک محلہ میں جنم لیا۔آپ کے دادا کلجس رائے تھے جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔آپ کے والد کا نام شیخ عثمان تھا جو پارچہ بافی کا کام کرتے تھے ٹکسالی دروازہ کی بڑی مسجد میں مولوی ابوبکر صاحب کی شاگردی (باقی اگلے صفحہ پر)

آسمان کی طرف سر اُٹھا اُٹھا کر کہنے لگا۔ رب ارنی۔ رب ارنی۔ رب ارنی۔ اس نے ایسا کرتے ہی ساری رات گزاری دی۔ صبح آپؒ نے صوفی صاحب سے فرمایا ''اسے قصور لے جاؤ۔'' صوفی صاحب اسے قصور لے گئے۔ وہاں جا کر جب تک جیا آسمان کی طرف سر اُٹھا اُٹھا کر رب ارنی ہی کہتا رہا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ میرے والد صاحب و دیگر چند ایک احباب کی معیت میں باہر قبرستان سے واپس تشریف لا رہے تھے تو دیکھا کہ ملکانے دروازے کے باہر ایک کار کھڑی ہے۔ چلتے چلتے والد صاحب نے کار کے ڈرائیور مسمی محمد اکرم (جو بعد میں فریضہ حج ادا کر کے حاجی محمد اکرم بن گئے ہیں اور گوجرانوالہ میں بقید حیات ہیں) سے پوچھا کہ کار کس کی ہے؟ اس نے کہا۔ ''ڈی۔ سی شیخوپورہ کی۔''

حضرت صاحب قبلہؒ جب بیٹھک پہنچے تو بڑی بڑی مونچھوں والا ایک آدمی بیٹھا پایا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھ کر وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے آپؒ سے مصافحہ کیا۔ آپؒ نے پوچھا ''کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے؟''

اس نے عرض کی ''جناب! میں شیخوپورہ میں ضلع کا ڈی۔ سی ہوں اور نواب

لے (بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) میں قرآن کریم حفظ کیا۔ ایک دفعہ ایک صوفی درویش حضرت شیخ بہلول دریائی آپ کے اُستاد سے ملاقات کے لیے آئے۔ انھوں نے آپ کے چہرے سے ہی آپ کی بزرگی کے آثار دیکھ لیے۔ کلام پاک پڑھ کر آپ پر پھونک ماری۔ جس سے آپ کا حافظہ تیز ہو گیا۔ آپ کی عمر دس سال کی ہی تھی کہ رمضان المبارک کے مہینے میں نماز تراویح پڑھائیں۔ صرف ستائیس دن میں پورا قرآن کریم سنا دیا۔ آپ کے مرشد کامل جاتی دفعہ (رخصتی پر) آپ کو حضرت داتا گنج بخش صاحب کے مزار پر باقاعدہ حاضری کی تلقین فرما گئے۔ چنانچہ آپ نے مزار حضرت داتا صاحبؒ پر اپنی حاضری معمول بنا لیا۔ چھتیس سال کٹھن عبادت کرتے رہے۔ تمام رات دریائے راوی کے کنارے عبادت کرتے اور صبح ہوتے ہی دربار داتا صاحب تشریف لے جاتے۔ وہیں نماز فجر ادا کرتے۔ نماز عصر و مغرب کے درمیانی وقفہ میں درود وظیفہ پڑھتے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طالب مہدی خاں میرا نام ہے۔'' آپؒ کو جوش آ گیا۔ آپؒ نے اس کی لمبی لمبی مونچھیں مضبوطی سے پکڑ کر کھینچیں اور فرمایا ''اتنا بڑا نام اور یہ کیا بنا رکھا ہے؟'' اور اس کی مونچھوں کے کئی بال جڑوں سے اکھڑ کر آپؒ کے ہاتھوں میں آ رہے اس کی حالت غیر ہوگئی اور آپؒ گھر کے اندر چلے گئے۔ آپؒ جب گھر سے واپس بیٹھک میں تشریف لائے تو طالب مہدی خاں سے پوچھا ''کیسے آئے ہو؟'' اس نے کہا ''حضور! عمر بڑی ہوگئی ہے۔ کوئی ساٹھ برس کے قریب۔ لیکن آنکھیں لڑکے کے لیے ترس رہی ہیں۔'' آپؒ نے یہ سن کر غصہ اور جوش کے ملے جلے لہجے میں فرمایا ''میں لڑکے بانٹتا ہوں یا میں نے لڑکوں کی دوکان کھول رکھی ہے۔'' اس نے بڑی منت اور لجاجت سے کہا ''سرکار! میں تو بڑی امیدیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

آپؒ نے فرمایا ''میں نے کوئی اشتہار تو نہیں دیا تھا۔'' اس کے بعد آپؒ نے اسے کھانا کھلایا اور نہایت شفقت و مہربانی فرماتے رہے۔ کھانا کھلا چکنے پر آپؒ نے کمال مشفقانہ لہجے میں فرمایا ''نماز پڑھا کرو اور نماز کے بعد 'اسکو' (اللہ کو) کہنا وہ بڑی قدرتوں والا مہربان ہے۔'' اور اسے اجازت دے کر رخصت کر دیا۔

ا (بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) نماز مغرب سے نماز عشاء تک نوافل ادا کرتے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ مشہور عالم جناب سعد اللہ سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیت ''دنیا ایک کھیل کود کے سوا کچھ نہیں'' پڑھی تو آپ پر مجذوبیت طاری ہوگئی۔ وجدانی حالت میں مکتب سے باہر نکل آئے جب آپ کے روحانی مرشد حضرت بہلول دریائی کو آپ کی کیفیت کا علم ہوا تو انہوں نے نماز میں تمام قرآن سنانے کا حکم دیا۔ مرشد کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ ''الم نشرح لک صدرک'' کا پڑھنا تھا کہ آپ پر پوری طرح مجذوبیت چھا گئی۔
ایک دفعہ آپ مجذوبیت کے عالم میں دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک خوش شکل برہمن لڑکا مادھو نامی گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا۔ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگئے وہ شاہدرہ میں رہتا تھا اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا۔ اس کی الفت میں چند دن شاہدرہ میں ہی قیام کیا۔ آہستہ آہستہ مادھو کو بھی آپ سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے اور حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا فیضان نظر۔ پورے نو ماہ کے بعد نواب طالب مہدی خاں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ لیکن چھ ماہ بعد لڑکا چل بسا۔ دوبارہ پھر وہ اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لیے عرض کی۔ حضور نے فرمایا ''اسی'' کو کہنا۔ وہ طاقتوں والا ہے اس کے ہاں کوئی کمی ہے؟ جیسے پہلے دیا تھا وہ اب بھی عطا کر دے گا۔'' اور وہ چلے گئے۔

حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر لڑکا عطا فرمایا۔ وہ دونوں میاں بیوی اس بچے کو لے کر حضرت ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی

ا (بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) اُنس ہو گیا۔ پھر دونوں اس مقام تک جا پہنچے جہاں شاہ حسین، حسین اور مادھو، مادھو نہ رہا۔ دونوں قالب یکجان ہو گئے۔ عشق مجاز نے عشق حقیقی کی راہ دکھائی۔

ایک دفعہ مادھو کے والدین نے ہردوار اشنان کے لیے جانا تھا۔ انہوں نے مادھو کو ساتھ لے جانا چاہا لیکن آپ نے اس کی جدائی کو مد نظر رکھ کر جانے کی اجازت نہ دی مادھو کے والدین نے بھی مجذوب کے جذبات کا احترام کیا۔ مادھو کو چھوڑ کر ہردوار چلے گئے۔ ایک دن حضرت نے مادھو کو اداس دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میرے پاؤں پر پاؤں رکھ کر آنکھیں بند کر لو جب مادھو نے آنکھیں بند کر لیں تو اپنے آپ کو والدین کے ہمراہ اشنان کرتے ہوئے پایا۔ آنکھیں کھولیں تو شاہ حسین کے پاس تھا۔ ایک مدت کے بعد جب مادھو کے والدین واپس آ گئے تو انہوں نے اقرار کر لیا کہ مادھو ہردوار میں ہمارے ساتھ اشنان کر رہا تھا۔ مادھو نے جب یہ کرامت دیکھی تو مسلمان ہو گیا۔

شاہ حسین جب ۱۰۰۸ھ میں بعمر ۶۳ سال رب خالق حقیقی سے جا ملے تو آپ کو دریائے راوی کے کنارے دفن کیا گیا اس وقت راوی شاہی قلعہ لاہور کے ساتھ بہتا تھا۔ جب دریا نے اپنا رخ تبدیل کیا تو آپ کی قبر کا تعویذ ننگا ہو گیا جس وجہ سے آپ کے جسم کو وہاں سے نکال کر باغبانپورہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔

آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے آپ کو ''شیخ'' فقیر ہونے کے سبب شاہ اور مادھو سے پیار ہونے کی وجہ سے ''مادھو لال'' کہا گیا۔ اس طرح آپ کا پورا نام مادھو لال حسین ہو گیا۔ آپ کی رحلت کے بعد مادھو ہی آپ کے خلیفہ بنے۔ تمام عمر مرشد کے مزار پر حاضر رہے حضرت کی رحلت کے ۵۷ برس بعد وفات پائی اور شاہ حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بچے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ نواب طالب مہدی خاں جو جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ان کا لڑکا ابھی تک بقید حیات ہے۔

زمان مہدی خاں

راقم الحروف کے والد بزرگوار کا کہنا ہے کہ انہوں نے بابا حاجی نور دین کے اشتراک سے ایک موٹر خریدی۔ سودا ہو جانے کے بعد بعض دوستوں نے بتایا کہ یہ موٹر تو مالکوں نے اسی لیے فروخت کی ہے کہ اسے گورنمنٹ پاس نہیں کرتی۔ یہ سن کر والد صاحب کی طبیعت پریشان اور مکدر ہوگئی والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہ اسی حالت میں حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پریشانی چہرہ سے ہویدا تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ ''فضل الٰہی! کیا بات ہے؟ تم حیران و پریشان دکھائی دیتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا'' کچھ نہیں حضور! ویسے ہی طبیعت ذرا خراب ہے۔'' بھلا ان دور بین نگاہوں سے کوئی چیز مخفی رہ سکتی ہے۔ بقول مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ یہ لوگ تو جواسیس القلوب ہوتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ''نہیں عزیز کچھ بات تو ضرور ہے۔'' حضرت صاحبؒ کے دوبارہ استفسار پر والد صاحب نے پریشانی کی وجہ آپؒ کی خدمت میں عرض کردی۔ آپؒ نے پوچھا ''لاریاں کون پاس کرتا ہے؟'' والد صاحب نے عرض کی حضور! ڈی۔ سی شیخوپورہ۔'' حضرت صاحب نے پوچھا۔ ''کون ہے وہ؟'' انہوں نے کہا'' کوئی نیا ہی آیا ہے۔ سنا ہے ابھی ابھی ولایت سے پڑھ کر آیا ہے۔''

یہ سُن کر آپؒ خاموشی سے اندر تشریف لے گئے اور اندر سے ایک پرانا بوسیدہ

سا لفافہ لا کر والد صاحب کو دیا۔ اس میں ایک چھوٹے سے کاغذ پر سب سے اوپر اللہ حافظ اور نیچے صرف یہ تحریر تھا ”عزیز آتا ہے۔ اس کے کام میں سعی کریں۔“

والد صاحب فرماتے ہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ میں اسی وقت شیخوپورہ روانہ ہو گیا۔ اس دن سب موٹر والوں کی تاریخ تھی۔ انہوں نے بابو گپت رام کو وکیل کیا ہوا تھا۔ میں جب اسکی کوٹھی پر پہنچا تو سب موٹروں والے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے بتانے پر کہ میں ڈی۔ سی۔ صاحب کو ملنے آیا ہوں سب مجھے روکنے لگے وہ کہتے تھے کہ صاحب بڑا متشدد اور سخت قسم کا ہے لیکن میں نے کسی کی پرواہ نہ کی اور چراغ جو صاحب کا چپڑاسی تھا اور پنکھے کی رسی کھینچ رہا تھا کے پاس جا بیٹھا۔ چراغ نے مجھ سے پوچھا ”تم کون ہو اور تمہیں کیا کام ہے؟“ میں نے کہا ”ایک انسان ہوں“ اور چٹھی نکال کر صاحب کو دینے کے لیے اس کے ہاتھوں میں دے دی۔ وہ کچھ ناراض سا ہو کر چٹھی اندر لے گیا اور چٹھی ڈی۔ سی کی میز پر رکھ دی۔ چٹھی دیکھتے ہی صاحب نے کہا۔ ”یہ چٹھی کسی موٹر والے کی ہوگی“۔ اور چپڑاسی کو اندر بلانے کے لیے کہا۔

چپڑاسی باہر آ کر خشمگیں لہجے میں کہنے لگا ”موٹریں لے آتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں۔“ چپڑاسی کی آواز سن کر صاحب نے اندر سے ہی آواز دی ”ارے! وکیلوں جیسی جرح مت کرو اور انہیں اندر لے آؤ۔“

والد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں اندر گیا تو ڈی۔ سی کے سامنے راجہ لعل حسین مال افسر اور پاس ہی چوہدری روشن دین ذیلدار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی چٹھی ویسے ہی جوں کی توں میز پر پڑی ہوئی تھی اور صاحب پر رقت طاری تھی وہ رو رہا تھا اور مجھے کہنے لگا۔ ”افسوس! تم ایک موٹر کو پاس کروانے کی

غرض سے میاں صاحب کی چٹھی لائے ہو۔ یہ کیا کام ہے کسی بڑے کام کے لیے چٹھی لاتے۔'' اس کے بعد ڈی۔ سی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا'' اچھا! تم کچہری چلو اور میں ابھی آتا ہوں۔'' والد صاحب کہنے لگے'' رمضان شریف ہے اور سخت گرمی!'' یہ سن کر اس نے چپڑاسی سے کہا'' سامنے والا کمرہ کھول دے۔ یہ وہاں آرام کریں گے اور تم انہیں پنکھا کرو۔'' چنانچہ چپڑاسی نے کمرہ کھول دیا اور وہ آرام کرنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد صاحب کچہری چلا گیا اور وہاں سب موٹر مالکان پیش ہوئے۔ ان سے صاحب نے کہا'' دیکھو! میں کسی آدمی کی موٹر پاس نہیں کروں گا۔'' اور پھر فوراً ہی دوبارہ گویا ہوا۔

'' ارے! وہ ایک داڑھی والے تھے وہ کدھر ہیں۔'' بابا مستری کرم دین (مرحوم) بھی ان موٹر والوں کے ہمراہ تھے اور اپنی موٹر پاس کروانے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا'' صاحب! وہ تو آپکی کوٹھی میں ہیں۔'' یہ سن کر صاحب نے پاس کھڑے ہوئے شیخ ولی محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ سے کہا۔

'' شیخ صاحب! ان مولوی صاحب کی طرف سے ایک درخواست لکھیے اور میرے اکاؤنٹ میں سے فیس کے روپے خزانہ میں داخل کروا کر انکا لائسنس بنوایئے اور انہیں میری کوٹھی پر پہنچایئے ساتھ ہی دیر ہو جانے کے لیے میری طرف سے معذرت کیجئے۔'' شیخ صاحب کو یہ سب کچھ کہنے کے بعد صاحب موٹر والوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔'' دیکھو! میں صرف یہ ایک موٹر ہی پاس کروں گا اور کسی کی نہیں کروں گا۔ کوئی صاحب کسی سفارش کروانے کی جرأت نہ کرے۔''

والد صاحب فرماتے ہیں۔'' میں لائسنس لے کر رات کو واپس گھر آ گیا اور جب

صبح حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے پوچھا۔ ''ہتا بھئی! کیا بنا؟'' میں نے عرض کی ''حضور! وہ کام تو ہو گیا ہے۔'' آپؒ نے فرمایا ''الحمد للہ! تیرے چہرہ پر مایوسی دیکھ کر مجھے بڑا فکر ہوا تھا۔'' اس واقعہ کے چند دن بعد ہی سرکار میاں صاحبؒ نے والد صاحب کو ایک چٹھی دکھائی اور فرمایا۔

''دیکھو! یہ زمان مہدی خاں ڈی۔سی کی چٹھی ہے۔ تمہارے کام کے لیے اس کو لکھا تھا تو اس نے بھی خط لکھ دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ جس کوٹھی میں، میں رہتا ہوں رات کو میرے اہل وعیال وہاں ڈرتے ہیں اور لوگوں کا کہنا ہے کہ میرے پیش رووں سے بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور ان کے اہل وعیال بھی ڈرتے تھے میں مسلمان ہوں۔ اگر مجھ سے بھی یہی کچھ ہو تو کوئی بات نہ ہوئی۔ دعا کیجئے۔'' حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسی چٹھی کے پیچھے جواباً لکھ بھیجا۔ ''کوٹھی کے ہر کونے میں اذان دیا کرو۔''

چنانچہ چند دن بعد زمان مہدی خاں کا جواب آ گیا کہ حضور آپؒ کی نظر کرم سے آپکی چٹھی پہنچنے سے پہلے سب ڈر وغیرہ دور ہو گیا ہے اور ہم سب نہایت سکون و اطمینان سے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ زمان مہدی خاں سرکار میاں صاحبؒ سے ملنے شرقپور شریف آیا۔ وہ شام کے بعد یہاں پہنچا۔ آپؒ عشاء کی نماز کے لیے مسجد جانے کو تیار تھے۔ وہ آپؒ سے ملا اور عرض کی ''سرکار! میرا نام زمان مہدی ہے اور میں شیخوپورہ کا ڈی۔سی ہوں۔''

آپؒ فرمانے لگے ''تم اس وقت آئے ہو جب میں عشاء کی نماز کے لیے مسجد جا رہا ہوں۔ میں تیری ڈی۔سی۔شی۔سی کو کیا کروں۔'' یہ کہہ کر آپؒ نے اس کا ہیٹ اتار کر اس کے سر پر دے مارا۔ اس کی حالت غیر ہو گئی اور آپؒ اسے اسی حالت میں

چھوڑ کر مسجد چلے آئے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ "بیٹھک" میں تشریف لائے اور اسے کھانا وغیرہ کھلا کر رخصت کر دیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے بعد اس کی طبیعت میں تغیر آ گیا اور وہ پکا نمازی اور تہجد گزار بن گیا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کا دور تھا۔ اس نے عہدہ کے دوران میں مسلمانوں کے کام نہایت دلیری اور جرأت سے سرانجام دیے۔ اس ملاقات میں ہی حضرت صاحب قبلہ نے اسے فرمایا۔ "ایک دن مکان شریف جانا۔" کچھ دنوں بعد اس نے لکھا۔

"حضور! آپ کے ارشاد کے مطابق اہل و عیال سمیت مکان شریف حاضری کے لیے گیا۔ بارش ہو رہی تھی۔ کار رمداس ہی چھوڑ دی اور بچوں کو لے کر پیدل ہی جا پہنچا۔ وہاں کی حاضری میں وہ کچھ دیکھا کہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔" حضرت میاں صاحب شرقپوری کا ہی فیضان نظر تھا کہ زمان مہدی خاں اہل سنت و جماعت کے مطابق صحیح عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ ضلع کے صدر مقام پر سنیوں حنفیوں کے اجلاس میں شرکت کرتا اور ان کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتا۔ قلعہ شیخوپورہ کی موجودہ جامع مسجد اسی کے زیر اہتمام تعمیر ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس چند افسر قسم کے لوگ حاضر ہوئے ان میں ایک سیشن جج بھی تھا۔ (غالباً وہ شیخ دین محمد (۱) تھے) آپ نے ان سے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" انہوں نے کہا "جی! دین محمد۔" "عشقے اوئے! (۲) نام تو تمہارا بہت سوہنا ہے۔ نمازوں کا کیا حال ہے؟"

۱۔ آپ گوجرانوالہ کی شیخ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتداء وکیل تھے بعد میں سیشن جج ہوئے۔ ہائی کورٹ کے جج بھی رہے۔ سیاست میں حصہ لیا اور پاکستان کی تخلیق کے بعد صوبہ سندھ کے گورنر مقرر ہوئے۔ شیخ نورالدین آپ کے خاندان کے نہایت باصفا اور بے ریا بزرگ تھے۔

۲۔ کلمہ تحسین۔ کبھی کبھی لطف کے موقع پر آپ بولتے تھے۔

''جی کبھی کبھی پڑھتا ہوں۔'' شیخ صاحب نے کہا۔

آپؒ نے جلدی ہی جوش سے فرمایا ''ارے اکوئی ہے؟ ذرا رسی تولانا اس کی پیشاب والی جگہ باندھ چھوڑیں۔ پیشاب بھی کبھی کبھی کیا کرے۔انہوں نے تو نماز کو پیشاب جیسا بھی نہیں سمجھا۔'' آپؒ کی یہ بات سنکر سب لوگوں نے خاصا اثر لیا اور سیشن جج صاحب پر تو بہت ہی اثر ہوا۔

نگاہ مردمومن

ایک دفعہ سرکار میاںصاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔اس کی داڑھی مونچھیں غائب تھیں۔آپؒ نے اسے دیکھتے ہی کہا'' آ بھئی کرم چند! روٹی کھالو۔'' وہ کہنے لگا۔

''بس حضور! میں تو کھا کر آیا ہوں۔'' اور اس نے چند ایک دنیاوی کاموں کے لیے آپؒ سے عرض کی۔حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا'' چھوڑ دیار، دنیاوی دھندوں کو نماز دل لگا کر پڑھا کرو۔'' اور آپؒ نے اسے رخصت کر دیا۔والد صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ بعد بیرون موری گیٹ لاہور گھاس منڈی کے پاس ایک بزرگ صورت، دراز ریش آدمی ملا اور علیک سلیک کے بعد پوچھا'' مجھے پہچانتے ہو؟''

والد صاحب نے جب نفی میں جواب دیا تو وہ رو دیا اور آنسو پونچھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہنے لگا'' میں وہی کرم چند ہوں جو سرکار کی خدمت میں شرقپور شریف حاضر ہوا تھا'' والد صاحب حیران رہ گئے۔اب وہ ایک تہجد گزار متقی اور بزرگ سیرت انسان تھا۔یہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی نظر کرم تھی۔سبحان اللہ!

'موج میں جب آگئے قطرے سے دریا کر دیا'

والد صاحب نے پوچھا۔ ''جس کام کے لیے گئے تھے اس کا کیا بنا؟''

کہنے لگا۔ ''وہ شرقپور شریف سے واپس پہنچنے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔''

ایک دن حضرت صاحب قبلہؒ گھر بیٹھک میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ آپؒ نے اس کا نام پوچھا تو کہنے لگا ''حضور! مجھے محمد انور کہتے ہیں۔'' یہ سننا تھا کہ آپؒ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ آپؒ نے اس سے بڑا پیار کیا اور اس کے چہرے پر دو تین دفعہ ہاتھ پھیرے اور کہنے لگے ''محمد انور کیسا پیارا نام ہے؟ کیا تم محمد انور ہو؟ ارے نہیں! تم تو مولوی محمد انور ہو۔'' اس کے بعد وہ بیٹھک کے دوسرے حصہ میں جا بیٹھا۔ تین چار گھنٹے کے قیام کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا اور آپؒ نماز کے لیے مسجد جانے کو اٹھے تو آپؒ نے ایک آدمی سے کہا کہ مولوی محمد انور کو ساتھ لے لو۔ جب وہ بیٹھک سے باہر نکلا تو کوئی اُسے پہچان نہیں رہا تھا کہ یہ وہی محمد انور ہے یا کوئی اور۔ اس کا چہرہ مہتاب کی مانند روشن تھا اور نور کی کرنیں اسکی پیشانی سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ اس کے چہرہ کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ شرقپور شریف سے واپسی پر اس کی حالت بدل چکی تھی۔ وہ نیک اور پارسا بن گیا۔ اس نے دل لگا کر علم دین پڑھنا شروع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالم باعمل بن کر واقعی سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی مکمل تفسیر تھا۔

فیضانِ توجہ

ضلع شاہ پور کا رہنے والا ایک آدمی (جس کا نام یاد نہیں رہا) اعلیٰ حضرت

میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا عقیدتمند تھا۔ اکثر و بیشتر سرکار کی خدمت میں آیا کرتا آپ کو بھی اس سے بڑی محبت تھی اور حضور خاص توجہ فرمایا کرتے۔

شومئے قسمت اس نے کسی ایک آدمی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو اڑتا ہے! اڑتے اڑتے یہ بات حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ تک بھی جا پہنچی۔ آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا آپؒ نے فرمایا۔

''اچھا! اب وہ اڑنے لگا ہے۔ بہتر! اڑتا ہے تو اڑ جائے۔'' آپؒ کا یہ کہنا تھا کہ اس کی طبیعت یکسر خالی ہو گئی اور محویت رہی نہ وہ استغراق۔ کورے کا کورہ رہ گیا۔ حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپؒ تو پہلے ہی ناراض تھے۔ آپؒ نے کوئی توجہ نہ فرمائی کئی دفعہ آیا اور گیا لیکن وہ بات کہاں۔ بلکہ جب وہ آتا آپؒ اٹھ کر اندر چلے جاتے۔ سال بھر آتا رہا۔ آخر آپؒ نے فرمایا ''تمہیں بغیر محنت کیے مفت میں کچھ مل گیا تھا تم نے قدر نہیں کی اور اسے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم سے اتنی محنت ہو گی اور نہ میرا خیال ہو گا۔''

اس ہونہار نے عرض کی ''حضور! آپ توجہ فرما دیں میں محنت کروں گا۔'' اور رخصت لے کر واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ واپس پہنچ کر اس نے عید گاہ میں ڈیرہ لگا لیا وہ گھر جاتا نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیتا۔ اس کا کھانا وہیں عید گاہ پہنچا دیا جاتا۔

ایک سال تک اس نے ایسی محنت سے مراقبہ کیا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی گردن کے پاس سے تین انگل کے قریب باہر نکل آئی اور وہ پھر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس شرقپور شریف حاضر ہوا۔ آپؒ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے عرض کی۔ ''حضرت! میں نے اپنا کام کیا ہے۔ آپؒ اپنا کام کریں۔'' چنانچہ اگلے دن

سحری کے وقت آپؒ نے اسے بلا کر سامنے بٹھالیا اور توجہ فرمائی۔ قارئین شاید مبالغہ سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپؒ کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے دل کے سامنے سے گوشت کا ٹکڑہ الگ ہو گیا اور سامنے قلب جاری نظر آنے لگا۔ سبحان اللہ!

شرقپور شریف سے پھر وہ اپنے گاؤں میں عیدگاہ جا پہنچا۔ اس کی حالت پھر کیا ہو سکتی تھی؟ ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتا۔ اس پر محویت اور استغراق کا عالم طاری تھا۔ قلب تو جاری ہو چکا تھا اور وہ اپنے کام میں مشغول تھا۔ وہ ہر وقت لیٹا رہتا۔ علاقہ بھر کے لوگ اسے بزرگ ہستی ماننے لگے ایک دنیا تھی کہ اس کی زیارت سے مشرف ہونا باعث صد افتخار سمجھتی۔ ایسے انتھک منہمک اور مشغول انسانوں کے اجسام کب تک ایسے بار کے متحمل ہو سکتے ہیں وہ اکثر بیمار رہنے لگا حتیٰ کہ چارپائی سے جا لگا۔

چھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن اس نے اپنے نزدیکیوں سے کہا کہ ایک پلنگ لاؤ اور اس پر بستر لگا دو۔ چنانچہ پلنگ لا کر اس پر بہترین قسم کا بستر لگا دیا گیا۔ اور اسی کے کہنے پر عیدگاہ میں ایک لمبا سا کھیس بچھا کر راستہ بنا دیا گیا۔ یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد اس نے کہا ''مجھے کھڑا کر دیا جائے'' چنانچہ دو آدمیوں نے اس کے بازو تھام کر اسے کھڑا کر دیا اور وہ ہاتھ باندھ کر کسی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعتوں کے بعد وہ پکار پکار کر کہنے لگا ''میری سرکار، سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ، نبیوں کے سرتاج، آقائے نامدار، مدنی تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لیے تشریف لا رہے ہیں۔'' اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ چہرے پر نور برسنے لگا اور پیشانی دمکنے لگی۔ کہتے ہیں اب ایسا معلوم ہوتا تھا نور کی گھٹائیں برس رہی ہیں۔ اس پر وارفتگی و مدہوشی اور بے خودی سی طاری ہو گئی۔ کچھ لمحے وہ اس طرح ساکت

وجامد کھڑا رہا۔ پھر کہنے لگا" اب مجھے لٹا دو سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ مدنی تاجدار صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں واپس تشریف لے گئے ہیں۔" لوگوں نے اسے لٹا دیا اور دیکھا تو اسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی اور حقیقی آشیانے کی طرف جا چکی تھی۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

کایا پلٹ دی

میرے والد (حاجی فضل الٰہی) صاحب کو پتہ چلا کہ لاہور سے امرتسر جاتے ہوئے ایک گاؤں ہے وہاں ایک مست فقیر بیٹھا ہوا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے بارہ برس سے کسی آدمی سے گفتگو نہیں کی۔

والد صاحب چند دوستوں کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ مست خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سب بھی بغرض زیارت چپ چاپ پاس بیٹھ گئے۔ پانچ منٹ گزرنے پائے تھے کہ اچانک وہ مست بول پڑا اور کہا" تین باتیں جو تمہارے پیر (اعلیٰ حضرت شرقپوریؒ) میں ہیں وہ کسی اور میں نہیں۔" کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

۱۔ "جو تمہارے پیر کا وجود بارگاہ رب العزت میں مقبول ہے اس وقت کسی پیر کا نہیں۔" (کچھ منٹ خاموشی رہی پھر بولا)

۲۔ "جس طرح تمہارے پیر نے لوگوں کی کایا پلٹی ہے ایسے کسی نے نہیں پلٹی۔

۳۔ دنیا بھر کے خزانے ان کے قدموں کے نیچے ہیں وہ ان کی طرف دیکھتے نہیں۔" یہ تینوں باتیں کہنے کے بعد وہ ایسا خاموش ہوا کہ پھر نہ بولا اور والد صاحبؒ اپنے احباب کے ہمراہ واپس چلے آئے۔

حاجی فضل الٰہی (میرے والد صاحبؒ) رقمطراز ہیں کہ بابا عبداللہ فیروز پور چھاؤنی میں گھڑی ساز تھے۔ مولانا شرف الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے انکی بیعت تھی مولانا شرف الدین صاحبؒ کی وفات کے بعد بابا عبداللہ کی طبیعت کچھ بیقرار سی رہنے لگی اپنی طبیعت کے لگاؤ اور سکون کی خاطر بابا عبداللہ کئی مزارات پر اور بزرگوں کی خدمت میں مارے مارے پھرتے رہے۔ لیکن جس چیز کا وہ متلاشی تھے کہیں سے حاصل نہ ہوسکی۔ درویشوں اور فقیروں کے کہنے پر بڑے بڑے مجاہدے کیے۔ بڑی محنت اور جانفشانی کی اور چلّے کیے۔ لیکن

عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں میں دے دس و نا ہیں

سنا ہے بابا عبداللہ کئی کئی دن پرانی قبروں کے اندر بیٹھ کر ریاضت اور چلہ کیا کرتے گوہر مقصود کے حصول کی جستجو اور تلاش کے دوران میں کسی نے ہماری سرکار میاںصاحب رحمتہ اللہ علیہ کا پتا بتایا۔ بابا عبداللہ شرقپور شریف آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہونا تھا کہ نہ صرف بابا عبداللہ کی طبیعت کا سابقہ لگاؤ لوٹ آیا بلکہ جس بات کے وہ خود متمنی تھے اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی نظر نے ہی اُن کی سیمابی طبیعت کے اضطراب کو ایسا قرار بخشا کہ وہ ہزار جان سے فدا ہوگئے۔ انہوں نے آپؒ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی بابا عبداللہ کا ذوق وشوق اور ذکر وفکر دیکھ کر آپؒ نے خصوصی توجہ سے نوازا اور کچھ عرصہ بعد انہیں خلعت خلافت سے بھی نوازدیا۔

بابا عبداللہ اکثر وبیشتر شرقپور شریف آتے اور کئی کئی دن قیام کرتے۔ ایک دن بابا عبداللہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی۔ ''حضور! میرے لڑکے فتح محمد کے خیالات خراب ہوچکے ہیں۔ وہ کسی بزرگ کو مانتا ہی

نہیں دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ اس کا دل پھیر دیوے۔"

حضرت صاحب قبلہؒ نے ارشاد فرمایا "اس کو کچھ نہ کہا کرو۔" بابا عبداللہ نے عرض کی "سرکار! میرے مرنے کے بعد ٹھیک ہوگا تو مجھے کیا۔ میں تو اسے جیتے جی صالح اور بلند کردار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

آپؒ نے فرمایا "اچھا! اسے یہاں بھیجنا۔" وہ کہنے لگے "حضور! اسی بات کا تو قلق ہے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ شرقپور شریف چلو۔ نہیں آتا۔" بات سننے کے بعد آپؒ خاموش رہے اور بابا عبداللہ بھی اپنے شہر فیروز پور کے لیے رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔ جب وہ شاہدرہ کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ فتح محمد ٹم ٹم پر سوار شرقپور شریف کی طرف جا رہا ہے۔ بابا صاحب بھی وہیں اپنی ٹم ٹم سے اتر پڑے اور اس کے ہمراہ شرقپور شریف چلے آئے۔ دونوں باپ بیٹا دو یوم آپؒ کی خدمت میں رہے لیکن سوائے علیک سلیک کے آپؒ نے فتح محمد سے کوئی اور بات نہ کی۔ دو یوم کے بعد جب آپؒ نے انہیں واپسی کی اجازت دی تو مصافحہ کرنے کے بعد آپؒ نے فتح محمد کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا "برخوردار تیرا باپ اچھا اور نیک آدمی ہے اس کا کہنا مانا کرو۔" اس کے بعد دونوں اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

یہاں شرقپور شریف سے جب ٹم ٹمیں چلتی تھیں تو لاہور کے نصف راستہ پر ایک برگد کے درخت کے نیچے کنواں اور سبیل بنی ہوئی تھیں وہاں تانگوں والے گھوڑے چھوڑ دیتے تھے اور بمع مسافران کچھ دیر ستایا کرتے۔ چنانچہ حسب عادت وہ تانگہ جس پر یہ دونوں باپ بیٹا سوار تھے وہاں کھڑا کر دیا گیا۔ بابا عبداللہ سب سے پہلے اتر کر رفع حاجت کے لیے چلے گئے اور دوسری سواریاں بھی اترنے لگیں لیکن فتح محمد

چپ چاپ بیٹھا رہا۔ تانگہ بان اسے کہنے لگا ''میاں! نیچے اتر کر سستا لو میں نے بھی گھوڑا چھوڑنا ہے۔'' لیکن فتح محمد جیسے بیٹھا تھا ویسے ہی خاموش بیٹھا رہا جیسے اس نے کوچوان کی بات کو سنا ہی نہیں۔ تانگے والا تکرار کر رہا تھا اور حیران تھا کہ یا اللہ! یہ آدمی بہرہ ہے یا فاتر العقل نہ سنتا ہے نہ اترتا ہے۔ اسی اثناء میں بابا عبداللہ بھی آگئے اور آتے ہی فتح محمد سے کہا ''بیٹا! نیچے اُتر آؤ۔'' وہ جھٹ چھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا۔ غرضیکہ فتح محمد کی زندگی یکدم منقلب ہوگئی۔ وہ بڑا صالح اور نیک ہوگیا۔ بہت کم بولتا۔ عموماً سر جھکائے اپنے والد کے حکم کے مطابق اپنے کام میں مصروف رہتا۔ عجیب اور حیران کن بات ہے کہ فتح محمد کوئی کام بھی خود بخود نہ کرتا نہ کھانا کھاتا اور نہ حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرتا۔ بابا جی کہتے کہ کھانا کھا لو' تو کھاتا اور وہی کام کرتا جس کے لیے بابا عبداللہ حکم دیتے۔ ورنہ نہ سوتا، نہ اٹھتا، نہ چلتا اور نہ بیٹھتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ان کی دکان پر ایک انگریز فوجی افسر گھڑی لے کر آیا اور کہنے لگا ''یہ گھڑی خراب ہے اسے دیکھو اور ٹھیک کر دو۔'' بابا عبداللہ نے گھڑی دیکھ کر کہا ''فلاں پرزہ ٹوٹ گیا ہے اور یہ نہیں ملتا۔ جب تک وہ پرزہ دستیاب نہ ہو گھڑی نہیں چل سکتی۔'' فوجی افسر کہنے لگا ''اسے ضرور بنانا ہے جیسے بھی ہو اس کا پرزہ مہیا کرو۔'' بابا عبداللہ نے کہا وہ پرزہ تو ولایت سے منگوانا پڑے گا۔ یہاں تو نہیں ملے گا۔ ''فوجی افسر نے جواب دیا۔ ''منگوانے میں بڑی دیر ہوگی۔ یہاں یہ کسی صورت گھڑی بننی چاہیے۔''

بابا عبداللہ گھڑی ہاتھ میں لے کر سوچتے رہے اور پھر اپنے لڑکے فتح محمد سے گویا ہوئے ''بیٹا! صاحب بضد ہے کوشش کرو یہ پرزہ یہیں بن جائے۔'' بس پھر کیا تھا فتح محمد ہمہ تن مصروف ہوگیا اور آخر مطلوبہ پرزہ بنا کر ہی دم لیا۔ وہ پرزہ اس نے اس

انہماک اور جانفشانی سے ایسا عمدہ بنایا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ ولایت کا بنا ہوا ہے یا یہیں تیار ہوا ہے۔ جب انگریز فوجی افسر نے آکر چلتی ہوئی گھڑی دیکھی تو بڑا خوش ہوا اور بہت انعام دیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد عرس کے پنڈال کے لیے آہنی چادروں کا موجودہ شیڈ بابا عبداللہ کی زیر نگرانی بنایا جا رہا تھا۔ مئی جون کے دن (جیٹھ ہاڑ) تھے شدّت کی گرمی پڑ رہی تھی اور مزدوروں کی طبیعتیں ٹھیک نہ رہی تھیں۔ بابا عبداللہ نے سب کو دو دو گولیاں قبض کشائی کے لیے دے دیں تاکہ طبیعت بحال ہو جائے (گرمی وغیرہ نکل جائے)

مزدوروں کے ہمراہ فتح محمدؐ کو بھی تین گولیاں دے دی گئیں اور وہ کھا گیا۔ سب مزدوروں کو پاخانے آئے لیکن فتح محمد ایک دفعہ بھی فراغت کے لیے نہ اٹھا۔ آخر کافی دیر کے بعد بابا عبداللہ نے خود ہی کہا فتح محمد جا کر رفع حاجت کر آؤ۔ بابا عبداللہ نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے۔ فتح محمد نے تین دفعہ حاجت کی۔ لوگ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے اور میرے وہ دوست جو ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے قائل ہیں اعتراض کریں گے کہ کیسے ممکن ہے کہ فطری تقاضوں کی ڈور بھی کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن برادرانِ من! کرامت ہوتی ہی وہ ہے جو ماوراء العقل ہو۔ یہ سرکار میاں صاحبؒ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت ہی تو تھی کہ آپؒ کے اس فرمان پر کہ "برخوردار! باپ کا کہا مانا کرو۔"

فتح محمد کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ کوئی کام بھی اپنے باپ بابا عبداللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ اولیائے کرام، بزرگانِ عظام اور خدا کے خاص بندوں کو جب اللہ

تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو ربّ ذوالجلال اپنے فضل وکرم سے انہیں بڑی طاقتیں عطا فرماتا ہے پھر ان بندگان خاص سے ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو وہم وگمان میں نہیں آسکتے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

اولیاء راہست قدرت ازالٰہ

تیر جستہ باز آرندش زراہ

ایک دن شرقپور شریف میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر فتح محمد بیٹھا درود شریف پڑھ رہا تھا اور بابا عبداللہ کسی دوسری جگہ ایک کام میں مصروف تھے مطلوبہ امور کی انجام دہی کے بعد بابا عبداللہ اپنی جائے قیام پر سو رہے اور فتح محمد کو بلانا بھول گئے۔ سحری کے وقت جب وہ نماز تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ رات فتح محمد تو روضہ شریف پر تھا۔ وہاں جا کر دیکھا تو وہ ویسے ہی بیٹھا ہوا درود شریف پڑھنے میں مشغول تھا۔ سبحان اللہ! حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے باپ کا کہنا نہ ماننے والے فتح محمد کی ایسی کایا پلٹی کہ اس نے اپنی ساری زندگی اپنے والد کے حکم کی متابعت میں بسر کر دی اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اس مست بزرگ نے یہ بات کیسی سچ کہی تھی کہ جو تمہارے پیر نے لوگوں کی کایا پلٹی ہے وہ کسی اور پیر نے نہیں پلٹی۔ الحمد للہ!

اولیاءرا هست قدرت زالہ
تیر جسته باز آرندش زراه

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

تصرّفات

توجہ، خیال اور خدائے لم یزل کی دی ہوئی طاقت باطنیہ سے مخلوق خدا میں تبدیلی پیدا کر دینے کو تصرف کہتے ہیں۔'' یہ ہے سادہ اور عام فہم الفاظ میں تصرف کا مفہوم۔ مولانا رومؒ، امام غزالیؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہم و دیگر صوفیائے عظام اور علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی منازل کے مطابق تصرف پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اتنے بلند مقامات کو سمجھنے کے لیے بھی تو فہم اور ادراک کی ضرورت ہے۔ چہ جائیکہ ان کی تشریح کرنا۔ بندۂ ناچیز تو نہ صرف ناآشنائے رموز و اسرار تصوف ہے بلکہ علوم ظاہریہ سے بھی نابلد ہے اور نہ ہی کتاب ہذا میں ان مسائل تصوف پر بحث مقصود ہے۔ مختصر یہ کہ تصرف کے کئی ایک درجات ہیں اور سرکار میاں صاحب شرقپوری بفضلہٖ تعالیٰ ہر قسم کے تصرف پر قدرت رکھتے تھے۔ قارئین حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے خود ہی اندازہ کر سکیں گے کہ آپؒ کا تصرف اور توجہ زیادہ تر تصرف نفسی کی طرف تھا۔ آپؒ کا منتہائے مقصود صرف اور صرف یہی تھا کہ لوگوں کی اصلاح ہو اور ان کے قلوب میں نور ایمان کی مشعل روشن ہو جائے اور وہ صراط مستقیم پر چلنے کے قابل بن سکیں تاکہ انہیں روز شمار سرخروئی حاصل ہو۔

آپؒ کے تصرف سے بدکار نیکوکار بن گئے۔ سینکڑوں نے برائیوں سے توبہ کی اور ہزاروں ٹیڑھا راستہ چھوڑ کر جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ کہیں کایا پلٹ رہی ہے

کہیں بے علموں کو علم کی روشنی سے منور کیا جا رہا ہے کسی کے دل کی کائنات بدل گئی تو کسی کی عقدہ کشائی ہو گئی۔ آپؒ کے تصرف اور توجہ سے ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آئے کہ زمانہ میں اولیائے متقدمین کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اکثر سرہند شریف جایا کرتے تھے ایک دفعہ آپؒ مع احباب سرہند شریف تشریف لے گئے۔ وہاں نماز تراویح میں قرآن پاک سنانے والے حافظ ایک پٹھان تھے اور نماز تراویح پڑھنے والے کل چالیس یا پچاس آدمی تھے قرآن پاک پڑھا جا رہا تھا لیکن اداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ طبیعتیں بحال نہیں تھیں اور سکون مفقود تھا۔ ۱۶ تراویح ہو چکنے کے بعد اچانک سب کی طبیعتیں بدل گئیں۔ کسی کو وجد ہو رہا تھا تو کسی پر غنودگی چھا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا انوار وتجلیات کی گھٹائیں ہیں کہ چھم چھم برس رہی ہیں۔ مع پیش امام سب مدہوش تھے اور اسی کیفِ زا حالت میں نماز تراویح اختتام پذیر ہوئی۔ دوسرے دن سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ قبلہ عالم حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس کے نواحی باغ میں تشریف فرما تھے اور تمام ہمراہی بھی بیٹھے تھے کہ آپؒ نے فرمایا۔ ''رات کو کچھ دیکھا تھا؟'' ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کی ''سرکار! پہلے تو طبیعتیں بالکل خالی تھیں لیکن آخر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور غنودگی سی چھانے لگی۔''

حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا ''میں نے احباب کی بے اطمینانی دیکھی تو دلوں کی طرف نگاہ کی معلوم ہوا کہ دل ذرّہ بھر متوجہ نہیں ہیں۔ میں نے مجدد صاحبؒ سے عرض کی ''حضور! آپ اقلیم ولایت کے شہنشاہ اور سلسلہ عالیہ کے امام ہیں۔ مسجد

ہو آپ کی ، رمضان شریف کا ہو مہینہ اور پڑھا جائے مولائے عزوجل کا کلام پاک پھر لطف نہ آئے اور طبیعتیں بحال نہ ہوں ؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'' یہ سننا تھا کہ حضور مجدد علیہ الرحمتہ نور کا مشکیزہ بھر لائے اور صف اوّل کی داہنی طرف سے نمازیوں پر نور کی دھار برسانے لگے جب پیش امام پر پہنچے تو مشکیزے کا منہ کھول دیا۔ پھر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اس کا لطف تو جن کی قسمت میں تھا انہوں نے ہی اٹھانا تھا۔

بسمل بنا دیا

لاہور سے چالیس میل کے فاصلے پر چھانگا مانگا کا مشہور علاقہ ہے (یہ جنگل تھا وہاں گورنمنٹ نے پارک بنایا ہے جو قابل دید ہے جس کی وجہ سے یہ جگہ بہت معروف ہے) اس کے قریب ہی واں کھارا چھوٹا سا گاؤں ہے وہاں قاری جمال دین صاحب درس قرآن دیا کرتے تھے۔ علاقہ کے بہت سے لوگ ان سے قرآن پاک پڑھا کرتے تھے قاری صاحب اکثر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قاری صاحب شرقپور شریف آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ہمراہ ایک گرانڈیل جوان تھا جوان کا شاگرد تھا۔ اس طاقتور نوجوان کا نام محمد ابراہیم تھا۔ آپؒ نے اس سے خاصی محبت فرمائی اور قاری صاحب سے کہا کہ اسے خوب اچھی طرح محنت سے قرآن پاک پڑھائیں۔ اس دن کے بعد سے محمد ابراہیم حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں آنے جانے لگا۔

ایک دن محمد ابراہیم جو قرآن پاک کی تعلیم حاصل کر کے اب قاری محمد ابراہیم ہو گئے تھے شرقپور شریف سرکار کی خدمت میں حاضر حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؒ

نے توجہ فرمائی اور ان کی حالت غیر ہوگئی وہ مغلوب الحال ہو گئے۔ ان پر مستی بخود ای
طاری ہوگئی۔ وہ اپنے آپ سے بے خبر جدھر طبیعت چاہتی نکل جاتے وہ اپنے ہاتھ میں
ہر وقت ''ڈانگ'' (لاٹھی) پکڑے ہوتے۔ سارے گاؤں کو اکٹھا کر کے کہتے کہ نماز
پڑھو ورنہ اپنی ڈانگ سے سب کے سر پھوڑ دوں گا۔

جذب وسکر اور وجدان کا یہ عالم تھا کہ جنگل کی طرف نکل جاتے اور درد بھری پر
سوز آواز سے عشقیہ اشعار پڑھتے۔ سوز محبت اور عشق کی گرمی ہر وقت بے چین کیے
رہتی۔ وہ اپنے دل کے ساتھ اپنے جسم کو بھی اسی آگ میں جلتا ہوا محسوس کرتے۔ اس
جلن سے مجبور ہو کر اکثر چارپائی سر پر اٹھا کر ایک کنوئیں میں جس کے اندر سیڑھیاں بنی
ہوئی تھیں اتر جاتے اور متواتر کئی کئی گھنٹے لیٹے رہتے۔ سنا ہے اسی مغلوب الحالی میں
لاہور جاتے اور لوگوں سے کہتے ''لاؤ اللہ کی راہ میں کچھ دو۔'' ہم دنیاداروں کی عادت
ہے کہ گلی سڑی اشیاء یا ناقابل استعمال چیزیں اللہ کی راہ میں دیا کرتے ہیں۔ جب
لوگ ان کو ایسی ہی چیزیں دیتے تو وہ لوٹا کر ان کے منہ پر دے مارتے اور کہتے ''جو نکمی
چیز ہے وہ اللہ کے لیے ہے۔ اللہ جو بزرگ و برتر ہے اس پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے
ہو؟'' قاری محمد ابراہیم کئی کئی ہفتے شرقپور شریف مقیم رہتے اور عشق ومحبت کے کمال غلبہ
کی وجہ سے قصبہ کی نالیوں کا پانی پینے لگتے اور کہتے '' یہاں کی نالیوں کا پانی گندا نہیں یہ
تو آبِ حیات ہے۔'' ایک دفعہ رات کو وارفتگی کے عالم میں باہر سڑک کے درمیان لیٹے
ہوئے تھے کہ سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں آ گئیں۔ گاڑی بانوں نے قاری
صاحب کو اُٹھنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے اٹھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بیل
گاڑیاں شرقپور شریف کی ہیں ان کے لیے میں فرش راہ ہوں۔ انہیں میرے اوپر سے

گزارنے۔ بڑی مشکل سے گاڑی بانوں نے انہیں اٹھا کر ایک طرف کیا اور اپنی گاڑیاں گزاریں۔

قاری محمد ابراہیم صاحب (مرحوم) عموماً حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ کے پاس ہی مسجد لوہاراں والی میں لیٹے رہتے تھے اور ''ڈانگ'' کا ان کے پاس موجود رہنا تو ضروری ہوتا تھا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن دین محمد زرگر کو بھیجا کہ قاری صاحب کو کھانا کھانے کے لیے بلا لاؤ۔ دین محمد نے قاری صاحب کو جو ایک صف کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے تھے، پاؤں سے پکڑ کر ہلایا اور ساتھ چلنے کو کہا۔ قاری صاحب نے اپنی ''ڈانگ'' پر ہاتھ رکھا اور دوسرے لمحہ ہی ڈانگ دین محمدؐ کے سر کو ناپ رہی تھی۔ چوٹ لگتے ہی سر سے خون کی دھار کے ساتھ دین محمد کی چیخیں نکل گیں۔ وہ روتا ہوا آپؒ کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

آپؒ نے آٹھ دس چپاتیاں اور ایک بڑے سے برتن میں سالن لیا اور لوہاراں والی مسجد میں آ گئے۔ آپؒ نے قاری صاحب کو اٹھنے کے لیے کہا اور وہ چپ چاپ اٹھ بیٹھے۔ آپؒ نے ان کے آگے چھوٹا سا دستر خوان بچھا کر چپاتیاں وغیرہ رکھیں اور کھانے کو کہا لیکن بے سود! قاری صاحب جوں کے توں بیٹھے رہے۔ آخر حضرت صاحب قبلہؒ نے خود روٹی کا ٹکڑہ اٹھایا اور اس میں سالن ڈال کر قاری صاحب کے منہ کے پاس لیجا کر کہا 'کھاؤ'۔ بس! پھر کیا تھا عاشق صادق کی عید ہو گئی۔ محبوب کھلا رہا تھا اور محبّ (عاشق) کھا رہا تھا۔ حضرت صاحب ٹکڑے اٹھا اٹھا کر سالن میں تر کر کے کھلاتے رہے اور قاری صاحب کھاتے رہے ایسے ہی سارا کھانا ختم ہو گیا۔ کھا چکنے

کے بعد قاری صاحب بڑے خوش ہوئے اور جھوم کر کہنے لگے'' کیسا مزہ آیا اور کیسا ہے یہ پر لطف منظر؟'' آپ کھلاتے رہے اور میں کھاتا رہا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کا بازو تھام لیا اور لے جا کر اپنے مکان کے سامنے حاجی مہتاب دین کی کھلی سی حویلی میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

سحری کا سہانا وقت تھا کہ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی پر درد لے میں کوئی تلاوت قرآن پاک کرتا سنائی دیا۔ حضرت صاحبؒ قبلہ اپنی بیٹھک میں سے باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک جم غفیر ہے جو حویلی کے آگے جمع ہے۔ قاری ابراہیم صاحب ہاتھوں میں ڈانگ لیے حویلی کی دیوار کو گھوڑا بنائے ایک پاؤں ادھر اور ایک پاؤں ادھر لٹکائے بیٹھے ہیں اور انتیسویں پارہ ''سورۃ دھر'' کا آخری رکوع جھوم جھوم کر تلاوت کر رہے ہیں۔ ساری فضا کیفِ رنگ و بو میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ سیل نور تھا کہ رواں تھا۔ اس جم غفیر میں محلّہ کے ہندو مسلمان مرد و عورت سبھی موجود تھے جو کہ قاری صاحب کی پرسوز آواز اور کلام پاک کی شیرینی سے مسحور ہو کر بستروں سے اٹھ آئے تھے۔ سب پر مستی و بیخودی طاری تھی۔ نور کی بارش تھی کہ چھم چھم برس رہی تھی۔ عاشق سوختہ جاں کی پرسوز آواز اور تلاوت وحی خدا پھر مستزاد یہ کہ سحری کا پرسکون ماحول۔ بھلا کیوں نہ کیف و مستی موج سرور بن کر دلوں پر چھا جائے۔

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا سماں دیکھا تو آپؒ نے دروازہ کھول کر قاری صاحب کو دیوار سے نیچے اتارا اور اپنے ساتھ مسجد میں لے آئے۔ آپ نے قاری صاحب کو نہانے کے لیے کہا۔ قاری صاحب کے غسل کر آنے کے بعد انہیں اُجلے کپڑے پہنائے اور فرمایا'' یہاں مسجد میں بیٹھو۔ لڑکے پڑھایا کرو اور

نمازیوں کی امامت کرو۔ بس!''

اس کے بعد قاری صاحب کی طبیعت سرد ہو گئی اور انہوں نے پیر و مرشد کے حکم
مسجد میانصاحب میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ شرقپور شریف کے
باشندگان ہی نہیں۔ بیرونجات کے حضرات بھی جانتے ہیں کہ سرکار میانصاحبؒ کے
تصرف اور مولا کریم کی مہربانی سے ایسا سلسلہ چلا کر صدہا لوگوں نے قاری صاحب
سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی اور بیسیوں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اکثر دیکھا گیا
ہے کہ قاری صاحب جب بھی قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اڑتے
ہوئے پرندے بھی سننے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ نماز کے بعد خصوصاً بعد
از مغرب بہت سے مریض دم کروانے موجود ہوتے اور آپؒ کے فیض سے مریضوں
نے مرضوں سے نجات حاصل کی۔ شہر میں کوئی چوری ہو جائے تو قاری صاحب وہاں
جا کر کچھ وظیفہ پڑھا کرتے تھے اور شاید ہی کوئی ایسا واقعہ ہو جہاں قاری صاحب نے
وظیفہ پڑھا ہو اور چوری نہ ملی ہو۔

قاری محمد ابراہیم صاحب کو قدرت نے بڑے جوہر عطا کیے تھے۔ اذان دیتے
وقت ان کی آواز ڈیڑھ میل تک سنائی دے جاتی تھی۔ اکثر نواحی دیہات کے لوگ
انہی کی آواز پر فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔

کبھی کبھی آخری عمر میں بھی قاری صاحب کی طبیعت میں پہلی سی وارفتگی عود کر آتی
تھی وہ روتے تھے اور بازار میں لوگوں سے گلے ملتے تھے۔ چند دن تک یہ وجدانی
کیفیت طاری رہتی اور پھر طبیعت معمول پر آ جاتی۔

اس دنیا میں کس کو بقا ہے ہر کسی نے اس دنیائے فانی سے دار مکافات کو رجوع

کرتا ہے۔

آخر حضرت اعلیٰ سرکار میانصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے جاری
چشمہ فیض نے بیس سال کی فیض رسانی کے بعد ہم لوگوں کو ایسی محرومی سے
جس کا مداوا ناممکنات میں سے ہے۔ قاری محمد ابراہیم درد گردہ میں کافی دن
کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے رحلت فرما گئے اور سرکار میانصاحب
علیہ کے پائین میں دفن کیے گئے۔

حالت بدل گئی

شاہدرہ کے پاس ہی کسی گاؤں میں بدمعاش قسم کا چلتا پرزہ ایک نوجوان
تھا۔ جس کا نام علیا تھا۔ ایک دن وہ نوجوان حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ
خدمت میں حاضر ہوا۔ حسب عادت آپؒ نے اس سے اس کا نام پوچھا تو وہ
لگا۔ ''حضور! مجھے علیا کہتے ہیں'' یہ سنکر آپؒ نے جواب دیا ''تم علیا نہیں مولوی
محمد ہو۔''

شرقپور شریف میں قیام کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو وہ ایک مست
فقیر تھا۔ نہ کسی سے بات کرتا اور نہ کسی کے پاس بیٹھتا۔ اس نے کسی ایک مداری
بندریا حاصل کی اور اسے کاندھے پر بٹھائے گھومتا پھرتا۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے
دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور مٹی کا پیالہ بھر بھر کر پانی باہر پھینک
ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ علی محمد یہ کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا ''دریا کا پانی نکال کر اسے
کر رہا ہوں۔''

کچھ دنوں بعد بعض لوگ اسے حضرت قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے آئے۔ اور اس کی متغیر حالت کے متعلق سب کچھ عرض کر دیا۔ حالات سن کر آپؒ نے علی محمد سے فرمایا ''بھئی! ایسے تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ گاؤں میں خود نماز پڑھو اور دوسروں کو پڑھایا کرو۔'' اس کے بعد وہ نماز کا پابند ہو گیا۔ بلکہ جب نماز کا وقت ہوتا تو لاٹھی تھام کر لوگوں کو ہانکتا مسجد میں لے جاتا اور نماز پڑھواتا۔ اس سختی سے گاؤں کے لوگ تنگ آ گئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ نے علی محمد کو بلا کر سختی سے تنبیہہ فرمائی اور کہا ''مسجد میں بیٹھو نماز کی جماعت کروایا کرو اور وعظ و تلقین سے لوگوں کو نماز کی پابندی کے لیے تیار کرو۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور توجہ سے وہ مسجد میں بیٹھ گیا اس نے تعلیم بھی حاصل کر لی اور اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں میں رشد و ہدایت کا چشمہ جاری کر دیا۔ لوگ اس سے سیراب ہونے لگے۔ گاؤں کی اکثریت پابند صوم وصلوٰۃ ہو گئی اور وہ دور، دور تک مولوی علی محمد کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(مولانا غلام محمد بگویؒ کے واقعات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا، غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ مولانا موصوف ان دنوں بادشاہی مسجد میں خطیب تھے اور نہایت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ حضرت صاحب قبلہؒ نے ایک مرتبہ مولانا کے متعلق فرمایا تھا کہ میں چھوٹی عمر میں شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا۔ جمعہ کی نماز

کے بعد مولانا غلام محمد صاحب تقریر کرنے کی غرض سے منبر پر بیٹھے تو لوگ ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دوڑے۔میں نے بھی مولانا صاحب سے مصافحہ کیا۔ہم کافی دیر مصافحہ میں مشغول رہے۔نہ تو میں نے ہاتھ پیچھے ہٹائے اور نہ ہی مولانا نے اپنے ہاتھ کھینچے۔بار بار لوگ مجھے بیٹھنے کے لیے کہتے رہے۔آخر کافی دیر کے بعد میں نے ہاتھ پیچھے کیے تو مولانا نے بھی مصافحہ ختم کیا۔مجھے معلوم ہو گیا مولانا سنت نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے پیروکار ہیں۔کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب کوئی مصافحہ کیا کرتا تو حضور اس وقت تک اپنے ہاتھ پیچھے نہ ہٹاتے جب تک مصافحہ کرنیوالا اپنے ہاتھ نہ کھینچ لیتا تھا۔

غالباً ۱۹۱۵ء کی بات ہے کہ راقم الحروف کے والد صاحب کاروبار کیوجہ سے لاہور میں مقیم تھے۔ان کی رہائش کشمیری بازار میں تھی وہ اپنے ایک دوست کو ملنے کے لیے ہر روز پانی والے تالاب آتے اور عشاء کی نماز وہیں پاس والی مسجد میں ادا کرتے اور اکثر مسجد کی اس دیوار کے پاس بیٹھتے جو بازار کی دوکانوں سے ملحق ہے وہاں بیٹھنے پر طبیعت خوب لگتی اور ایک عجیب محویت کا عالم ہوتا۔ایک دن ملاقات کے وقت حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''کبھی پانی والے تالاب کی مسجد بھی گئے ہو؟ والد صاحب نے عرض کی ''حضور! اکثر جایا کرتا ہوں۔'' فرمانے لگے ''کہاں بیٹھتے ہو؟''

انہوں نے عرض کی ''دیوار کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت صاحب قبلہؒ ارشاد فرمانے لگے ''وہاں طبیعت تو خوب لگتی ہو گی؟'' اس جگہ مولانا غلام محمد بگوی رحمتہ اللہ علی بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کی نسبت آتی ہے۔والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ نے پوچھا۔''کبھی

مولانا کے مزار پر بھی گئے ہو؟'' میں نے عرض کی ''حضور! مجھے تو ان کے مزار کا پتا ہی نہیں۔'' آپؒ نے فرمایا کہ کبھی جانا اور بات ختم ہوگئی۔

چند دن بعد لاہور میں ایک کفش دوز کے جنازے کے ہمراہ مجھے میانی صاحب جانا پڑ گیا۔ قبرستان کے آخری حصہ میں اچھرہ کے قریب انکی قبریں تھیں۔ چلتے چلتے راستہ میں ایسا معلوم ہوا کہ کسی صاحب قبر نے کہا ہے کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ پس میں ٹھہر گیا دیکھا تو قبر میں ایک صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ جن کے بال شانوں تک لہرا رہے ہیں اور لمبی نورانی ریش کے ساتھ بڑا بابرکت چہرہ ہے۔ مجھ پر کیفیت طاری ہوگئی ۔ میں وہیں کھڑا رہا اور جنازہ کے ہمراہ نہ جاسکا۔ جب وہ سب میت کو دفنا کر واپس لوٹے تو میں ان کے ساتھ ہولیا۔ تھوڑی دور لوگوں کے ساتھ آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ پوچھوں تو سہی کہ کون بزرگ ہیں۔ واپس اس مزار پر آیا تو ان سے عرض کی کہ صاحب بتایئے تو سہی کہ آپ کون ہیں تو وہ فرمانے لگے'' میں جالندھر کا رہنے والا ہوں اور سید ہوں۔ سہروردی خاندان سے میرا تعلق ہے ۔ میرا اسلام حضرت میانصاحبؒ کو پیش کرنا۔'' (انہوں نے اپنا نام بھی بتایا تھا لیکن کافی عرصہ ہوجانیکی وجہ سے بھول گیا ہے۔)

اتنے میں میرے وہ ساتھی جو میت کے ہمراہ آئے تھے بہت دور نکل گئے۔ گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت، میں راستہ بھول گیا ادھر ادھر بہت تگ و دو کی۔ لیکن راستہ نہ مل سکا۔ چند ساعتوں کے بعد دور ایک مزار نظر آیا جہاں قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور صاحب کی معیت میں نظر آئے یہ دیکھتے ہی وجد ہوگیا اور اسی حالت میں وہاں جا پہنچا۔ ہوش وحواس درست ہونے پر دیکھا کہ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

'حضرت مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد لاہور'

بڑا پر سرور اور فیض رساں مزار تھا۔ جب کچھ دنوں بعد شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مسکرا کر فرمانے لگے" کیوں بھئی! مولانا بگوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تھے؟" یہ سنکر میری آنکھوں کے سامنے تمام گزشتہ واقعات پھر گئے۔ یہ تھا تصرف آپکی ذات گرامی کا۔

مولانا بگویؒ کے ایک بھانجے (جو ان کے داماد بھی تھے) مولانا محمد ذاکر (مرحوم) تھے وہ بڑے بزرگ اور صاحب دل تھے۔ طبیعت ذکر اذکار میں رچی ہوئی تھی مولانا مذکور واقعی اسم با مسمےٰ تھے وہ اسلامیہ کالج میں عربی کے پروفیسر بھی تھے۔

مولانا غلام محمد صاحب بگویؒ سے ان کی بیعت تھی اور وہ ان کے خلیفہ تھے۔ والد صاحب محترم سے مولانا کے گہرے مراسم تھے۔ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اور مدارج علیا کے بڑے مداح تھے اور آپؒ کی ذات سے مولانا مذکور کو گہری عقیدت تھی حضرت صاحب قبلہ بھی مولانا بگوی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے ان کا خاص طور پر ذکر کیا کرتے۔

لاہور میں جب ان کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی وفات کی خبر دی لیکن آپؒ بعض مصروفیات کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کر سکے۔ شاہی مسجد میں مولانا کی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کرنے کے لیے انہیں بھیرہ لے جایا گیا۔ بعد میں آپؒ نے فرمایا" اچھا! ان کی قبر پر چلیں گے۔"

چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپؒ بھیرہ تشریف لے گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ اکثر شہر سے باہر آبادی سے کچھ دور قیام فرماتے۔ بھیرہ میں بھی آپؒ نے شہر سے باہر

عیدگاہ میں قیام فرمایا۔ والد صاحب جو ہمراہ تھے بیان کرتے ہیں ''ہم لوگ حیران و پریشان تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ عجیب بات جو لوگ ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں اور حضرت صاحب قبلہؒ کے عقیدتمند ہیں وہ ہماری طرف توجہ بھی نہیں دیتے جب ہم بازار میں سودا وغیرہ لینے گئے تو باوجود واقفیت کے کسی نے پوچھا تک نہیں اور نہ ہی کوئی حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آیا۔ ہم آپس میں چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جب شرقپور شریف جاتے ہیں تو انتہائی ادب و احترام سے پیش آتے ہیں اور آج نظر بھی نہیں ملاتے۔

چنانچہ ایک رات اور دن ایسے ہی رہا۔ دوسری رات مغرب کی نماز کے وقت اتنے لوگ آئے کہ عیدگاہ بھر گئی۔ کوئی عرض کرتا کہ حضور رات اس کے ہاں قیام کریں۔ کوئی منت سماجت کرتا کہ اس کے ہاں چلا جائے لیکن عشاء کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو رخصت کر دیا اور دوستوں سے پوچھا کہ لاہور کی طرف گاڑی کس وقت جاتی ہے۔ عرض کیا گیا پچھلی رات قریباً ۴ بجے گاڑی چلتی ہے۔ پس آپؒ نے اس گاڑی سے جانے کا حکم دیا اور صبح گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

گاڑی کے جس ڈبہ میں حضرت صاحب قبلہ اپنے احباب کی معیت میں تشریف فرما تھے اسمیں چند افراد تاش کھیلنے میں مصروف تھے انہیں کہا گیا کہ میاں صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں لہذا تاش کھیلنا بند کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا ''دیکھے ہیں کئی ایسے پیر جو تعویذ گنڈے کر کے عورتوں کو لے بھاگتے ہیں۔''

یہ سن کر آپؒ نے تاش کھیلنے سے روکنے والے دوست کو فرمایا'' کچھ نہ کہو یہ ٹھیک کہتے ہیں۔'' جب گاڑی شاہدرہ اسٹیشن پر ٹھہری تو سب اتر کر ٹموں کے ذریعے

شرقپور شریف آ گئے۔

دوسرے دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب بزرگوارم کو بیٹھک میں بلا بھیجا۔ والد صاحب جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گاڑی میں تاش کھیلنے والے کھلاڑی بیٹھے رو رہے تھے اور آپ مسکرا کر فرما رہے تھے "بھئی! پیر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ تم کہتے تھے۔" ان کے کہنے پر آپؒ نے انہیں سلسلہ میں داخل کر لیا اور سرکار کی توجہ سے انہوں نے گناہوں سے توبہ کر لی اور آپؒ کی نظرِ کرم اور تصرف سے وہ نمازی، تہجد گزار اور نیک ہو گئے۔ سبحان اللہ!

اس واقعہ کے چند دن بعد آپؒ نے بھیرہ ساتھ جانیوالے چند احباب سے فرمایا۔ "کیا تم آپس میں خیال کرتے تھے کہ وہاں ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں؟ تمہارے چہرے دیکھ کر مجھے بھی کچھ خیال آ گیا اور اگر ایک رات اور وہاں قیام رہتا تو پشاور تک تمام لوگ چلے آتے۔ تین روز سے استغفار پڑھ رہا ہوں کہ مجھے ایسا کیوں خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں۔"

صاحبزادگان حجرہ شریف کا فیصلہ

مولوی فضل حق صاحبؒ ایک صوفی منش انسان تھے۔ مولانا موصوف مشہور ومعروف پٹھان بزرگ اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اخوند صاحب کی وفات کے بعد ان کی اضطرابی کیفیت پھر عود کر آئی اور وہ غیر مطمئن سے رہنے لگے۔ سکون کی تلاش میں کئی جگہ پھرے لیکن کہیں بھی ان کی تسلی نہ ہوئی۔ کسی دوست نے انہیں شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا

مشورہ دیا۔ سووہ اسی دوست کے ہمراہ جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؒ نے نہایت مہربانی اور شفقت سے توجہ فرمائی اور مولانا کی طبیعت سکون واطمینان کی دولت سے مالا مال ہوگئی۔ مولانا مذکور حضرت صاحب قبلہ سے بیعت ہوگئے۔ مولانا حضرت قبلہ کی محبت میں ہر وقت سرشار رہتے اور آپؒ بھی کمال مہربانی اور محبت فرمایا کرتے کبھی کبھی آپؒ ان کے ہاں جایا بھی کرتے تھے۔

مولانا فضل حق صاحب ملازمت پیشہ تھے اور تحصیل داری کے عہدہ پر فائز تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب قبلہ سے اجازت لے کر چھ ماہ کی رخصت لی اور حج کے لیے دیارِ پاک چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اس رخصت کے قلیل عرصہ کے دوران میں قرآن پاک بھی حفظ کر لیا۔

مولوی فضل حق صاحب دیپالپور ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال) میں تحصیل دار تھے اور ان کی عدالت میں حجرہ شاہ مقیم کے سجادہ نشینان سیدؒ عارف علی شاہ صاحب و پیر سیدؒ علی شاہ صاحب کا ایک مقدمہ زیرِ سماعت تھا۔ حجرہ شریف حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجدادِ اعلیٰ کا پیر خانہ تھا اور آپؒ بھی سلسلہ قادریہ کی نسبت کی وجہ سے حجرہ شریف والوں کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ مقدمہ کے ایک فریق پیر سیدؒ علی شاہ صاحب نے سوچا کہ مولوی فضل حق تحصیل دار میانصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں لہٰذا حضرت صاحب قبلہ سے مولوی صاحب کے نام سفارشی رقعہ لانا چاہیے۔ تاکہ مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ چنانچہ پیر سیدؒ علی صاحب شرقپور شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں سفارشی رقعہ کے لیے عرض کی۔ آپؒ نے فرمایا ”آپ کی عزت واحترام کی وجہ سے کچھ عرض نہیں

کر سکتا۔ لیکن پیر صاحب مجھے بتائیے کہ لڑا کون کرتے ہیں۔ انسان تو نہیں لڑا کرتے اور آپؒ ہوئے سیّد بادشاہ جنت و دوزخ کے مالک آپؒ خود ہی کود کود کر دوزخ میں چھلانگیں لگانا شروع کر دیں تو آپ کو روکنے والا کون۔ بادشاہ اور مالک جو ٹھہرے۔"

یہ سن کر پیر سید علی شاہ صاحب حیران رہ گئے اور مایوس ہو گئے۔ لیکن آپؒ نے مولوی فضل حق کی طرف ایک چٹھی لکھ دی۔ اس چٹھی میں آپؒ نے لکھا "یہ ہمارے پیر خانہ میں سے ہیں اس لیے ان کا فیصلہ از روئے شریعت اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق کر دیں۔" وہ یہ چٹھی لے کر حیران و پریشان واپس چلے گئے اور سوچتے رہے کہ اس چٹھی کا انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تاریخ مقررہ پر فریقین عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل حق تحصیل دار نے دونوں صاحبان کو نہایت تعظیم و تکریم سے بٹھایا۔ لیکن پیر سید علی صاحب نے حضرت صاحب والی چٹھی دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب میں ہی رہنے دی۔ کرسی عدالت پر بیٹھے ہوئے مولوی فضل حق صاحب نے پیر سید علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شاہ صاحب میرے حضرت صاحب قبلہؒ والی وہ چٹھی تو مجھے عنایت فرما دیں۔" سبحان اللہ! مولوی فضل حق صاحب کی یہ بات سن کر فریق ثانی سید عارف علی شاہ بڑے سراسیمہ ہوئے اور گھبرا گئے کہ مولوی صاحب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور مخالف فریق والے آپؒ کی چٹھی لے آئے ہیں۔ مقدمہ کا فیصلہ یقیناً ان کے خلاف ہوگا۔ ابھی وہ سراسیمگی و حیرانی کے عالم میں سوچ ہی رہے تھے کہ مولوی فضل حق صاحب کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ تحصیل دار صاحب فرما رہے تھے۔

"پیر صاحب دیکھیے! یہ سامنے میز پر قرآن پاک رکھا ہوا ہے۔ جب آپؒ

حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس چٹھی لینے گئے تھے میں نے اسی رات میں آپؒ کا فیصلہ
از روئے شریعت اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق لکھ دیا تھا۔ یہ ہے آپؒ کا فیصلہ
اور میری سرکار کی چٹھی مجھے دے دیجئے۔'' چٹھی لے کر مولانا صاحب نے چٹھی کو بوسہ
دیا آنکھوں پر رکھا اور فرمانے لگے۔

''میں اپنی اولاد کو کہہ دوں گا کہ حضور کا یہ خط بعد از مرگ میرے کفن میں رکھ
دینا۔'' یہ تھا تصرف سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کہ جب مولوی فضل حق
تحصیل دار نے فیصلہ سنایا تو دونوں فریق بہت خوش ہوئے اور عدالت سے باہر دونوں
فریق یہ کہتے سنے گئے کہ ''مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا ہے۔'' دونوں ہی فیصلے کو
اپنی اپنی جانب منسوب کرتے تھے۔

زیارت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

تقسیم ہند سے کچھ برس پیشتر انجمن اسلامیہ شرقپور شریف کے پرائمری سکول
میں مولانا شیخ محمد علی صاحب (مرحوم ومغفور) دینیات کے استاد تھے بندہ ناچیز نے بھی
ان سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی ہے۔ استاذی محترم کو سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ
وسلم کی زیارت کا بہت شوق تھا اس مقصد میں کامیابی کے حصول کے لیے انہوں نے
بہت سے وظائف پر محنت کی لیکن گوہر مراد حاصل نہ کر سکے۔ نیز اس غرض سے اکثر
آستانوں اور مزارات پر حاضری دی۔

ایک دن سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھک میں بہت سے مہمانوں کو چائے
پلا رہے تھے۔ خوبی قسمت سے مولوی محمد علی صاحب بھی جو سرکار کے ارادتمندوں میں

سے تھے حاضری کے لیے آئے جیسے ہی اندر آئے حضرت صاحب قبلہ نے چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا "لے او محمد علی چاء پی۔" مولوی صاحب نے پیالی پکڑ لی اور جیسے کھڑے تھے ویسے ہی چائے کی طرف ٹکٹکی لگائے کھڑے رہے۔
جب سب مہمان چائے پی چکے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہتے ہوئے پیالی پکڑ لی کہ اگر نہیں پیتے تو لاؤ کسی اور کو دے دوں۔ حضرت صاحب قبلہ کا مولوی صاحب کے ہاتھوں سے پیالی چھینتا تھا کہ وہ دھڑام سے زمین پر آ رہے اور ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ آپ کسی کام کی وجہ سے اوپر مکان پر تشریف لے گئے تو لوگوں نے انکو اٹھایا اور وہ ہوش میں آئے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا۔ "جب حضرت صاحب قبلہ نے یہ کہہ کر کہ لو محمد علی چائے پیو۔ پیالی میرے ہاتھوں میں دی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چائے میں سے شکل نورانی نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نظر آ رہی ہے۔"
مولانا (مرحوم ومغفور) جب تک جئے اور جہاں کہیں بھی گئے۔ پیالیوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتے رہے کہ شاید کہیں ایک دفعہ پھر اس جمالِ جان فزاء اور حسن سراپا کی ایک جھلک نصیب ہو سکے، لیکن کہاں..........؟

کوئی میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا منظور ومحبوب تعلق والا ہو جو آنِ واحد میں اس رازِ معانی و نازشِ دوراں کی زیارت کرادے ورنہ کہاں ہم اور کجا دیدارِ شہ خوباں۔
میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کا یہ واقعہ مولانا (مرحوم) نے خود بھی مکان شریف خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں میں حضور میاںصاحبؒ کی بیٹھک میں بیسیوں احباب کی موجودگی میں روتے ہوئے سنایا۔
اچھرہ (لاہور) میں ایک بزرگ حافظ فتح محمد صاحب (مرحوم) ہوا کرتے

تھے۔ بڑے نیک آدمی تھے اور حکمت بھی کرتے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور دوست بھی۔ ان کے چہلم پر حضرت صاحب قبلہ مع کچھ احباب کے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ کوئی رات کے گیارہ بجے کے قریب پینتیس چالیس آدمیوں کی معیت میں آپؒ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھی عورت اونچی آواز سے السلام علیکم کہتی ہوئی آپؒ کے پاس آئی آپؒ نے فرمایا ''مائی جی! کیوں آئی ہو۔ مردوں میں عورتیں نہیں آیا کرتیں۔'' مائی نے عرض کی۔ ''حضور! میں حافظ صاحب کو پنکھا کرنے والی ہوں۔'' آپؒ نے ارشاد فرمایا ''وہ تو بزرگ آدمی تھے میں کوئی بزرگ تو نہیں ہوں۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا ''میں نے ایک عرض کرنی ہے۔''

حضور میاں صاحبؒ نے پوچھا ''وہ کیا ہے؟ بات کر۔'' مائی نے کہا ''سرکار! میرا جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ شریف جاؤں اور حضور کے روضہ پاک کی زیارت کروں۔'' ''کیا کرنا ہے وہاں جا کر؟'' آپ نے فرمایا۔ ''حضور! دل چاہتا ہے۔'' مائی جی بولیں۔

آپؒ نے فرمایا ''عشاء کی نماز کے بعد مصلّے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جایا کرنا اور درود شریف خضری پڑھنا شروع کر دینا۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ روضہ شریف کے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہوں۔'' آپؒ کا یہ فرمانا تھا کہ مائی زور زور سے اونچی آواز میں کہنے لگی۔

''خدا کی قسم میں روضہ شریف کے سامنے بیٹھی ہوں۔'' اور حضرت صاحب قبلہ یہ کہتے ہوئے کہ تُو تو کسی کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتی۔ اٹھ کر پاس کے ایک حجرہ میں چلے گئے۔

سالکاں را راہنما

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بزرگ صورت سفید ریش پیر ملاقات کے لیے آئے۔ان کے ساتھ پانچ سات ان کے مرید بھی تھے۔بوقت ملاقات حضرت صاحب قبلہؒ نے ان سے پوچھا کہ کونسی چیز آپ کے راہ سلوک پر گامزن ہونے کا سبب بنی۔انہوں نے عرض کی ''میں فوج میں ملازم تھا کہ دوران جنگ میں مجھے محاذ پر بھیج دیا گیا۔وہاں ایک دن میں نے اپنی پگڑی ازسرنو باندھنے کے لیے کھولی تو دیکھا کہ اس کے ہر بل میں ایک ایک گولی ہے اس طرح سات بلوں میں سے سات گولیاں برآمد ہوئیں۔یہ دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔اس واقعہ سے میرے قلب پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت وقدرت نے لرزہ طاری کر دیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا۔واہ مولا کریم! تو ایسا قدرتوں والا ایسا شفیق اور ایسا کارساز ہے کہ جنگ میں لوگوں کے سینوں سے پار ہو جانیوالی گولیاں اور وہ بھی سات۔تو نے میری پگڑی کے نازک بلوں میں چھپا کے رکھ دیں اور میں نے ملازمت چھوڑ دی اور اللہ تعالیٰ کی محویت میں کھو گیا۔'' اس کے بعد حضور میاں صاحبؒ نے پوچھا۔''تو اب کیا شغل ہے؟'' ان بزرگوں نے عرض کی ''میں نے ساتوں کے ساتوں لطائف طے کر لیے ہیں۔''

حضرت صاحب قبلہ یہ سنکر مسکرا دیے اور ارشاد فرمایا ''میں تو آج تک یہ نہ سمجھ سکا کہ اللہ کا نام بھی طے ہو جانے والا ہے؟'' نیز آپ نے فرمایا ''درخت کے مُڈ (جڑ) کو ہلائیں تو سارا درخت جنبش میں آجاتا ہے۔لطیفہ قلب ''مُڈ'' ہے یہ جاری ہو جائے

سب لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔'' یہ سننا تھا کہ ان بزرگوں پر رقت طاری ہو گئی
اور ان کی منزل طے ہو گئی۔
اوائل عمر میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر قصور رہا کرتے تھے۔ آپؒ
کے ننھیال میں سے بھی کچھ افراد قصور (بگا قلعہ) میں رہتے تھے اور قصور میں مدفون
بزرگ ہستیوں خاص کر عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپؒ کو بڑا خیال تھا
عبدالرسول صاحب کے مزار پر بھی آپؒ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب
قبلہ بازار میں جا رہے تھے تو آپؒ کا صوفی محمد ابراہیم صاحب جن سے کہ حضور کو بڑی
محبت تھی کی دوکان کے سامنے سے گزر ہوا۔ آپؒ صوفی صاحب کو مخاطب کر کے
فرمانے لگے۔
'' صوفی ابراہیم! دیکھ یہ جو اونچے اونچے مکان اور محل فنا ہو جانے والے ہیں
نظر آ رہے ہیں۔ اور جو باقی رہنے والا ہے اس طرح نظر نہیں آتا۔''
یہ کہہ کر آپؒ آگے چل دیئے۔ راہ سلوک کا زمانہ اولیں تھا۔ آپؒ اپنے کمبل کے
ایک سرے کو پکڑے ہوئے تھے اور باقی سارا کمبل بازار میں زمیں پر گھسٹتا ہوا آ رہا تھا
اور کچھ تنکے اور کانٹے دار لکڑیاں کمبل سے الجھی آ رہی تھیں اس وقت ایک سفید ریش
بزرگ جو کہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے مسجد کے پاس
کھڑے اپنے چند ایک مریدین سے محو گفتگو تھے اور فرما رہے تھے کہ تصوف کے
رموز و اسرار بڑے دقیق، اسکی راہیں بڑی مشکل اور اس کی منزل بہت کٹھن ہے۔''
پاس سے گزرتے ہوئے سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت نرم لہجہ سے
فرمایا ''یہ تو بہت آسان ہیں'' اور گزرتے چلے گئے۔ چلتے چلتے آپؒ عبدالخالق صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا پہنچے دیکھا تو پیچھے پیچھے وہ سفید ریش بزرگ بھی چلے آرہے ہیں۔ آپ کے پاس آ کر انہوں نے کہا "اے بیٹا! اے میرے عزیز! سلوک کی گرہیں کھولتے ہوئے میرے بال سفید ہو گئے ہیں اور میں نے یہی دیکھا ہے کہ یہ راہ بہت مشکل اور بڑی کٹھن ہے۔ لیکن تم نے بڑے بھولے پن سے یہ کہہ دیا ہے کہ بڑی آسان ہے۔"

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر یہ فرمایا "ہاں! یہ کام تو بہت آسان ہے۔" بابا جی نے پھر فرمایا "نہیں بیٹا یہ تو بہت مشکل ہے۔" اور آپؒ نے اپنی بات کا پھر تکرار کیا وہ بزرگ فرمانے لگے۔ "تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے؟" اور حضور میاں صاحب قبلہؒ نے فوراً جواب دیا ہاں ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُعْطِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم۔" یہ سننا تھا کہ بزرگ رو دیے اور رقت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے۔ "بیٹا! تو نے میری مشکل حل کر دی ہے اور مجھے اس منزل سے نکال کر آگے رواں کر دیا ہے۔" حضرت صاحب اپنا بیشتر وقت عبدالخالق صاحب کے مزار پر گزارہ کرتے تھے وہاں ایک حجرہ ہے اس حجرے میں آپؒ کثرت سے نوافل پڑھا کرتے اور فرمایا کرتے اس حجرہ میں ایک دفعہ فداہُ ابی و امی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عبدالخالق صاحب کی عیادت کو تشریف لائے تھے۔ ان دنوں جبکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ قصور میں کافی دن رہا کرتے تھے عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ کے مزار والی مسجد کی تیاری ہو رہی تھی۔ وہاں حضرت صاحب قبلہ نے مسجد کے سامنے حصہ پر بائیں طرف مینار کے نیچے ایک بڑے سے کنکر سے جلی حروف میں "یا شیخ سید عبدالقادر شیاء للہ" اپنے دست مبارک سے لکھا جس کے نقوش آج

بھی وہاں نظر آتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک پیر صاحب اپنے چند ایک مریدوں کے ہمراہ سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے شرقپور شریف آئے۔ دوران ملاقات میں پیر صاحب نے کہا ''حضور! میں کچھ بیمار ہوں۔ دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ صحت دے۔'' آپؒ نے فرمایا۔

''تم پیر ہو کر موت سے ڈرتے ہو وہ تو آنی ہی ٹھہری۔ ہمیں تو شوق اور وجدان ہونا چاہیے کہ'' ع

اساں 'جانا ماھی دے دیس .مک جا پونیے نی'

آپؒ نہایت ذوق وشوق سے پنجابی زبان کا یہ مصرع پڑھتے گئے اور حاضرین پر وجد طاری ہوتا گیا۔ سرور انگیز کیفیات سے احباب کے قلوب بھر پور ہو گئے اسی وجدان اسی شوق اور اسی انداز میں اس پنجابی مصرع کے ساتھ جھوم جھوم کر آپؒ نے فارسی کے اشعار بھی پڑھنا شروع کر دیئے۔

دلم بامن همیں گویدمنم شهباز لا هوتی
به سیرِ عالم قدسی پدیدن آرزو دارم
دریں غم خانه کثرت چرا باشم چرا باشم
که من در گلشن وحدت چمیدن آرزو دارم

آپ مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے اور عرفان وتجلیات کی بارش ہو رہی تھی کیف ونشاط، سرور ومستی کا بحر بیکراں تھا کہ قلوب جویاں اس میں غوطہ زن ہو کر گوہر عرفان کی تلاش میں محو ہو رہے تھے۔ اللہ اللہ! کیا ہی کیف آگیں اور سہانا وقت ہوگا۔ مذکورہ پیر صاحب جب وہاں سے واپس ہوئے تو اطمینان وایقاں کی دولت لیے

ہوئے تھے۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور گئے تھے اور حافظ حسین بخش (اندرون لوہاری منڈی) مٹ والے کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دوست نے ذکر کیا کہ کالا شاہ کاکو کے گردونواح میں ریل کی پٹڑی کے نزدیک ایک ''مست'' دھونی رمائے بیٹھا ہے اکثر لوگ اسے عارف سمجھتے ہوئے اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہاں کوئی اسٹیشن وغیرہ نہیں ہے کہ جہاں گاڑی کھڑی ہو اور آنے جانے والے سوار ہوں۔ لیکن اس مست کے پاس آنے والے عقیدت مندوں نے جب کبھی سوار ہونا ہوتا ہے تو وہ مست انگلی کے اشارے سے گاڑی کو ٹھہرنے کا حکم دیتا ہے تو گاڑی رک جاتی ہے اور اس کے عقید تمند سوار ہو جاتے ہیں۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ رات کو اکیلے میں انہوں نے بھی حضرت صاحب قبلہ سے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔ یہ سنتے ہی آپ کو جوش آ گیا۔ سرکار لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے۔

''جس آدمی نے یہ واقعہ سنایا ہے اسے بلاؤ۔'' چنانچہ اسے بلایا گیا تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ ''جاؤ اس مست فقیر کو کہہ دو۔ گاڑی کا کھڑا کر لینا کوئی کمال نہیں ہے کمال تو یہ ہے کہ لوگوں کے دل بدل دے اور جتنی روحانی طاقت ادھر خرچ کرتا ہے اسے لوگوں کے دلوں کی اصلاح پر خرچ کرے۔''

اس آدمی نے عرض کی کہ علی الصبح ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ اس آدمی کی روانگی کے بعد تین چار مرتبہ حضرت صاحب قبلہؒ نے پوچھا کہ وہ واپس نہیں آیا اس آدمی کی واپسی

آپؒ نے پوچھا "وہ مست کیا کہتا ہے؟"

اس نے عرض کی۔ "سرکار! وہاں پہنچ کر جب میں نے آپ کا فرمان سنایا تو اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور اپنا گریباں پھاڑ کر جنگل کی طرف دوڑ گیا۔" بعد میں سنا ہے اس دن کے بعد کسی کو اس کا سراغ نہیں ملا۔

دو قوال

شرقپور شریف سے شمال مشرق کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلے پر موضع غازی پور ہے وہاں میراثیوں کا ایک خاندان مقیم تھا اس خاندان کے افراد قوالی کیا کرتے تھے اور اسی پر گزر اوقات کرتے تھے۔ اس خانوادے میں دو بھائی شہاب دین اور چراغ دین کافی مشہور تھے ان کی آواز نہایت سریلی تھی اور وہ اچھے قوال تھے شہاب دین کبھی کبھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے شہاب دین سے کہا "تجھے گھوڑیوں کو مختلف چالوں پر چلانا نہیں آتا؟" عموماً تمہارے خاندان والے (یعنی میراثی) گھڑسوار ہوتے ہیں اور گھوڑیوں کو مختلف طریقوں پر چلانا سکھاتے ہیں۔" بھان بانی (یعنی گھوڑیوں کی چالوں کو بنانے والے) آجکل یہ کام نہیں رہا پہلے یہ ایک فن تھا شہاب دین نے کہا۔

"حضور! میں تو یہ کسب نہیں جانتا۔" آپؒ نے فرمایا "تمہیں بھی سوار بننا چاہیے۔"

شہاب دین میراثی تھا اور گانا بجانا اس کا پیشہ۔ گانے بجانے والوں سے ان کے تعلقات استوار ہونا ایک یقینی امر تھا۔ لاہور کے گانے بجانے والے میراثیوں (آجکل سب کو خانصاحب بولتے ہیں) اور طوائفوں کے ہاں بھی اس کا آنا جانا تھا۔

ایک دن شہاب دین لاہور گیا ہوا تھا کہ ایک طوائف نے کہا۔

''شہاب دین! مجھے فلاں راجہ نے گھوڑی دی ہے جو بہت خوبصورت اور اچھی نسل سے ہے لیکن چالوں سے بے خبر اور انجان ہے اسے لے جاؤ اور اسے چال سکھاؤ۔'' معاً شہاب دین کے ذہن میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے نقوش ابھرے اور اس نے سوچا حضرت صاحب قبلہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ تم بھی گھڑ سوار بنو پایہ صداقت کو پہنچتا نظر آ رہا ہے۔ لہذا مجھے دیکھنا تو چاہیے۔

یہ خیال کر کے شہاب دین اس گھوڑی کو سکھانے لگا۔ اس گھوڑی پر اس نے بہت محنت کی وہ گھوڑی ایسی نکلی کہ لوگ اسکی چال دیکھ کر عش عش کرتے۔ گھڑ سواروں میں شہاب دین کا شہرہ ہو گیا اور اس نے گانا بجانا چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا۔ حضرت صاحب قبلہ کی نظر کرم سے شرقپور شریف سے لاہور جانے والی سڑک پر اس نے کچھ زمین بھی خرید لی۔ اس پر کنواں لگوالیا اور محنت کر کے اپنی بسر اوقات کرنے لگا۔

شہاب دین نے داڑھی بھی بڑھالی وہ نہ صرف پکا نمازی بن گیا بلکہ تہجد گزار ہو گیا۔ یہ سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ اس کی یوں کایا پلٹ گئی۔

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ قبرستان ڈھراں والا (جہاں اب حضرت صاحب کا مزار شریف ہے) جا رہے تھے۔ جب آپ ''چنگی'' کے پاس پہنچے تو سامنے سے چراغ دین جو شہاب دین میراثی کا بھائی تھا چلا آ رہا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ سیدھے اسی کی طرف چلے آئے۔

چراغ دین نے جب آپ کو دیکھا تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ نے اس سے پوچھا ''کہاں سے چلے آ رہے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''حضور محمود کوٹ سے آ رہا

ہوں۔" اس کے کاندھے پر تھیلی میں لپٹی ہوئی سارنگی لٹک رہی تھی۔ آپ نے اس کو
ہاتھ لگا کر پوچھا "یہ کیا ہے؟" یہ سن کر وہ ہاتھ جوڑنے لگا اور کہنے لگا "سرکار! ہمارا
پیشہ جو ہوا۔ اسی کے ذریعے ہم کما کر پیٹ پالتے ہیں۔" آپؒ نے فرمایا۔ "دکھاؤ تو
سہی اس سے کیا کرتے ہو؟" اس نے کاندھے سے اتار کر سارنگی کو جو چھیڑا تو اس
سے 'چیں' کی آواز پیدا ہوئی۔ آپ نے جوش سے فرمایا۔ "ویکھیا ای! ایہہ کی کہندی
اے" آپؒ کا یہ فرمانا تھا کہ چراغ دین کو وجد ہو گیا۔ وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر
کے بعد اسے اٹھایا گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو روپے دیے اور
وہ چلا گیا۔ اس دن کے بعد سے چراغ دین نے بھی گانا بجانا چھوڑ دیا۔ داڑھی بڑھالی
اور نمازیں پڑھنے لگا۔ غالباً ان دونوں بھائیوں کی اولاد نے بھی یہ پیشہ اختیار نہیں کیا۔

تکمیلِ آرزو

گرمیوں کے دن تھے کوٹلہ شریف والی مسجد بن رہی تھی اور آپؒ بھی وہیں
تشریف فرما تھے کہ معماروں اور مزدوروں نے مستری کرم دین (مرحوم) جو کہ ایسے
تمام امور کے انچارج ہوا کرتے تھے سے کہا "گرمی اور دھوپ شدت کی ہے۔ لسی
نہیں ملتی؟" مستری صاحب تو پاس ادب کی وجہ سے خاموش رہے لیکن (مومن کی
فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) اگلی صبح اردگرد سے کئی ایک جٹ
عورتیں سروں پر چھاچھ کے مٹکے اٹھائے آتی نظر آئیں۔ معلوم ہوا کہ جیسے ہی انہوں
نے دودھ دوہا ہے ویسے کا ویسا ہی صبح مکھن چھاچھ کے مٹکے اٹھا کر لے آئی ہیں۔ جب
تک عمارت بنتی رہی ایسے ہی اردگرد سے چھاچھ آتی رہی کہتے ہیں چھاچھ ڈرموں میں

اکٹھی کی جاتی اور راج مزدور مزے لے لے کر چھاچھ پیتے اور مکھن کھاتے۔
ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرماتے ہوئے معماروں سے پوچھا "کیوں بھئی! اب تو کوئی تکلیف نہیں۔ اب تو لسی وغیرہ آجاتی ہے نا؟"

ہدایت واصلاح میں تصرف

کوٹلہ شریف کے موضع میں زیادہ تر زمین مکان شریف والے حضرت صاحب کی ہے اور جیسا کہ سابقہ صفحات میں لکھا جاچکا ہے۔ بابا امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ زمین کے انتظام کے سلسلہ میں خواجہ صاحب قبلہ کے حکم سے تشریف لائے تھے۔
بابا صاحب کی وفات کے بعد ایک دفعہ منتظمین نے یہ زمین سکھ زمینداروں کو ٹھیکہ پر دے دی۔ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے بہت محسوس کیا اور فرمایا۔
"کیا کوئی مسلمان زمیندار نہیں تھا جسے زمین ٹھیکہ پر دی جاتی۔ جو سکھوں کو دی ہے؟" آپؒ سے عرض کیا گیا کہ مسلمانوں میں ٹھیکہ پر لینے کا کوئی خواہشمند ہی نہیں تھا۔ اب تو ہم پٹہ لکھ کر بھی دے چکے ہیں۔ کچھ دنوں بعد وہ سکھ خود بخود ہی مکان شریف والوں کے پاس آئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم بعض امور کی بنا پر ٹھیکہ سے دست کش ہوتے ہیں آپ کہیں دوسری جگہ انتظام کرلیں۔" چنانچہ ٹھیکہ منسوخ ہوگیا۔
ٹھیکہ کی منسوخی کے چند دن بعد ہی میاں فتح اللہ لائل پوری حضرت صاحب کے پاس شرقپور شریف حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "حضور! ہمارا خیال ہے کہ ہم کوٹلہ

قریف والی زمین ٹھیکہ پر لے لیں۔" آپ خوش بھی ہوئے اور فرمایا کہ بہتر
ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہی زمین ٹھیکہ پر لے کر خوب آباد کی۔ انہوں نے کوشش
کر کے نہر کا پانی بھی اچھی مقدار میں لے لیا جس سے فصلیں بھی اچھی ہوئیں اور
زمین بھی سدھر گئی۔ میاں فتح اللہ غالباً ان دنوں مہتمم نہر تھے اور جب وہ شرقپور شریف
زمین کے بارے میں عرض کرنے حاضر ہوئے تھے ان کا قیام مانگا نوالہ بنگلہ میں تھا۔
ایک دن حضرت صاحب قبلہ نے میاں فتح اللہ بی۔ اے کینٹب جو آپؒ پر دیوانہ وار
فدا تھے سے کہا" تم نوکری چھوڑ دو۔ اب یہ تمہارے لیے بہتر نہیں رہی۔"

لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہ آئی۔ تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ میاں فتح اللہ پر
نوکری کے سلسلہ میں ایک مقدمہ بن گیا۔ وہ حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور عرض کی۔ آپؒ نے فرمایا۔" میں نے تو کہا تھا کہ نوکری چھوڑ دو لیکن تم نے خیال نہ
کیا۔" کہنے لگے کہ سرکار! اب مقدمہ سے جان خلاصی ہو جائے تو استعفےٰ دے دونگا۔ آپؒ
نے فرمایا" اللہ بہتر کریں گے۔" بعد ان کے خلاف جو مقدمہ تھا واپس لے لیا گیا اور
انہوں نے نوکری چھوڑ دی۔

راقم الحروف کے والد صاحب لاہور ہوا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت صاحب
قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ایک چٹھی تحریر فرمائی۔ آپ کا نوازش نامہ جب انہیں ملا تو وہ یہ
دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ لفافہ میں تو کوئی کاغذ وغیرہ نہیں صرف باہر یہ پتہ تحریر ہے۔

"عزیزی فضل الٰہی کشمیری بازار لاہور" کئی دن والد صاحب پریشان رہے اور
بار بار لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے لیکن وہاں کوئی تحریر دکھائی نہ دی۔

قریباً آٹھ دن بعد جب کہ وہ چٹھی کے تجسس میں لفافہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر لفافہ

کے جوڑ پر پڑی جو تھوڑا سا اکھڑا ہوا تھا۔ والد صاحب نے لفافہ اکھیڑ کر دیکھا تو وہاں یہ فقرہ رقم تھا۔ "دانہ کی طرح خاک میں مل جائے تو آگے صبر و قناعت بہتر۔"

بس پھر کیا تھا۔ یہ فقرہ پڑھ کر ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور کئی روز تک یہی حالت رہی۔ حضرت صاحب قبلہ کا تصرف دیکھئے کہ بظاہر ایک چھوٹے سے فقرہ نے انہیں کیف و سرور سے سرشار کر دیا اور ان پر ایسے ایسے اسرار و رموز ظاہر ہوئے کہ اگر بیان کیے جائیں تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔

اولیا را می شناسد اَولیاء

دُزد را هم دُزد داند بے ریاء

غیر جنسیّت نمیداند کسے

می شناسد جنس خود را ہر یکے

(اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ)

ولی را ولی می شناسد

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''ولی رحمتِ الٰہی کی دلہن ہے اس کا سمجھنا بڑا مشکل ہے۔'' سرکار حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔

''ولیوں کی مختلف اقسام ہیں۔ ایک ولی وہ ہوتے ہیں جو منصب ولایت پر تو فائز ہوتے ہیں لیکن انہیں خود پتا نہیں ہوتا کہ وہ اس منصب پر فائز ہیں۔ لیکن عوام الناس انہیں ولی سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم ان ولیوں کی ہے جو منصب ولایت پر فائز تو ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کا پتا بھی ہوتا ہے لیکن عوام الناس نہیں جانتے۔ تیسری قسم کے ولی وہ ہوتے ہیں جنہیں نہ تو خود پتا ہوتا ہے اور نہ عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ منصب ولایت پر فائز ہیں اور دوسرے ہوتے وہ ولی ہی ہیں۔ چوتھی قسم ان اولیاء اللہ کی ہے جو اس منصب پر فائز ہوتے ہیں اور اس منصب کا انہیں خود بھی پتا ہوتا ہے اور عوام کو بھی خلق اللہ کو ایسے اولیاء سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔''

میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ بفضل تعالیٰ ولایت کے تمام اوصاف سے متصف تھے۔ جہاں ایک طرف آپ کو قبولیت نامہ حاصل تھی تو دوسری طرف مقتدر اور بلند پایہ ہستیوں نے بھی آپ کا لوہا مانا۔ آپؒ کی پیدائش سے پیشتر کئی ایک اولیاء اللہ نے آپؒ کے متعلق پیش گوئیاں کیں اور آپؒ کے ہمعصر اولیاء کرام نے آپؒ کے کمالات اور درجات عالیہ کا اعتراف کیا۔

ذیل میں چند ایک باکمال، عارفان باللہ اور بزرگ شخصیتوں کے ایسے واقعات

درج کیے جاتے ہیں۔ جن کا تعلق سرکار میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور جن کے پڑھنے سے قاری پر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور شخصیت کے ایسے گوشے ظاہر ہوں گے جن سے آپؒ کی عظمت، فیوضات کمال اور کمالات خصوصی سے متعلق وہ مواد ملتا ہے جس سے کہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دور حاضر میں منفرد اور یگانہ حیثیت حاصل ہے۔

(واقعات کی تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھیں)

آغا سکندر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آغا سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ لاہوری اور ان کے جد امجد حضرت سید حسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین تھے۔ آغا صاحب قادری سلسلہ کے صاحب نسبت کامل بزرگ تھے ان کے متعلق حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔ "سو ولی اللہ جمع کیے جائیں تو آغا سکندر شاہ صاحب انکی امامت کے لائق ہیں۔"

آغا صاحب کو حضرت صاحب قبلہ سے والہانہ محبت تھی اور حضرت صاحب قبلہ بھی ان کو بہت چاہتے تھے۔ آغا صاحب کئی دفعہ حضور کو ملنے شرقپور شریف بھی تشریف لائے میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گیارہویں شریف میں شرکت کے لیے لاہور جایا کرتے تھے اور جب آغا صاحب وہاں تشریف لائے ہوتے تو حضرت صاحب قبلہ خاص طور پر ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے۔ آغا صاحب کی ملاقات کے لیے حضرت صاحب قبلہ پشاور بھی گئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پشاور سے واپسی پر ہی آپؒ مہرولایت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ جب آپؒ پیر صاحب کے ہاں پہنچے تو وہ پلنگ پر دراز تھے آپؒ نیچے ہی فرش پر دوزانو بیٹھ گئے اس وقت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاضرین کے سامنے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی تفسیر بیان فرما رہے تھے۔ چند ساعتوں کے بعد حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''حضرت! اس سے آگے ثُمَّ رَدَدْنٰـهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ پر بھی غور فرمایئے۔''

یہ سن کر قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سامعین سے مخاطب ہو کر پنجابی زبان میں فرمایا۔ ''ویکھو بھئی! جتھے ایہہ جناں جا اَڑیا اوتھے مانہہ نہ اَڑ سکیا۔'' (یعنی جہاں یہ مردِ خدا جا پہنچا ہے وہاں میں نہ پہنچ سکا)۔ اس کے بعد سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر صاحب سے 'کچھ' بات کہی تو وہ خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپؒ نے رخصت کی اجازت لی تو پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا جواب دیا۔ واپس شرقپور شریف آ کر آپؒ نے فرمایا ''علم تو یوں تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو لیکن میری بات کا جواب تو دیر سے دیا تھا۔'' بعد ازاں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو یہاں شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بتایا کہ پیر صاحب فرماتے تھے۔

''میں حیران ہوں کہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا عروج کیسے پایا۔ میں جب بھی مولائے کل فخر رسل سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچہری میں حاضر ہوتا

ہوں تو میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی داہنی طرف ہی بیٹھے ہوتے ہیں۔"

ایک دفعہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپور شریف تشریف لائے تو حضرت صاحب قبلہ سے کہنے لگے "چلو! یہاں کے مزارات پر چلیں۔" چنانچہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور آغا صاحب تخی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ مراد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ہاشم شاہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر تشریف لے گئے۔ ہر ایک مزار پر صاحب مزار کے مقامات پر گفتگو ہوئی۔ بالآخر یہ دو صاحبان نے اس بات پر اتفاق فرمایا کہ حافظ ہاشم شاہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت شاہ امیر بالا، پیر فرزند ارجمند حضرت محمد شاہ مقیم حجروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں کا مقام بہت بلند ہے۔

حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرہانے کی طرف ایک برآمدہ ہے جس میں گیارہویں شریف کی محفل ہوا کرتی تھی اور ختم شریف کے بعد دروازہ بند کردیا جاتا اور آغا صاحب کے مریدین کی ایک خاص مجلس ہوتی جس میں محبت آمیز اور عشقیہ اشعار پڑھے جاتے۔ چنانچہ ایک محفل میں جب کہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میر مجلس تھے۔ خوب وجدانی کیفیت پیدا ہوئی۔ پڑھنے والا عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی ایک غزل سنا رہا تھا جب اس مصرعہ پر پہنچا کہ۔

ع جس نے اپنا آپ جلا پیا اسکو جام شراب کیا چاہیے۔

محفل تڑپ اٹھی۔ رقت طاری ہوگئی اور لوگ وجد میں آگئے۔ والہانہ انداز میں اس مصرعہ کی تکرار ہونے لگی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں ایک مصرعہ پر ہی صبح ہوگئی۔

چند خاص مریدین نے آغا صاحب سے عرض کی "حضور! ہم حیران ہیں کہ ہماری محفل میں غزلیں اور اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ سوز عشق سے دلوں کو گرمایا جاتا ہے تب کہیں خاصی محنت سے وجدان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں کہ ادھر گیارہویں شریف میں درود شریف کی چادر بچھی اور وہ دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں اور عشق کی سرمستیاں انکو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔"

یہ سن کر آغا صاحب رو دیے اور فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ ان کا پیر کس شان کا ہے؟ جس شان کا ان کا پیر ہے اس شان کے اس پیر کے مرید ہیں۔ نہ میں اس شان کا نہ تم اس شان کے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہماری محفل کی گرمی میانصاحب کے آنے سے کس طرح ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔"

شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بعض ضروریات کے پیش نظر ایک عمارت بنانے کی تجویز ہوئی۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کافی روپیہ کی ضرورت تھی جو بظاہر ناممکن الحصول نظر آتا تھا۔ آغا سکندر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتا چلا تو انہوں نے ایک آدمی پر تصرف فرمایا تو اس اکیلے نے ہی ساری عمارت بنوا دی۔ جب میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؒ نے فرمایا "آغا صاحب کو عمارت کے لیے تصرف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی کسی انسان پر تصرف کرتے اور اسے بندہ بنا دیتے۔"

ایک دن آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ "میرے بڑے لڑکے کا تصوف کی طرف رجوع کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کہیے کہ اپنے فضل سے ایک ایسا بچہ عطا فرمائیں جو اپنے اجداد کے سلسلہ فیض کو جاری رکھتے ہوئے

خلق خدا کی خدمت کرے۔" آپؒ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔" آپ منظور بارگاہ الٰہی ہیں۔ آپ خود دعا فرما دیں۔" لیکن آغا صاحب نے بہت اصرار کیا اور آپؒ خاموش رہے۔ کچھ عرصہ بعد آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب وہ بچہ چار پانچ برس کا ہوا اور آغا صاحب اپنے ہمراہ اسے لاہور لائے تو ملاقات کیوقت اس بچے کو انہوں نے حضرت صاحب قبلہ کے حضور پیش کیا۔ لڑکا بڑی تعظیم سے پیش آیا۔ آپؒ نے بڑی محبت فرمائی اور پیار کیا۔ آغا صاحب نے فرمایا" یہ آپؒ کا ہی بچہ ہے۔"

آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے وہی صاحبزادے سجّادہ نشین ہوئے۔ ان کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت سرمست و بیخود رہتے اور وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ کبھی کبھی کپڑے پھاڑ کر جنگل کو چل دیتے۔ ایک دفعہ صاحبزادہ صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ از راہ شفقت انکو ملنے گئے۔

مجھ عاجز کے والد مکرم (حاجی فضل الٰہی صاحب مونگا) فرماتے ہیں کہ میں کوچہ حکیم شاہ دین میں اپنے (عارضی) مکان پر سویا ہوا تھا کہ اچانک رات کے گیارہ بجے دروازہ پر مستری کرم دین صاحب کی آواز سنائی دی۔ باہر آ کر دیکھا تو ان کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ میں جلدی ہی کپڑے پہن کر ساتھ ہو لیا۔

آپؒ نے فرمایا۔" آغا سکندر شاہ صاحب کے صاحبزادہ صاحب [1] آئے

---

[1] مشہور و معروف مسلم لیگی لیڈر اور پنجاب کے سابق گورنر سردار عبدالرب نشتر (مرحوم) آغا سکندر علی شاہ صاحب کے انہی صاحبزادہ صاحب سے بیعت تھے۔

ہوئے ہیں انہیں ملنے آیا ہوں۔ ہم شاہ محمد غوث چلے آئے اور رات وہیں مقیم رہے۔ صبح صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آئے اور حضرت صاحب قبلہ نے بھی بڑی شفقت فرمائی اور بڑے خوش ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب نے آپؒ سے عرض کی ''آپ میرے والد صاحب کی جگہ ہیں۔ میری طرف خاص توجہ فرمایا کریں۔'' آپ نے کھانا وہیں تناول فرمایا اور مستری کرم دین صاحب سے کہا۔ ''تم بازار سے۔ سودا سلف لے آؤ اور لوہاری منڈی آجانا۔'' حضرت صاحب قبلہ نے حاجی فضل الٰہی کو ہمراہ لیا اور یہ کہتے ہوئے کہ چلو ذرا ''وٹوانی'' کرلیں وہاں سے چلے آئے۔

والد صاحب کہتے ہیں جب ہم دہلی دروازہ کے چوک میں سے گزرے تو مجھے خیال ہوا کہ کچھ سنگترے لے لیے جائیں۔ میں سنگترے لینے کھڑا ہوگیا اور حضرت صاحب قبلہ آگے نکل گئے سنگترے لے کر پیچھے بھاگا تو دیکھا آپؒ یکی دروازہ کے باہر میاں عبدالعزیز مالواڈہ بیرسٹر کے مکان کے ساتھ والی مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہی مسجد میں چلا گیا۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ''مجھے سنگتروں کا خیال آیا تھا۔ اب تو گناہ زیادہ ہوگئے ہیں پہلے تو جس چیز پر نظر پڑتی تھی سارے بدن میں اسی کا ''سواد'' بھر جاتا تھا حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی نظر آجاتا تو اس کی ساری زندگی کا عکس میرے سامنے آجاتا۔'' یہ کہنے کے بعد آپؒ باہر آگئے اور جوتی کو جھاڑ کر یہ فرماتے ہوئے اندر لے آئے ''بھئی! سنا ہے لاہو میں جوتیاں چوری ہو جاتی ہیں۔'' وہیں مسجد میں بیٹھ کر آپؒ نے چند ایک سنگترے کھائے اور مصری شاہ کی طرف جہاں ان دنوں جنگل ہوا کرتا تھا چلے آئے۔ کچھ دور ایک باغ میں آپؒ نے حاجات ضروریہ سے فراغت حاصل کی اور نزدیک ہی ایک مسجد میں (جس کے ساتھ ایک تھڑا

سا بنا ہوا تھا استنجا کیا اور اپنی عادت کے مطابق اپنے ہاتھوں سے غسل خانہ میں پانی ڈال کر غسل فرمایا۔) نفل ادا کیے اور فرمایا "یار! دعا کر یہ مسجد (۱) آباد ہو جائے۔"

حاجی فضل الٰہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم واپس شاہ محمد غوث آگئے اور صاحبزادہ صاحب کو مل کر اکبری دروازہ سے ہوتے ہوئے سریوں والے بازار چلے آئے۔ وہاں بازار میں خطائیوں (ایک طرح کے بسکٹ) والی ایک دکان پر ایک سفید ریش، بھاری بھر کم، خضر صورت، نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے آپؒ ان کے پاس گئے اور زانوؤں پر ہاتھ رکھ کر سلام مسنون کہتے ہوئے فرمایا۔ "بابا جی! کیا حال ہے؟"

بابا جی نے کہا "الحمد للہ۔" یہ سن کر آپؒ آگے نکل گئے اور بابا جی اونچی آواز میں میں پکارنے لگے "میاں صاحب ذرا ٹھہریئے! ذرا ٹھہریئے۔" آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ چلے آؤ۔ قریب ہی محلہ ککے زئیاں میں اونچی مسجد میں آپؒ تشریف لے گئے اور فرمایا۔

"یہاں بابا محمد حجام، میر جان صاحب سجادہ نشین حضرت ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرید کہیں رہتا ہے۔" ابھی آپؒ یہ فرما ہی رہے تھے کہ بابا محمد آگیا اور بڑی عقیدت سے آپؒ کو ملا اور کہنے لگا۔ "مجھے مدت سے میاں صاحب قبلہ کی زیارت کا اشتیاق تھا آج اللہ تعالےٰ نے یہ آرزو پوری کر دی ہے۔" حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بابا محمد حجام پر کمال مہربانی فرمانے کے بعد پوچھا۔ "یہاں مسجد میں شرقپور کے ایک حافظ غلام نبی پیش امام ہیں، وہ کہاں ہیں؟" بابا جی نے عرض کی "حضور! وہ تو

۱؎ آج کل اس جگہ ایک فراخ اور خوبصورت مسجد آباد ہو چکی ہے اور اس کے اردگرد بڑی گنجان آبادی ہے نمازیوں سے یہ مسجد ہر وقت آباد رہتی ہے۔

کئی دروازہ رہتے ہیں اور نماز کے وقت ہی آتے ہیں۔"

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حافظ صاحب تشریف لے آئے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا" اپنی لڑکی کو گھر کیوں بٹھا رکھا ہے اس کو سسرال کیوں نہیں بھیجتے۔ حافظ صاحب نے چند ایک شکایات عرض کیں۔ لیکن آپ ؒ نے لڑکی بھیج دینے پر ہی اصرار کیا۔ حافظ صاحب کہنے لگے۔" سرکار! کوئی لینے بھی آئے وہ تو آتے ہی نہیں۔" حافظ صاحب ابھی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ مہر بخش گولی جو اس لڑکی کا سسر تھا آگیا۔ اور آپ حافظ صاحب کو مہر بخش کے ساتھ لڑکی رخصت کرنے کی ہدایت فرما کر وہاں سے چلے آئے۔ سبحان اللہ حضرت صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی وقت ایسا نہیں تھا جس میں اصلاح احوال، فیض رسانی اور تبلیغ کا مشن آپ ؒ کے پیش نظر نہ ہو آپ جہاں بھی گئے اور جب بھی کوئی موقع ملا آپ ؒ نے اس تبلیغی اور اصلاحی پروگرام کو جاری رکھا آپ ؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کسی کے ہاں جاؤ تو دو باتیں پیش نظر رکھو وہ یہ کہ یا تو دوسرے شخص کو فیض دیا کرو یا اگر وہ تم سے اعلےٰ صلاحیتوں کا مالک ہے تو اس سے فیض حاصل کرو۔ یہ دونوں باتیں تبلیغ میں شامل ہیں۔

حافظ غلام نبی صاحب کو انکی لڑکی کی رخصتی کے متعلق ہدایت فرمانے کے بعد جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے آئے تو آپ ؒ نے سوہا بازار سے لنگر کے لیے کچھ دالیں خرید فرمائیں اور کسیرے بازار سے کچھ برتن خریدے لیکن اس خریداری کے دوران میں کسی آدمی نے بھی آپ ؒ سے علیک سلیک نہ کی حالانکہ وہاں کافی تعداد میں آپ ؒ کے عقیدتمند رہتے تھے۔ میں حیران تھا (حاجی فضل الٰہی) کہ جاننے والے بہت ملے ہیں لیکن کسی نے بلایا ہی نہیں۔ چلتے چلتے آپ ؒ لوہاری منڈی

اونچی مسجد میں تشریف لے آئے وہاں آپکو ملنے کے لیے اتنے لوگ آئے کہ مسجد تمام کی تمام بھر گئی اور گلی میں کھوے سے کھوا چھلنے لگا۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ اس دھکم پیل اور ہجوم میں میں پیچھے رہ گیا اور دروازہ پر کھڑا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا "اسے آگے آنے دو۔" اس واقعہ سے میرے ذہن میں فوراً یہ حکایت ابھر آئی کہ سرتاج الاولیاء حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب مسجد میں جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو مشتاقان غوث کا ایک ہجوم ہوتا جو قدمبوسی کے لیے وارفتگی میں سرکار کے پائے اقدس پر گرتا تھا۔ ایک ضعیف العمر انسان اکثر یہ نظارہ دیکھتا اور ناطاقتی کی وجہ سے اپنی محرومی پر کف افسوس ملتا اور بڑی ہی حسرت سے کہتا۔ "کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کبھی اکیلے میں مجھے بھی شرف باریابی حاصل ہو؟"

چنانچہ ایک دن حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اکیلے ہی اسکی دکان پر تشریف لے آئے وہ فوراً نیچے اترا قدمبوسی کر کے آپؒ کے ساتھ ہولیا۔ جامع مسجد تک وہ بوڑھا آدمی سرکار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور حیرانی کے عالم میں یہ دیکھتا رہا کہ سارے راستے میں ایک آدمی نے بھی حضور کو سلام نہ کیا۔ اس بات سے اس بوڑھے کو گمان ہوا کہ کہیں یہ سرکار غوث کے حلیہ کا کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔ ابھی اس خیال کا اس کے دل میں گزر ہی ہوا تھا کہ خلقت ہر طرف سے آپکی قدمبوسی کے لیے آنے لگی اور اتنی بھیڑ ہوگئی کہ اس کو پیچھے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوتے ہی بنی۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مسکرا کر فرمانے لگے۔

"یہ تو تیری اپنی قسمت کہ تجھے یہ خیال ہوا ورنہ میں نے آج سارا دن تیرے

لیے وقف کر دیا تھا یہ تو ہمارے اختیار میں ہے کہ کسی کو پاس آنے دیں یا نہ آنے دیں۔''سبحان اللہ!

شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شرقپور شریف سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں 'ڈھانا' ہے۔ وہاں کا ایک باشندہ محمد معصوم حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمندوں میں سے تھا۔ اس کا باپ بھی آپؒ سے ہی بیعت تھا۔

محمد معصوم لاہور میں اینٹیں پکانے والے ایک بھٹہ پر ملازم تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی کاروباری سلسلہ میں دہلی گیا۔ اہل نسبت حضرات جن کا تعلق کسی مردِ کامل سے ہو کے دلوں میں ہر وقت یہ جذبہ موجود رہتا ہے کہ کسی بزرگ ہستی سے فیض حاصل کیا جائے حضرت صاحب قبلہ سے تعلق کی وجہ سے محمد معصوم کا دل بھی جستجو و آرزو سے ہمکنار تھا جب وہ دہلی پہنچا تو اس نے کسی سے پوچھا ''یہاں دہلی میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رہتے ہیں۔ وہ کہاں مل سکیں گے؟'' اور پتہ معلوم کر کے محمد معصوم ان کے آستانہ جا پہنچا۔

وہاں یہ دستور تھا کہ جب شاہ ابوالخیر صاحب مجلس میں تشریف لا کر بیٹھتے تو پٹھان مقربین آپؒ کے سامنے ملاقاتیوں کی درخواستیں پیش کرتے اگر شاہ صاحب خاموش رہتے تو ملاقاتی کو ملنے کی اجازت دے دی جاتی اور اگر شاہ صاحب انکار فرما دیتے تو پھر ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حسبِ دستور جب شاہ ابوالخیر صاحب تشریف لائے تو محمد معصوم کی درخواست بھی پیش کر دی گئی لیکن ملاقات کی اجازت نہ مل سکی اور وہ

بے نیل مرام واپس لوٹ آیا۔ کچھ دنوں بعد محمد معصوم شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر پوچھا ''کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟'' ''جی ! ایک کام کے سلسلہ میں دہلی گیا تھا۔'' محمد معصوم نے جواب دیا۔

''وہاں شاہ ابوالخیر صاحب ہیں۔ ان کے پاس بھی گیا تھا؟'' آپ نے پوچھا کہنے لگا۔ ''حضور! گیا تو تھا لیکن ملاقات نہ ہو سکی اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔'' آپ نے فرمایا۔ ''اب کے دہلی جانا ہو تو ضرور انکی خدمت میں حاضر ہونا۔'' یہاں سے واپس لاہور جاتے ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اسے پھر دہلی جانا پڑا۔

محمد معصوم کے بیان کے مطابق جب وہ ریل گاڑی میں سوار دہلی پہنچا تو ریلوے اسٹیشن پر چند ایک پٹھان اس کا نام، اس کے والد کا نام، اس کے گاؤں کے نام کے ساتھ اونچی آواز سے پکار رہے تھے۔ پٹھان گاڑی کے ایک سرے سے چلتے اور دوسرے سرے تک ہر ڈبہ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتے ''محمد معصوم فلاں کا بیٹا 'ڈھانا' پنجاب کا رہنے والا کوئی ہے؟''

محمد معصوم یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا تو یہاں کوئی ایسا واقف یا جان پہچان رکھنے والا نہیں ہے جو اس کے باپ اور گاؤں کا نام بھی جانتا ہو حیرانی کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر جب تمام مسافر پلیٹ فارم سے چلے گئے تو محمد معصوم نے پٹھانوں سے پوچھا۔

''بھئی! تم نے محمد معصوم کو کیا کہنا ہے؟'' ان پٹھانوں نے پوچھا ''کیا تم ہی محمد معصوم موضع 'ڈھانا' پنجاب کے رہنے والے ہو؟'' اور یہ معلوم ہو جانے پر کہ یہی مطلوبہ شخص ہے انہوں نے کہا۔

''ارے میاں! شاہ ابوالخیر صاحب نے ہمیں تم کو لینے بھیجا ہے۔ سٹیشن سے باہر

کار کھڑی ہے ہمارے ساتھ چلو تم ان کے مہمان ہو۔" اور محمد معصوم ان کے ہمراہ کار میں سوار ہو کر شاہ ابوالخیر صاحب کے ہاں جا پہنچا۔ جب وہاں شاہ ابوالخیر صاحب سے اس کا سامنا ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا۔

"ارے میاں! تم ناراض ہو گئے ہو۔ تم تو ہمارے اپنے آدمی ہو۔" محمد معصوم کافی دن دہلی مقیم رہا اور جب تک رہا انہی کے ہاں ہی رہا۔ شاہ صاحب اس سے بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے اور شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کا شرف بڑے سے بڑے نوابوں کو بھی حاصل نہیں ہوا تھا لیکن محمد معصوم جب تک وہاں رہا شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کی سعادت سے بہرہ ور رہا۔

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر رہائش پذیر ہوئے۔ لاہور کی اقامت کے دوران ایک دن شاہ صاحب شالامار باغ دیکھنے جا رہے تھے کہ راستہ میں باغبانپورہ سے گزر ہوا اور آپ فرمانے لگے۔

"ارے میاں! یہاں کہیں پاس ہی کسی بھٹے پر محمد معصوم رہتا ہے اسے تو بلاؤ۔" چنانچہ ایک آدمی گیا اور محمد معصوم کو بلا لایا۔ آپ نے اس سے بہت پیار کیا اور اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر ہمراہ لے گئے۔ راستہ میں شاہ صاحب نے محمد معصوم سے کہا "ارے میاں! کیا تم تھوڑی دیر کے لیے اپنے پیر کو یہاں لا سکتے ہو؟" اس نے جواب دیا۔ "جناب! لا تو نہیں سکتا۔ عرض کر سکتا ہوں۔"

یہ سن کر شاہ صاحب نے فرمایا "ہاں بھئی! میرا تانگہ لے جاؤ اور میری طرف سے بھی عرض کرو کہ یہ بوڑھا کہتا ہے کمزور ہوں، آنے میں دقت ہے اگر آپ تشریف

لے آئیں تو مہربانی ہو گی۔"

سو محمد معصوم ان کا تانگا لے کر شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تشریف لے چلنے کے لیے عرض کی۔ حضرت میاں صاحب قبلہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تانگہ پر شاہ صاحب کی ملاقات کے لیے عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر پہنچے۔ حضرت صاحب قبلہ شاہ ابوالخیر صاحب سے فاصلہ پر ہی دو زانو بیٹھ گئے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد شاہ ابوالخیر صاحب نے میاں صاحب قبلہ کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے خلفاء اور مریدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "دیکھو! تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے چالیس چالیس برس ہو گئے ہیں۔ یہ عزیز آیا ہے اور اس نے آتے ہی مجھے لوٹ لیا ہے۔" یہ کہنے کے بعد شاہ صاحب آپؒ سے پیار بھری باتیں کرنے لگے۔

شاہ صاحب گنجینۂ اسرار تھے تو سرکار میاں صاحب منبع فیوضات۔ دونوں باکمال اہل نسبت صاحبان کا باہم مل کر بیٹھنا عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی تھی پیشانیوں سے نور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ حاضرین کے قلوب یادِ الٰہی میں محو تھے۔ ان عارفانِ الٰہی کے قلوب پر تجلیوں کی ضیا باریاں ہو رہی تھیں اور کرنیں پھوٹ پھوٹ کر حاضرین کے دلوں کو منور کیے جا رہی تھیں۔ اللہ اللہ کیا پرلطف منظر ہو گا اور کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسی نیک مجلسوں میں روح کی بالیدگی کے لیے غذا حاصل کرتے رہے۔

کچھ دیر یہی کیفیت طاری رہی اس کے بعد حضرت صاحبؒ قبلہ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور شاہ ابوالخیر صاحبؒ الوداع کہتے ہوئے مکان پر اور اوپر جانے کے

لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاجی مستری کرم دین صاحب حاجی فضل الٰہی اور دیگر احباب آپؒ کے ہمراہ تھے انہوں نے شاہ صاحب جو کہ بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے آسانی سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے، کو دو طرف سے کندھوں کا سہارا دیا جب شاہ صاحب سیڑھی چڑھ لیتے تو سہارا دینے والے اپنا گھٹنا نیچے زمین پر ٹیک دیتے تھے اور شاہ صاحب ساتھ فرماتے جاتے تھے۔ ''ارے میاں صاحب کے مرید کیا کوئی آدمی ہیں! ارے نہیں! یہ تو کوئی فرشتے ہیں۔ فرشتے۔''

ایک دفعہ قبلہ سید عبداللہ شاہ صاحب سابق پیش امام مسجد میاں صاحب شرقپور شریف سے دہلی گئے اور انکے دل میں بھی شاہ ابوالخیرؒ کی ملاقات کا شوق چرایا۔ چنانچہ عبداللہ شاہ صاحب ان کے ہاں جا پہنچے۔ وہاں حسب دستور ملاقاتی درخواستیں دے رہے تھے انہوں نے بھی ملاقات کے لیے درخواست دے دی اور انہیں اندر بلا لیا گیا یہ بھی اور لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھ گئے۔ حلقہ میں حکیم اجمل خاں جیسے بڑے بڑے رؤسا اور عمائدین شہر بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ ابوالخیر صاحب ہر ایک سے پوچھتے ''ارے! کیا لایا ہے؟'' جو کچھ بھی وہ کہتا سن کر آپؒ فرماتے۔ ''بہت تھوڑا لایا ہے۔'' کوئی پانصد کہتا کوئی ہزار لیکن آپؒ یہی فرماتے کہ نذر تھوڑی لایا ہے حکیم اجمل خاں سے بھی پوچھا۔ ''حکیم صاحب کیا لائے ہو؟'' وہ خاصا امیر آدمی تھا اور اچھی خاصی مقدار میں نذر لایا تھا لیکن آپؒ نے یہی فرمایا ''ارے! بہت تھوڑی (1) لایا ہے۔''

حکیم اجمل خاں کے بعد ہمارے عبداللہ شاہ صاحب کی باری تھی۔ شاہ ابوالخیر

---

1. شاہ صاحب کے ہاں ہر وقت بہی کھاتے لیے ایک منشی بیٹھا رہتا تھا۔ جو نذریں آتیں اسی کے سپرد کر دی جاتیں وہ محفوظ کر لیتا۔ شاہ صاحب فرماتے ان دنیا والوں نے کیا سمجھ رکھا ہے یہاں کوئی آئے تو ہوش سے آئے۔ (یہ شاید بطور امتحان تھا)

صاحب نے عبداللہ صاحب سے پوچھا۔" ارے میاں! کیا لائے ہو؟" عبداللہ شاہ صاحبؒ نے فی البدیہہ کہہ دیا۔" حضور! میں اپنا آپؒ لایا ہوں۔"

یہ سننا تھا کہ شاہ ابوالخیر صاحب نے اونچی آواز سے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" ارے دیکھو! یہ بات صرف میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں ہی ہو سکتی ہے۔" اور عبداللہ شاہ صاحب سے بڑی شفقت فرمائی۔

اپنے ہاں مہمان رکھا اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتے رہے۔ شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر ملنے والوں سے آپؒ کے مناصب جلیلہ کے متعلق باتیں کرتے تھے۔

مولانا سراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی محبت تھی آپؒ دو تین باران کے مزار پر پانی پت بھی تشریف لے گئے تھے ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حاجی شیخ کریم بخش کو ہمراہ لے کر پانی پت گئے غوث علی شاہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے بعد آپؒ نے فرمایا۔

" ان کے سجادہ نشین سے بھی ملاقات کریں۔" پتا لینے پر معلوم ہوا کہ وہ کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ باہر رہنے کا پروگرام ہے۔ آپؒ نے فرمایا۔

" مسجد میں ہی چل کر کچھ دیر قیام کر لیا جائے۔" مسجد میں آئے ہوئے ابھی کچھ دیر ہی گذری تھی کہ آپؒ نے فرمایا۔" کریم بخش! دیکھو سجادہ نشین صاحب آ تو نہیں گئے؟" کریم بخش نے جواب دیا۔" حضور وہ تو دو ماہ کے لیے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

آپؒ نے فرمایا کہ دیکھو تو سہی۔ میاں کریم بخش صاحب کی واپسی پر آپؒ نے مسکرا کر

فرمایا۔ ''چلو ذرا ان سے مل لیں۔''

جب آپؒ ان کے ہاں تشریف لائے تو سجادہ نشین صاحب پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نیچے زمین پر ہی دوزانو بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپؒ نے اجازت لے لی اور کچھ نذر کرنے کے بعد واپس چلے آئے۔ راستے میں آپؒ نے فرمایا۔ ''جو چیز میں چاہتا تھا وہ نہیں ہے۔''

وہاں سے آپؒ کرنال چلے آئے اور جب کرنال اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے تو ایک بزرگ صورت انسان چند ساتھیوں کی معیت میں وہاں آئے اور سلام مسنون کہا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ''آپ مولانا سراج الحق ہیں۔'' اور مولانا نے بھی جواباً فرمایا۔ ''آپ میاں صاحب شرقپوری ہیں۔'' اور یہ کہتے ہوئے دونوں بغل گیر ہو گئے۔ آپ نے مولانا صاحب سے پوچھا۔ ''کدھر تشریف لے جا رہے ہیں؟'' مولانا نے کہا۔ ''یہاں نزدیک ہی زمین ہے وہاں جا رہا ہوں۔''

کچھ دیر دونوں حضرات مصروف گفتگو رہے اور بعد ازاں مولانا سراج الحق صاحب بعد علیک سلیک اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے مولانا کی روانگی کے بعد حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ ''سجادہ نشین غوث علی شاہ صاحب کا تو محض بہانہ تھا۔ اصل بات مولانا مذکو کی ملاقات تھی۔ مولانا بڑے بزرگ آدمی ہیں۔'' مولانا نے بھی اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''میاں صاحب کو مل کر روحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بڑی مدت سے ملاقات کی خواہش تھی۔''

سانده میں ایک شاه صاحب

اعلےٰ حضرت سرکار میاںصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شاہ صاحب (جو اپنا نام نہیں بتایا کرتے تھے) سانده کلاں لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو عالموں اور بزرگوں سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ آپکو شاہ صاحب کا پتا چلا تو آپؒ سانده میں انکی ملاقات کو تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب قبلہ نے سرکار ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شاہ صاحب کے پاس بھیجا اور فرمایا۔ ''ذرا مسجد میں قیام کر لینا۔'' چنانچہ بارشادِ اعلےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سرکار ثانی صاحب سانده گئے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب محترم سندھ گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ کے بعد واپس تشریف لائیں گے۔ ثانی صاحب نے یہ سنکر واپسی کی بجائے بحکم اعلےٰ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تھوڑے سے قیام کا ارادہ کیا اور مسجد میں چلے گئے۔

ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ شاہ صاحب قبلہ مسجد میں تشریف لے آئے ثانی صاحب انکو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ شاہ صاحب تو سندھ میں تھے ابھی یہاں نظر آرہے ہیں۔ شاہ صاحب نے ثانی صاحب کی حیرانی و تعجب دیکھ کر فرمایا کہ میں سندھ میں ہی تھا تمہارے لیے آیا ہوں ابھی واپس چلا جاؤ نگا۔ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب قبلہ کو ملکر واپس آگئے۔

چند ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف کے والد صاحب کو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''سانده کلاں جانا اور فلاں شاہ صاحب کو ملنا۔'' چنانچہ والد

صاحب جب سانده پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابھی دور ہی تھے کہ شاہ صاحب قبلہ خیر مقدم کے لیے چلے آرہے ہیں اور ان کا بازو تھام کر ساتھ لے گئے اور فرمایا۔

"صبح سے راہ دیکھ رہا تھا اور شرقپور شریف سے کسی فرد کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہ صاحب انہیں بازو سے پکڑ کر ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں مزدور اور معمار بیٹھے ہوئے تھے اور ایک کمرہ کی بنیادیں کھدی پڑی تھیں۔ شاہ صاحب نے والد صاحب سے فرمایا۔ "لو عزیز اس کی بنیاد رکھو۔" والد صاحب یہ سنکر بڑے گھبرائے اور عرض کی۔ "جناب! میں تو اس کا اہل ہی نہیں ہوں۔" شاہ صاحب فرمانے لگے۔ "میں نے حضرت صاحب قبلہ سے عرض کی تھی۔ آپؒ نے اسی لیے تمہیں بھیجا ہے۔" چنانچہ والد صاحب (حاجی فضل الٰہی) کے ہاتھوں شاہ صاحب نے اس کمرہ کی بنیاد رکھوائی۔

بعد ازاں شاہ صاحب، والد صاحب کو ایک مزار پر لے گئے جو کچھ ہی فاصلہ پر ایک باغ میں تھا اور فرمانے لگے۔ "حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے تھے اور آپؒ نے اس جگہ اپنی جوتیاں اتاری تھیں۔ اب میں اس جگہ کمرہ بنا رہا ہوں۔ یہ میرا عبادت خانہ ہوگا۔"

شاہ صاحب نے سرکار میاں صاحب قبلہ کی تعریف اس انداز اور ایسے الفاظ میں کی کہ کوئی دوسرا کیا کر سکے گا۔ نیز شاہ صاحب نے فرمایا۔ "میرا بیس بائیس ہزار کے لگ بھگ مرید ہے میں عنقریب انکو حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر کے خود چلا جاؤں گا۔" چنانچہ اس کے بعد ان حضرت کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ کہاں ہیں۔

مندرجہ بالا واقعہ کو ایک مدت ہو چکی تھی جبکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ آپ کا جنازہ باہر قبرستان کے نزدیک سڑک پر رکھا ہوا تھا کہ ایک نقاب

ہوں نے والد صاحب کو بلایا۔ والد صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ تو شاہ صاحب
مذکور تھے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے آپؒ کی آخری آرام گاہ بننے والی جگہ بتاؤ۔" جب
شاہ صاحب اس جگہ پہنچے تو کہا۔ "آج اہالیان قبرستان بڑے خوش ہیں۔ اتنے خوش کہ
مسرت وشادمانی سے محورقص ہیں کہ ان میں ایک قطب وقت اور بے نظیر ہستی کا ورود
ہونے والا ہے۔ شاہ صاحب نے مزار شریف والی جگہ دیکھی اور کہا "میں نے ابھی
چلے جانا ہے۔" والد صاحب نے کہا۔ "جنازہ پڑھ کر جایئے گا۔" انہوں نے
فرمایا۔ "میں سندھ میں تھا کہ آپؒ کا وصال ہوا۔ حضور کے دیدار کی تمنا پوری کر لی
ہے۔ میں نے ابھی واپس جانا ہے۔" چنانچہ باتیں کرتے کرتے ہی وہ گم ہو گئے۔

میر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لاہور شہر سے باغبان پورہ جاتے ہوئے پنجاب انجینئرنگ کالج کے عقب میں
سڑک پر سے ہی ایک گنبد پر نظر پڑتی ہے۔ یہ گنبد حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے
روضے کا ہے جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے صاحب علم وعرفاں بزرگ تھے۔ آپ کی
ذات بڑے کمالات کی حامل تھی۔ اس روضہ مبارک سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک قدیمی
مسجد ہے جس کا ماحول بڑا بابرکت ہے ان دنوں یہ غیر آبادسی مسجد جو 'بیگم مسجد' کے نام
سے مشہور تھی آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے ریاضت وعبادت کرنے والے صوفی
منش سالکین اور صاحب ذوق حضرات جو آبادی سے دور، دنیا ومافیہا سے بے خبر
ذات باری سے لو لگائے لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے کا مسکن تھی۔ حضرت
میاں صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی اوائل عمر میں بیگم مسجد، بڑے میاں درس اور

حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اکثر جایا کرتے تھے اور وہاں جا کر کافی دیر
'خیال' میں بیٹھا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ایک کابلی سید میر جان صاحب تھے وہ ایک بلند پایہ بزرگ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔ ''میر جان صاحب کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ کے حضور میں ہیں۔''

میر جان صاحبؒ کو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ عشق رسول ﷺ کا ان پر غلبہ تھا۔ وہ ضعیف العمر اور کمزور ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت اپنے گھٹنے کھڑے کر کے کمر اور زانوؤں کے گرد کپڑا لپیٹ لیتے تھے اور گھٹنوں پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت فرماتے تھے لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ پر درود پاک پڑھنا ہوتا تو کمال ادب اور محبت کی وجہ سے دو زانو بیٹھ کر پڑھتے۔ سبحان اللہ! میر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز میں جماعت کی امامت عموماً خود کیا کرتے تھے اور جب قرات پڑھتے وقت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی آجاتا تو نماز کی حالت میں ہی بیساختہ اونچی آواز میں پکارا ٹھتے ﷺ۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی وہاں جاتے میر جان صاحب آپؒ سے بڑی محبت کرتے۔ آپ نے خود فرمایا کہ آپؒ ایک دن ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے میر جان صاحب مسجد کے صحن میں حوض کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے اس وقت وہاں کا ماحول کچھ عجیب سا تھا۔ ایک آدمی کو وجد ہو رہا تھا ایک پاس بیٹھا تلاوت کر رہا تھا ایک مراقبے میں مشغول

تھا اور ایک آدمی آ کر حوض میں نہانے لگا۔ آپ فرماتے ہیں۔ "مجھے بڑی غیرت آئی اور میں اٹھ کر ایشاں صاحب کے روضہ کے اندر چلا گیا۔" وہاں سے آواز آئی۔ "اندر کیا لینے آئے ہو ایشاں صاحب تو باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

آپؒ فرماتے ہیں۔ "میں باہر آ گیا لیکن برداشت نہ کر سکا اور اٹھ کر چلا آیا اور اندر سے پھر وہی آواز آئی اور میں باہر آ گیا۔" تین بار ایسے ہی ہوا۔ آخر میر جان صاحب نے مسکرا کر کہا۔ "اے میرے عزیز! وہ اپنا کام کر رہے ہیں تم اپنے خیال میں مگن رہو۔" اور پھر مجھے تسکین ہو گئی۔

میر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رشتہ دار تھے............ وہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میر جان صاحب کا ایک خادم خاص غلام محمدؒ انہیں دبا رہا تھا اور میر صاحب لیٹے ہوئے تھے کہ سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور غلام محمد کے پاس چپ چاپ بیٹھ گئے۔ آپ نے غلام محمد کو اشارہ سے فرمایا کہ وہ دبانا چھوڑ دے اور آپؒ نے میر صاحب کو مٹھیاں بھریں۔ چنانچہ غلام محمد نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا تو آپؒ نے اپنا ایک ہاتھ میر صاحب کی ران پر رکھ دیا اور غلام محمد نے دوسرا ہاتھ اٹھایا تو حضور نے دوسرا ہاتھ اٹھایا تو حضور نے دوسرے ہاتھ سے دبانا شروع کر دیا اسی طریقے سے آپؒ نے غلام محمد کی جگہ لے لی اور غلام محمد اٹھ کر کسی دوسرے کام کو چلا گیا۔ حضرت قبلہ کافی وقت میر جان صاحب کو مٹھیاں بھرتے رہے جب غلام محمد واپس آیا تو میر صاحب نے اس سے کہا۔ "غلام محمد دیکھو! یہ شخص بڑا باکمال ہے اسکی شہرت سارے ملک میں پھیلے گی۔ یہ شمع ہدایت بن کر چمکے گا اور ان کی ضیاء پاشیاں تاریک دلوں کی سیاہی دور کر کے لوگوں کو نور اور روشنی عطا فرمائیں گی۔ لوگ چار

دانگ عالم سے کھچ کھچ کر آئیں گے اور اس چشمہ ہدایت سے فیض یاب ہو ہو کر جائیں گے۔ یہ شخص اس دور الحاد میں سنت رسول اللہ کو از سر نو اجاگر کرے گا۔

پاگل خانہ میں ایک بزرگ (نور شاہ صاحبؒ)

والد مکرم کو بزرگ ہستیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اکثر اسی ٹوہ میں رہتے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے بزرگوں کا کہیں سے پتہ معلوم کیا جاوے اور ان سے ملاقات کر کے ان کی روحانیت سے اخذ فیض کیا جائے۔

انہیں دنوں پتا چلا کہ ایک بزرگ ہستی لاہور کے پاگل خانہ میں دنیا کی نظروں سے اوجھل یاد الٰہی میں مصروف ہے۔ والد صاحب وہاں گئے لیکن ان کا سراغ ملنا مشکل ہو گیا آخر وہاں کے ایک ٹھیکیدار قائم دین سے واقفیت پیدا کر کے اس کی وساطت سے ان بزرگوں کو ڈھونڈ نکالا۔ بڑی تگ و دو کے بعد انکی ملاقات کی اجازت ہوئی اور سپاہی انہیں باہر بیرک میں لے آئے۔ ان کے بیرک میں آتے ہی پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ جو معائنہ پر جا رہا تھا انہیں دیکھ کر پاس آ گیا اور اس نے ہیٹ اتار کر سلام کیا لیکن انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اس پر وہ ہنس کر چلتا بنا اور ان بزرگوں نے کھانس کر بلغم کا بڑا سا گولہ اس کے کوٹ پر پھینک دیا اس نے پھر بھی برا نہ مانا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سپرنٹنڈنٹ بھی ان کے اہل عرفان ہونے سے واقف تھا۔ اس کے بعد والد صاحب نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ انہوں نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا "میاں صاحب شرقپوری تو بخیریت اور راضی خوشی ہیں۔" اور یہ کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ اسی طرف منہ کیے ہوئے ہی

دیوانوں جیسی باتیں کرنے لگے۔ والد صاحب محترم کی معیت میں دو افراد اور بھی تھے۔ انہوں نے اشارہ سے کہا کہ ان کے متعلق بھی عرض کی جاوے والد صاحب ان کے متعلق کہنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پہلا آدمی سورہ اخلاص ۱۰۱ بار پڑھا کرے دوسرا کلمہ شریف ۳۰۰ بار اور والد صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم ''وما محمد الا رسول پڑھا کرو'' اس کے بعد ملاقات کا وقت ختم ہو جانیکی وجہ سے سپاہی انہیں اندر لے چلے تو انہوں نے چلتے چلتے فرمایا۔ ''حضرت میاں صاحب کو میرا اسلام کہنا اور ان سے کتاب لے کر مجھے دے جانا۔'' والد صاحب ابھی حیران ہی تھے اور سوچ رہے تھے کہ کون سی کتاب ہے، تو انہوں نے جاتے ہوئے دور سے ہی کہا۔ ''وہ کتاب نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور اب میاں صاحب کو ملی ہے اور دوبارہ اس بات کا تکرار کیا۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہ چند دن (۱) کے بعد شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے گھر کے دروازے سے باہر نزدیک ہی کسی آدمی سے معروف گفتگو تھے۔ یہ سلام کر کے پاس ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے گفتگو کے دوران میں ہی اسی شخص کی طرف منہ کیے اور اسی کو ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''لوگ پاگل ہیں جو ایسے ہی پاگل خانہ میں لوگوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں۔'' یہ سنکر والد صاحب نے عرض کی ''حضور! یہ تو ٹھیک ہے لیکن جو وہ کتاب مانگتے تھے وہ تو دے دیجئے۔'' آپؒ نے جوش سے فرمایا۔ ''مجھے نہیں معلوم وہ کونسی کتاب مانگتے ہیں۔ تمہیں پتا ہو گا یا ان کو۔'' اور پھر اپنی گفتگو میں

۱۔ والد صاحب بزرگوارم ان دنوں لاہور میں ہی کاروبار کرتے تھے اور وہیں مقیم تھے۔

مصروف ہو گئے۔

والد صاحب کچھ دنوں کے بعد پھر ان بزرگوں کی ملاقات کے لیے پاگل خانہ گئے۔ لیکن ملاقات کی کوئی صورت نکلتی نظر نہ آئی۔ وہ ابھی اسی ادھیڑ بن میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ چند آدمی ان بزرگوں کے متعلق ہی گفتگو کرتے نظر آئے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ بزرگ چورہ شریف والوں سے ہیں اور ان کا نام نور شاہ صاحب ہے وہ آدمی چورہ شریف سے ان کے کپڑے لے کر آئے تھے۔ والد صاحب نے نور شاہ صاحب کی پاگل خانہ میں آمد کے متعلق سوال کیا تو ان حضرات نے بتایا۔

''نور شاہ صاحب بڑے کامل بزرگ ہیں اور ان کے مریدین خاصی تعداد میں ہیں۔ نور شاہ صاحب ان سب کو چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں کنارہ کش ہو کر یادالٰہی میں محو ہو گئے۔ مریدین وہاں بھی آنے جانے لگے تو انہوں نے سب کو منع کر دیا کہ مت آیا کرو اور سب لوگوں نے تو آنا جانا ترک کر دیا لیکن ان کے ایک مرید نے پیچھا نہ چھوڑا۔ شاہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ اس کا آنا جانا بند ہو جائے لیکن وہ بھی عاشق صادق تھا اس نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی اور ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا۔ ''مت آیا کرو۔ کہہ رہا ہوں ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔'' وہ یہ سنکر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر ایک دن انکو جوش آ گیا۔ وہ چھری پکڑ کر لائے اور اسکو نیچے گرا کر ذبح کر ڈالا۔ پولیس کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے شاہ صاحب کو پکڑ کر چالان کر دیا اور کیس عدالت میں چلا گیا۔ وکیلوں نے بڑی کوشش کی ایک دفعہ شاہ صاحب کہہ دیں کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ لیکن شاہ صاحب تھے کہ استفسار پر ہر دفعہ یہی کہتے۔ ''مارا تو

اسے اللہ تعالیٰ نے ہے اور چھری میں نے چلائی ہے۔" آخر عدالت نے فیصلہ کر دیا کہ اس آدمی کا دماغ درست نہیں۔ اسے پاگل خانہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نور شاہ کو پاگل خانہ لے آیا گیا۔

جب چورہ شریف سے آمدہ لوگوں کی ملاقات اور کپڑوں کی وصولی کے لیے شاہ صاحب کو لایا گیا تو والد صاحب نے بھی شرف ملاقات حاصل کر لیا اور وہ مجھے دیکھتے ہی منہ دوسری طرف پھیر کر اونچی آواز میں کہنے لگے۔ اسی رات ہی مجھے وہ کتاب مل گئی تھی وہ کتاب اس رات ہی میاں صاحب قبلہ نے مجھے بھیج دی تھی۔"

سائیں کرم الٰہی کانواں والے (گجرات)

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اور حاجی مستری کرم دین صاحب (مرحوم) کسی کاروباری سلسلہ میں گجرات گئے۔ انہیں خیال آیا کہ نزدیک آئے ہوئے ہیں سائیں کرم الٰہی صاحب سے مل آئیں۔ جب یہ دونوں ان کے ہاں پہنچے تو دیکھا۔ وہاں ان کے اردگرد کوے ہی کوے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جو چیز ان کے پاس آتی تھی وہ کوؤں کے آگے پھینک دیتے۔ وہ خود تو اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان سے کچھ فاصلہ پر چند درویش ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ وہ درویش آنے جانے والوں کو ان کے پاس نہیں جانے دیتے تھے۔ کیونکہ سائیں صاحب آنے جانے والوں کو مارتے تھے۔ والد صاحب اور حاجی مستری کرم دین صاحب کو بھی ان لوگوں نے روکا اور کہا کہ وہ مارتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک مت جاؤ۔ لیکن یہ تو ان کے پاس پہنچ ہی گئے اور اپنے خیال میں بیٹھے رہے۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد

وہاں سے چلے آئے کوئی ایک فرلانگ کے قریب واپس آئے ہوں گے کہ انہیں محسوس ہوا کہ قدم نہیں اٹھتے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سائیں صاحب انکی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتے نظر آئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ ابھی واپسی کی اجازت نہیں ہوئی۔ واپس آ کر پھر بیٹھ گئے۔

سائیں صاحب بڑی بیقراری کے عالم میں تھے۔ کبھی لیٹتے اور کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی کسی کروٹ لیٹے اور کبھی کسی پہلو دراز ہوتے۔ ان کے پاس سر کنڈے (کانے) پڑے ہوئے تھے انہیں الٹ پلٹ کرتے رہتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گن رہے ہیں۔ والد صاحب اور حاجی صاحب جب دوبارہ پاس جا کر بیٹھے تو سائیں صاحب اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان والی جگہ اور ہتھیلی کے مقام والی جگہ کو ملتے تھے۔ یا یوں محسوس ہوتا کھجاتے ہیں۔ دونوں حضرات کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ سائیں صاحب فرمانے لگے "ارے اپنوں سے پوچھ لینا۔" کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یہ دونوں اٹھ کر واپس چلے آئے۔ درویش حیران تھے کہ سائیں صاحب تو لوگوں سے اجتناب کرتے ہیں اور مارتے ہیں لیکن ان سے تعرض کرنا تو کجا اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتے رہے۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ "اللہ کے شیر" کی کچھار سے آئے ہیں۔ ان کی گردن میں کس کا ڈورا ہے وہ جو کہتے ہیں۔

سچ۔ تیرا منتا ہیں، تیرے سائیں دا منداے۔

واپسی پر جب یہ دونوں حضرات شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ گھبرا تے گئے تھے تو آپ نے فرمایا "سائیں صاحب کو بھی ملے ہو گے۔" عرض کی "حضور ملے تھے وہ انگلیاں کھجاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنوں سے پوچھ لینا۔" آپ نے فرمایا "وہ کہتے تھے کہ میں عشق الٰہی میں جل چکا ہوں۔"

روحانی تعلق

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی نے عرض کی۔ "سرکار نزدیک ہی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب ہیں جو اچھے کامل آدمی ہیں۔" آپ نے فرمایا "چلو ان سے ملاقات کرتے ہیں۔" چنانچہ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس مسجد میں تشریف لے گئے اور مولوی صاحب سے ملاقات کی جب آپ واپس لوٹے تو فرمایا۔ "جو چیز میں ڈھونڈتا تھا وہ نہیں ہے۔"

یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کی "حضور ان کا ایک بھائی ہے جو حال مست ہے اور جنگل میں رہتا ہے۔" آپ فرمانے لگے۔ "وہ تو کچھ اچھا آدمی ہو گا۔" یہ کہہ کر جب سیڑھیاں اترنے لگے تو دیکھا سامنے ہی وہ مست کھڑا ہے۔ آپ وہیں بیٹھ گئے اور وہ مست بھی سامنے بیٹھ گیا۔ کوئی پانچ سات منٹ کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مست کے کپڑوں میں سے دھواں نکل رہا ہے مست اٹھ کر باہر آیا اور قے کر دی پھر چیخ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور حضرت صاحب قبلہ بھی بہاء الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں جوتیاں اتار کر جب آپ بہاء الحق زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے اندر داخل ہوئے تو فوراً ہی اندر سے باہر بھاگ آئے اور جوتیاں پہن کر واپس آ گئے۔ اس وقت تو کسی کو کچھ عرض کرنے کی

جرأت نہ ہوئی تاہم رات کو والد صاحب نے عرض کی ”حضور اتنی دور سے آئے ہیں۔ بڑا ذوق اور اشتیاق تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ بہاء الحق صاحب کے مزار پر چند منٹ بیٹھنا بھی نصیبوں میں نہ ہوا۔“ یہ سن کر آپؒ فرمانے لگے ”ارے! کیا اندر مزار ہیں؟ مجھے تو یوں معلوم ہوا کہ سب سفید سفید چادریں اوڑھے آرام فرما رہے ہیں اور جب میں اندر پہنچا تو سب اٹھ اٹھ کر مجھے گلے ملنے دوڑے اور میں یہ کہہ کر پیچھے دوڑا کہ گھر آنے پر ہی سب گلے ملتے ہو۔ میں تو تب جانوں کہ کبھی شرقپور بھی آ کر ملو۔“

اعلٰی حضرت سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معتقد اور عقیدت کیش حافظ عبداللہ تھا جو شرقپور شریف سے دس میل دور سے لاہور جانے والی سڑک پر واقع ایک گاؤں برج اٹاری کا باشندہ تھا وہ اکثر آپؒ کے ہمراہ مکان شریف جایا کرتا۔ شہباز توحید حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ المشہور بھورے والی سرکار کے مزار شریف پر اسکی طبیعت بڑی لگتی تھی۔ وہ کئی کئی گھنٹے وہاں جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لائے تھے اور وہ بھی ہمراہ تھا۔ اپنے احباب سے حافظ صاحب کہنے لگے۔ ”میں آج رات بھورے شریف میں ہی رہونگا۔“ چنانچہ بعد نماز عشاء حافظ صاحب بھورے شریف چلے گئے۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ بابا عبداللہ دہائی مچاتا لرزتا کانپتا بھورے شریف سے دوڑتا آ رہا تھا۔ احباب نے پوچھا۔ ”کیا ہو گیا ہے کیوں شور مچاتے بھاگتے آ رہے ہو؟“ کہنے لگا۔ ”وہاں تو ایک بڑا ہیبت ناک ناگ ہے جو پھن پھیلائے پھنکارتا میری طرف دوڑ آیا۔ میرے تو حواس جاتے رہے، پگڑی اور جوتی وہیں چھوڑ بھاگ آیا

ہوں۔" صبح حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تک بات پہنچی تو آپ مسکرائے اور فرمایا
"اگر اس نے وہاں رات رہنا تھا تو مجھ سے پوچھ کر جاتا۔ اچھا! آج وہاں جا کر رات
بسر کرے۔"

چنانچہ بابا عبداللہ آپؒ کے حکم کے مطابق رات کو وہاں پہنچے اور ساری رات
وہیں رہے۔ اس رات نہ تو وہاں کوئی ناگ تھا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈر محسوس ہوا بلکہ
بقول حافظ عبداللہ انہیں اس رات وہاں سے بڑا فیض حاصل ہوا۔ تعلق کے بغیر تو کہیں
بھی بات نہیں بنتی۔

والد صاحب (حاجی فضل الٰہی موگا) فرماتے ہیں کہ جن دنوں وہ قصور رہا کرتے
تھے۔ سردیوں کے دن تھے ایک دن طبیعت چاہی کہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے مزار کی زیارت کو جائیں۔ جب گئے تو سکون آیا اسی حالت پر سکون میں غنودگی
نے آلیا اچانک محسوس ہوا کہ کوئی جگا رہا ہے آنکھیں جو کھلیں تو دیکھا ایک پر نور چہرہ
ہے بڑی خوبصورت سفید ریش ہے کہیں کہیں سیاہ بال کی جھلک بھی نظر پڑی کھڑے
ہیں۔ میں بھی ادب سے کھڑا ہو گیا انہوں نے دفعتاً گلے لگا لیا اور خوب زور سے
بھینچا۔ اس عمل سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بدن میں آگ لگ گئی۔ جب علیحدہ ہوا، تو
کچھ ہوش نہ رہا اسی نیم بے ہوشی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا جوتی کپڑوں کا ہوش کس
کو ہوتا۔ قصور میں تحصیل کے دفاتر سے ملحقہ ایک تالاب تھا اس میں چھلانگ لگا دی
وہاں تالاب پر ایک آدمی (سید محمد شاہ) مچھلی کے لیے کانٹا لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں
نے مجھے تالاب سے نکالا رات تو اسی کیفیت میں گزری۔ صبح جب اوسان بحال ہوئے
تو پھر عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گیا دیکھا پگڑی وغیرہ پڑی تھی اسے اٹھا لایا۔

کچھ دنوں بعد دل چاہا کہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضری دوں سو قصد شرقپور کا کیا۔ پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آیا دیکھا کہ آپؒ اپنے مکان کے باہر گلی میں کھڑے ہیں۔ مجھ پر نظر پڑی تو خوب ہنسے اور فرمایا۔

"دیکھئے ای اوے" "تم تو گھبرا ہی گئے تھے۔ ارے وہ تو عبدالرسولؒ صاحب ہی تھے۔" میں نے یہ سن کر دل میں کہا۔ ولی راولی می شناسد ولی کو تو ولی ہی پہچان سکتا ہے۔ میری کیا مجال؟

جن دنوں کوٹلہ شریف والی مسجد زیرِ تعمیر تھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر وہیں قیام فرما رہتے۔ دس پندرہ روز کے بعد واپسی ہوتی کچھ دن قیام کرتے پھر واپس کوٹلہ چلے جاتے۔ اکثر ملنے والے بھی وہاں پہنچ جاتے۔ کئی کئی کاریں اور تانگے وہاں کھڑے رہتے۔ مسجد کے ساتھ ملحقہ حجرہ زیرِ تعمیر تھا اور چھت کے لیے لکڑیوں میں کمی واقع ہو گئی مستریوں نے مزید شہتیر مانگے۔ آپؒ نے فرمایا۔ "ادھر کہیں سے لکڑی دستیاب ہو گی۔" لیکن جواب دیا گیا کہ اس علاقہ میں مطلوبہ لکڑی نہیں ہے۔

مستریوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ جنگل میں ایک مزار کے پاس کارآمد لکڑی کے درخت موجود ہیں۔ لیکن مقامی باشندوں کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی وہاں سے لکڑی کاٹتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی نقصان ہو جاتا ہے۔ کسی کا بازو ٹوٹتا ہے یا کسی کی ٹانگ۔ یہ سن کر سب کے ساتھ آپ بھی خاموش ہو گئے۔

اگلے روز علی الصبح ہی آپؒ نے فرمایا "چلو وہاں سے لکڑی کاٹ لائیں۔" چنانچہ حسب الحکم جب مستری اور ترکھان وغیرہ روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ ایک ہجوم تھا جو کہ یہ دیکھنے کے لیے ساتھ ہو گیا تھا کہ دیکھیں وہاں کیا بنتا ہے۔ جب وہاں پہنچے تو

آپ مزار کے پاس آٹھ دس منٹ خاموش کھڑے رہے اور بعد فرمایا کہ لکڑی کاٹ
کر لوگ ڈرتے تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے
صاحب مزار سے پوچھ لیا ہے۔ تمہیں جتنی لکڑی درکار ہو کاٹ لو۔ اور اس سے بالے
شہتیر بنا لو اور جو کباڑہ بچے ہمیں چھوڑ دینا۔ چنانچہ مطلوبہ لکڑی کاٹ لی گئی اس کے
بالے وغیرہ بنا لیے گئے اور آج تک وہی بالے اس حجرہ کی چھت پر پڑے ہوئے ہیں
اور وہاں سے لکڑی کاٹنے پر کسی کا بھی نقصان نہیں ہوا۔

قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شاہ پور (کا بجرا) کا ایک نمبردار حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمندوں میں
سے تھا۔ اکثر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ آپکی اس پر خصوصی توجہ تھی۔ آپ
کے اس توجہ فرمانے سے وہ سرعت کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگا۔ اسے
اپنے مقصد میں اچھی خاصی کامیابی بھی حاصل ہو گئی۔

ایک دن اس نے بدقسمتی سے باتوں باتوں میں کسی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو
اڑتا ہے۔ جس آدمی سے یہ بات ہوئی وہ بھی حضرت صاحب قبلہ کے پاس آنے
جانے والا تھا وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے کسی حاضری پر آپؒ کی
خدمت میں یہ بات عرض کر دی کہ فلاں نمبردار جو کہ شاہ پور کا رہنے والا ہے کی طبیعت
پر اس وقت بڑی رنگت ہے وہ کہتا ہے کہ میں راتوں کو اڑتا ہوں۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سننا تھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؒ
نے فرمایا "اب وہ اڑنے بھی لگا ہے۔ اچھا! اسے اڑنے دو اب" آپ کا فرمانا تھا کہ

اسے قبض ہو گئی (یعنی نعمت چھن گئی) بہت زور مارا لیکن طبیعت جو سرد ہو گئی تھی۔ بحال نہ ہوئی۔ جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ سب جاتا رہا اور وہ خالی ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد نمبردار اکثر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ لیکن وہ بات کہاں؟ آپ ناراض تھے اور اسکی طرف التفات ہی نہ فرماتے۔ آخر اس نے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے لیے دوسرے بزرگوں کے پاس جانا شروع کر دیا لیکن کسی کے ہاں سے بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ان دنوں ضلع گجرات 'اعوان شریف' گاؤں میں قادری سلسلہ کے ایک بزرگ قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے۔ وہ بلند پایہ بزرگ اور ولی کامل تھے۔ کشف میں انہیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ اچھے اچھے پارسا اور نیک بندوں نے ان سے فیض حاصل کیا ہے۔ شاہ پور کے نمبردار نے بھی قاضی صاحب کا نام سنا تو اپنی قبض کو بسط سے بدلنے وہاں جا پہنچا۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس مکان میں رہتے تھے اس کے اردگرد اونچی اونچی ڈھڈے تھوڑ (ایک کانٹے دار پودا) اُگی کھڑی تھی۔ یہ نمبردار شام کے وقت وہاں پہنچا تو اسے اندر جانے کے لیے راستہ ملنا مشکل ہو گیا۔ بہتیرا ڈھونڈا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قاضی صاحب جو کہ صاحب کشف و کرامات تھے اندر تشریف فرما تھے۔ اپنے مریدین سے کہنے لگے۔ "دور سے کوئی آدمی آیا ہے لیکن اسے راستہ نہیں ملتا۔ جاؤ اور اسے اندر لے آؤ۔"

چنانچہ ان کے مریدوں میں سے ایک باہر گیا اور اسے اپنے ساتھ اندر لے آیا۔ قاضی صاحب نے اسے بٹھایا اور فرمایا "ہاں بھئی! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟" اس نے عرض کی "حضور! اللہ اللہ سیکھنے آیا ہوں۔"

قاضی صاحب بڑے خوش ہوئے کہنے لگے۔"رب کریم کا شکر ہے کہ تم اللہ اللہ سیکھنے آئے ہو ورنہ جو بھی آتا ہے کسی دنیاوی کام کے لیے ہی آتا ہے کوئی اولاد کی غرض سے آتا ہے تو کوئی کاروبار کی وجہ سے۔ سب لوگ دنیاوی مطلب لے کر ہی آتے ہیں۔"

یہ باتیں کرنے کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا"اچھا! ادھر میرے سامنے آکر بیٹھو۔" چنانچہ وہ آپؒ کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا اور قاضی صاحب توجہ فرمانے لگے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تم پہلے ہی کسی صاحب کے مرید ہو۔ تمہارا پیر بڑا صاحب کمال ہے تمہارے پیر نے تمہارے اردگرد ایک فولادی قلعہ کھڑا کر دیا ہے میں نے بڑی ہی کوشش کی ہے لیکن اس کے اندر نہیں جا سکا۔ اب تم ان کے پاس ہی جاؤ۔ وہاں سے ہی تم فیضیاب ہو سکتے ہو۔"

وہ نمبر دار کہنے لگا۔"حضور میرے پیر تو مجھ سے ناراض ہیں۔ وہ راضی نہیں ہوتے۔" قاضی صاحبؒ کہنے لگے۔"تم ان کے پاس ہی جاؤ اور جیسے بھی ہو سکتا ہے ان کو راضی کرو۔ ورنہ کسی کے ہاں سے بھی فیض نہیں ملے گا۔ تمہارا شیخ صاحب کمال ہے۔ مجھ سے ہو سکا تو میں تمہاری سفارش کروں گا۔"

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے بعد وہ نمبردار شرقپور شریف میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا۔"تم وہاں جو گئے تھے تو قاضی صاحبؒ کو کیوں تنگ کیا۔"

وہ خاموش بیٹھا رہا اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ نمبردار پہلی عمر میں جلوہ ہائے پنہانی کی تابانیاں دیکھ چکا تھا۔ بقایا پچھلی عمر میں ان سے محروم رہا۔ اس نے

بہت کوشش بھی نہیں کی ورنہ شاید میاں صاحب بھی راضی ہو ہی جاتے۔ اسرار پنہانی کو افشاء کر کے پھر ساری عمر پچھتاتا رہا۔

"سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ اگر مرید کے
دل میں خیال گزرے کہ میرے پیر کے سوا
کوئی اور بھی ایسا ہے جو خدا تک پہنچا دیتا ہے
تو جان لیوے کہ شیطان ملعون اس کے
اعتقاد میں تصرف کرتا ہے۔"

بندگانِ خاص علامّ الغُیُوبُ
در جهان جان، جو اسیس القلوب

لوح محفوظ است پیشِ اولیاء
آنچه محفوظ است محفوظ از خطاء
(عارف رومیؒ)

مکاشفات

کشف

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ اپنی تصنیف 'عین الفقر' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو ارباب قلوب صاحب مکاشفہ ہوتے ہیں۔ کبھی تو انہیں اسرار ملکوتی رویائے صالحہ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں جو نبوّت کا چالیسواں حصہ ہیں اور کبھی بذریعہ مشاہدہ۔ یہ رتبہ پہلے رتبہ سے عالی ہے۔ نیز جس شخص کے دل میں اس اسم اللہ کے الف سے روشنی پیدا ہو جاتی ہے اس کا دل جام جہاں نما اور آئینہ سکندری بن جاتا ہے اور صفائی پکڑ جاتا ہے اور اٹھارہ ہزار عالم اسے نظر آتے ہیں۔

''من عرف لا یخفی علیہ شیء'' یعنی عارف پر کسی چیز کی حقیقت پوشیدہ نہیں۔ اولیاء اللہ کے نور بھرے دل انوارِ الٰہی اور تجلیات ذات کا مخزن ہوتے ہیں جب وہ (بعقرب الی) کے مقام پر پہنچتے ہیں اور ''بی یسمع ولی یبصر'' کا مصداق بنتے ہیں اور مولائے کائنات انہیں نور معرفت عطا فرماتا ہے تو دنیا کی کونسی ایسی چیز ہے جو ان سے مخفی رہتی ہے۔ جب وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں تو دلوں کے عمیق ترین گوشے بھی ان کی نظروں میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

بندگانِ خاص علام الغیوب　　　در جہان جاں جواسیس القلوب

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مولوی

صاحب ملاقات کے لیے حاضر ہوئے آپؒ عالموں کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ باہر سے کوئی مولانا، حافظ یا قاری آجاتے تو آپؒ انکو جماعت کروانے کے لیے کہتے۔ اس وقت عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ نے مولانا مذکور کو جماعت کی امامت کے لیے آگے کھڑا کر دیا۔ جب نماز باجماعت ادا کر لی گئی تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا صاحب کو ایک طرف لے گئے اور علیحدگی میں فرمایا۔

''مولانا! بھینس تو گھر جا کر بھی دوہی جا سکتی تھی کیا التحیات میں ہی بھینس کا دوہنا ضروری تھا؟'' مولانا نے شرم سے سر جھکا لیا اور کہا۔ ''خدا کی قسم! میں التحیات میں بیٹھا اپنے خیالوں میں بھینس دوہ رہا تھا۔''

قصور شہر میں ایک حکیم نور حسن صاحب ہوا کرتے تھے وہ حضرت صاحب قبلہ کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ وہ جب بھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے۔

''حضور! مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جس سے مجھے آئندہ کے حالات کا پتہ چل جایا کرے۔'' آپ ہمیشہ ہی اغماض برتا کرتے اور ٹال جاتے لیکن ان کے بار بار عرض کرنے سے آپؒ تنگ آگئے۔

ایک دن آپؒ نے 'کچھ' فرما دیا۔ دوسرے تیسرے دن ہی حکیم صاحب دوڑے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور گزارش کی۔ ''سرکار! جو چیز آپؒ نے عطا فرمائی ہے وہ واپس لے لیں۔'' آپؒ نے تبسم فرمایا اور پوچھا ''کیوں! کیا ہوا ہے؟''

حکیم نور حسن نے عرض کی کہ حضور! میں نے دیکھا ہے کہ میں چھ ماہ بعد بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور وہ بیماری بڑی شدت کی ہوگی اور چھ ماہ ہی بیمار رہوں

کا۔ قریب المرگ ہو جانے کے بعد مجھے صحت ہو گی۔ حضور! میں تو بیماری کی آمد سے
پہ ماہ قبل تک زیادہ مشتری فکر سے اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگا ہوں۔

آپ مسکراتے رہے اور اسکی بات ختم ہونے کے بعد فرمایا۔ "رہنے دو اب اپنے
پاس۔" اور کہنے لگے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا فرماتا ہے انکو ہی زیبا ہے۔ "یہ ہے
ذرا سی پی کے بہک جانا کم ظرفوں کا شیوہ ہے۔

ملا دی دوڑ مسیت تک

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے
اور شاہ محمد غوث کی خانقاہ میں مقیم تھے رات بسر کرنے کے بعد صبح آپؒ نے فرمایا۔
"چھاؤنی جانے کے لیے تانگہ لاؤ۔" بابا مستری کرم دین (مرحوم) دوڑ کر ایک
تانگہ لے آئے آپؒ اس میں سوار ہو کر چھاؤنی پہنچے۔

وہاں پہنچ کر آپؒ نے فرمایا "کسی سے مستری کرم دین سکھر یا شر قیوری انجمن
ڈرائیور کے مکان کا پتہ پوچھو۔" اور خود ایک گلی میں چلے گئے والد صاحب بیان کرتے
ہیں لوگوں سے پوچھ کر جب ہم مطلوبہ مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ
پہلے ہی وہاں کھڑے ہیں۔ جاتے ہی آپؒ نے مستری کرم دین کو آواز دینے کے لیے
فرمایا۔ حضرت صاحب قبلہ سے عرض کیا گیا کہ جب آپ کو جگہ معلوم تھی تو آپؒ نے
مکان کا پتہ پوچھنے کے لیے ہمیں روانہ کر دیا آپؒ فرمانے لگے "پہلے اپنا کام کرو اور کرم
دین کو آواز دو۔" دروازے پر آواز دینے سے ایک لڑکی باہر نکلی جس نے جواب دیا کہ
وہ کام پر گئے ہوئے ہیں۔ مستری کرم دین صاحب نے لڑکی سے کہا "اندر اطلاع دو

کہ میاں صاحب" تشریف لائے ہیں۔" لڑکی اندر گئی اور واپس آ کر دروازہ کھولتے ہوئے حضرت صاحب قبلہ" کو اندر چلنے کو کہا۔ جب آپ" اندر تشریف لے گئے تو کرم دین سکھریا کی بیوی بختاور جو سخت بیماری کی حالت میں چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ" نے فرمایا۔ "بختاور! رات کو کیا بات تھی۔"

وہ رونے لگی اور روتے روتے ہاتھ جوڑ کر اس نے عرض کی "حضور! ملاں دی دوڑ مسیت تک۔ میں نے آپ کو یاد کیا تھا۔ رات میرے خاوند کرم دین نے جواب ہی دے دیا تھا اور کہتا تھا کہ نہ تم مرتی ہو اور نہ میری خلاصی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں میری جان کب چھوڑو گی۔"

یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ" نے بابا مستری کرم دین کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ "جوان! مرض وڈھی کہ دب وڈھا؟" آؤ چلیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ" وہاں سے چلے آئے۔

آتی دفعہ راستہ میں مستری کرم دین سکھریا جو کہ سائیکل پر سوار کام سے واپس آ رہا تھا پل پر ملا اس نے گھر چلنے کے لیے بہت منت سماجت کی لیکن آپ" شرقپور واپس تشریف لے آئے۔

اسی دن سے بختاور کی صحت اچھی ہونے لگی اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ کلیتہً صحت یاب ہو گئی۔ بعد ازاں اس کے ہاں اللہ کے فضل سے کافی بچے ہوئے اور حضرت صاحب قبلہ کے وصال سے تقریباً بیس برس بعد تک زندہ رہی۔ والد صاحب بیان کرتے تھے کہ جب کبھی بختاور ملتی تو میں کہا کرتا تھا کہ بختاور حضرت صاحب کو پردہ پوش ہوئے کافی برس ہو گئے تو ابھی تک موٹی تازی چل پھر رہی ہے۔ یہ سن کر وہ کہتی "یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ہے کہ جب سے آپ" نے یہ

فرمایا تھا مرض وڈھی کہ رب وڈھا اس دن سے میں کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئی اور جسمانی صحت ہر دم بحال ہی رہی۔"

حاجی فضل الٰہی صاحب بیان کرتے ہیں۔میری شادی کو ابھی چند ماہ ہوئے کہ اچانک موسمی بخار کی وبا پھوٹ نکلی سارا پنجاب اس کی لپیٹ میں آ گیا شرقپور میں میرا کنبہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔میں لاہور میں مقیم تھا۔مجھے اطلاع دی کہ تم میاں بیوی واپس شرقپور آ جاؤ تا کہ کوئی دوا لانے والا تو ہو کیونکہ سب بخار میں مبتلا ہیں۔چنانچہ ہم دونوں والدین کے پاس شرقپور چلے آئے۔

راقم (حاجی فضل احمد) کے والد بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر روز مغرب کی نماز کے بعد پانی دم کروانے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ابھی چار روز ہی گزرے ہوں گے کہ اہلیہ بھی بخار کی زد میں آ گئیں۔

میں معمول کے مطابق دم کروانے کے لیے پانی لے کر حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچا۔قبلہ میاں صاحب اوّابین پڑھنے کے بعد سر بسجود تھے۔میں پاس بیٹھ گیا۔حضرت قبلہ نے بعد فراغت فرمایا۔

"لالو! پانی دم کر دوں۔" میں خاموش رہا۔حضرت صاحب قبلہ نے پیار بھرے انداز میں فرمایا۔"لالیا! پانی دم کر دوں۔" یہ کہہ کر پانی کا گلاس میرے ہاتھوں سے لے لیا اور دم کرنا شروع کیا۔دم یہ کیا۔"اٹھ بھبھیر یے ستّے مینڈ آیا ای۔چھو" تین بار یہ فقرہ کہا اور پانی دم کر دیا اور مسکرا کر فرمایا"لوجی! لے جاؤ پانی۔"

میں پہلے تو نہ سمجھا لیکن حضرت صاحب کے مسکرانے سے سمجھا کہ شاید حضرت صاحب سمجھ گئے ہیں کہ آج اس کی اپنی بیوی بھی بیمار ہو گئی ہے اور مذاقاً تکرار فرما رہے ہیں۔

میں جب دم کیا ہوا پانی لے کر گھر پہنچا تو دیکھا اہلیہ چپاتیاں پکانے میں مصروف ہے۔ سخت حیران ہوا اور پوچھا۔ "تمہیں سخت بخار کی حالت میں بے ہوش چھوڑ گیا تھا۔" وہ کہنے لگی۔ "مجھے نہیں معلوم! مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں ابھی ابھی سوئی ہوئی جاگی ہوں۔"

جواسیس القلوب

اعلٰے حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ کی عادت تھی کہ مال و زر اپنے پاس نہیں رہنے دیتے تھے جو کچھ آتا تھا خرچ کر دیا کرتے۔ بلکہ جب بھی کہیں سے کچھ آتا تو پاس بیٹھے ہوئے مقربین میں سے کسی ایک کو دے دیتے اور اسی کے ذریعے خرچ کرواتے۔ بعض اوقات باہر جاتے وقت کسی ایک کو کہہ دیتے کہ "کچھ لے لو" تو وہ اپنی گرہ سے کچھ رقم لے لیتا اور خرچ کرتا رہتا جب کہیں سے رقم آتی تو اس کو دے دیتے۔ باہر جاتے وقت عموماً چالیس چالیس، پچاس پچاس آدمی آپؒ کے ہمراہ ہوتے اور ان کا کرایہ و خرچ وغیرہ آپؒ ہی ادا کرتے۔ انہیں خرچ نہ کرنے دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر تشریف لے گئے ہوئے تھے آپؒ کے ساتھ بیسیوں معتقدین بھی تھے۔

بابا جی مستری کرم دین (مرحوم) ہمیشہ کی طرح بھاگ بھاگ کر انتظام میں مصروف تھے خرچ بھی انہی کے ذریعہ ہو رہا تھا مکان شریف سے واپسی پر قصور کے چند ایک حضرات نے آپؒ کی خدمت میں کچھ رقم نذر کی تو آپؒ نے روپے ہاتھوں میں لے کر دور پھینک دیے اور چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کسی کو کچھ کہنے کی مجال

نہیں تھی سب خاموش تھے۔ مستری کرم دین کے پاس جتنی رقم تھی خرچ ہو چکی تھی۔ وہ بڑے حیران تھے کہ حضرت صاحب قبلہ نے نذر کی گئی رقم تو واپس کر دی ہے لیکن میرے پاس ٹکٹیں لینے کے لیے ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔ کیا بنے گا اور خرچ کہاں سے آئے گا۔ اس وقت تو حضرت صاحب قبلہ کو نذر لے لینی چاہیے تھی۔

اس ادھیڑ بن میں ریٹر جھنڈو کے اسٹیشن پر جو مکان شریف سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گئے گاڑی آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ ٹھہر گئے۔ مستری کرم دین صاحب، والد صاحب و دیگر چند احباب پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ ایک نامعلوم اور ناواقف آدمی آیا اور اس نے سو روپے کا نوٹ دے کر کہا" یہ سو روپیہ ہے اسے لے لو اور خرچ کرو لیکن حضرت صاحب قبلہ کو پتہ نہ چلے۔"

خرچ کے لیے پہلے ہی کچھ موجود نہ تھا لہٰذا مستری کرم دین صاحب نے سو روپیہ لے لیا اور ٹکٹیں وغیرہ خرید لیں۔ گاڑی ابھی نہیں آئی تھی کہ پلیٹ فارم پر ایک اور نامعلوم شخص ملا اور اس نے بھی ایک سو روپیہ دے کر کہا کہ حضرت صاحب تک خبر نہ پہنچے۔ چنانچہ اسی طرح غیبی امداد سے نامعلوم اور انجانے آدمیوں کے ذریعے چار صد روپیہ حاصل ہو گیا۔ گاڑی آئی سوار ہوئے اور امرتسر پہنچے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا اور کہا" آج کل تو خدا پر ذرہ بھر بھی کسی کو بھروسہ نہیں۔ اتنا توکل بھی خدا کی ذات پر نہیں رہا جتنا کسی کی جیب میں 'ادھنی' یعنی دو پیسے ہونے پر ہوتا ہے۔"

ایسے ہی ایک اور موقع پر شرقپور شریف میں حضرت صاحب قبلہ کے پاس راقم کے والد بیٹھے تھے کہ ڈاکیے نے آکر ڈاک دی۔ آپ چٹھیوں کو ملاحظہ فرماتے

رہے۔ خطوط اور دیگر لفافوں میں سے ایک لفافہ حضرت صاحب قبلہ نے والد صاحب کے ہاتھوں میں دیا کہ لفافہ تم کھولو' والد صاحب نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سے ایک ہزار روپے کے کرنسی نوٹ برآمد ہوئے۔ والد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کی۔ ''حضور اس لفافہ میں سے ہزار روپیہ نکلا ہے۔''

سرکار فرمانے لگے ''ہم نے اسے کیا کرنا ہے کیا یہ ہمیں پل صراط سے پار کردیں گے۔ اچھا اس میں سے تین صد روپیہ فلاں شخص کو دے دو، دو صد فلاں کو، ایک صد فلاں کو، پچاس فلاں کو، پچیس فلاں کو غرضیکہ آپ نے سارے کا سارا روپیہ ضرورتمند اشخاص تک پہنچانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ وہ روپیہ حضرت صاحب قبلہ کے ہاتھوں میں آئے بغیر مستحقین تک پہنچ گیا۔ والد صاحب نے عرض کی۔ ''حضور! یہ دس روپے باقی بچ رہے ہیں۔'' یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ یہ دس روپے احاطے میں ایک بڑھیا رہتی ہے اسے دے آؤ۔ والد صاحب جب دس روپے دینے کیلیے اس ضعیفہ کے پاس پہنچے تو وہ بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ میرے ہاں آٹا بالکل ختم ہے۔ میں بڑی متفکر تھی۔ شاید آج رمضان شریف کا چاند ہو جائے اور کل روزہ ہو۔ حضرت صاحب نے بڑی مہربانی فرمائی ہے اب میں بے فکر ہو کر روزے رکھوں گی۔

والد صاحب جب مائی کو روپے دے کر واپس مسجد میں حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بڑے خوش وخرم نظر آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے۔

''بھئی رمضان (1) شریف کا چاند ہو گیا ہے۔ کل سے یہ بابرکت مہینہ شروع ہو

---

1. رمضان شریف کی آمد پر حضرت صاحب قبلہ بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ حضور رونے لگتے اور فرماتے'' آہ! سال بھر سے جس کا انتظار تھا وہ آیا اور جلدی چلا جائے گا۔'' یہ کہہ کر آپ رونے لگتے اور بہت مغموم ہوتے۔

رہا ہے (آپ کی خوشی بھی اسی بابرکت مہینہ کی وجہ سے تھی) نیز آپؒ نے فرمایا۔ "گھر میں گھی نہیں ہے کہیں سے گھی لاؤ۔" والد صاحب نے عرض کی "حضور! پانچ سیر گھی لے آؤں؟"

آپؒ ہنس دیے اور والد صاحب کے گھٹنوں پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا۔ "مار یا ہویا! پانچ سیر کیا ہوتا ہے، گھی کا ٹین لاؤ۔ مہمان وغیرہ آنے ہیں۔ رمضان شریف ہوا۔ خود جو چپاتیوں میں گھی لگا کر کھاتے ہیں آخر مہمان کیوں پیچھے رہیں۔" چنانچہ والد صاحب شیخ احمد دین نارنگ کے ہاں گئے اور وہاں سے ایک کنستر گھی ادھار لے آئے۔ (والد صاحب کو خیال گزرا کہ ہزار روپیہ لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں سے گھی کے لیے ہی رکھ لیتے)۔ دوسرے دن علی الصبح والد صاحب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ ملکاں والی مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک آدمی آپؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس کے ساتھ تصوف سے متعلق باتیں کر رہے تھے والد صاحب بھی پاس بیٹھ گئے دوران گفتگو میں ہی اسی آدمی کی طرف روئے سخن کیے ہوئے آپؒ فرمانے لگے کہ ایک دن مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اتنا مال آیا کہ آپؓ کے سامنے ڈھیر لگ گیا۔ آپؓ اس مال کو فقراء اور مستحقین میں تقسیم فرمانے لگیں۔ حتیٰ کہ تمام کا تمام مال تقسیم ہو گیا۔ جب رات کا وقت آیا تو مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی خادمہ سے فرمایا۔ "کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔"

خادمہ نے عرض کی۔ "سرکار! گھر میں کھانے کے لیے تو کچھ بھی نہیں صرف باسی روٹی کے کچھ ٹکڑے اور زیتون کا تیل موجود ہے۔" مائی صاحبہ نے فرمایا۔ "یہی سہی۔" چنانچہ خادمہ وہی کچھ لے آئی اور مائی صاحبہ کھانے لگیں۔ لونڈی نے عرض کی۔

"سرکار! اتنا مال لوگوں میں تقسیم کیا ہے کچھ اپنے لیے بھی رکھ لیتیں۔"

مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا۔ "تم نے مجھے یاد کرا دیا تھا۔" یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ "کوئی ماں کا لعل ایسا بھی ہے جسے اپنا آپ بھول جائے۔" (والد صاحب اپنے دل میں لائے ہوئے خیال کا اتنا مسکت اور اعلیٰ جواب سن کر حیران رہ گئے اور سر جھکا لیا۔)

شاہ عالمی دروازہ (بازار) جلے گا۔

پاک و ہند کے باشندوں کی اکثریت جانتی ہے کہ لاہور میں شاہ عالمی بازار لاہور کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور ہندو مہاجنوں کا "گڑھ" تھا۔ نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب کی تمام ہندو آبادی کو شاہ عالمی بازار پر بڑا ناز تھا۔ اس بازار کی ننانوے فیصد آبادی اور تجارت ہندوؤں کی تھی اس علاقہ میں مسلمانوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ جیسے پنجاب کا دل لاہور ہے اسی طرح ہندوؤں کا دل شاہ عالمی دروازہ اور شاہ عالمی دروازہ کا دل "مچھی ہٹہ" تھا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ شاہ عالمی بازار سے گزر رہے تھے بازار میں بہت بھیڑ تھی۔ چلتے چلتے جب آپ "مچھی ہٹہ" پہنچے تو آپ کو جوش آ گیا آپ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ نے اسے تین بار زمین پر دے مارا اور کہا۔ "یہ کب جلے گی؟ یہ کب جلے گی؟ یہ جلنی چاہیے۔" ہمرائیوں نے عرض کی "حضور! یہ ہندو کیا کہیں گے۔" آپ فرمانے لگے۔ "بازار کھلے ہو جانے چاہییں۔"

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ شاہ عالمی اور مچھی ہٹہ جیسے مضبوط قلعے جن کا جل جانا وہم

وگمان میں نہیں آسکتا تھا کیسے چلے اور کس بری طرح چلے اور ہم نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی کو حرف بہ حرف پورا ہوتے اس طرح بھی دیکھا کہ سابقہ شاہ عالمی اور بچھی ہٹہ نہ رہ۔ ہے اور اب اس جگہ ایک خوبصورت اور کشادہ بازار ہے۔

از ہمہ اوست، ہمہ اوست

ایک دفعہ راقم الحروف کے والد صاحب کے ذہن پر ہمہ اوست اور از ہمہ اوست کا مسئلہ بری طرح مسلط ہو گیا اور ایسی پیچیدگی اختیار کر گیا کہ وہ ہر وقت اسی میں الجھے رہتے۔ ایک دن والد صاحب، حضرت صاحب قبلہ کو ملنے گئے تو معلوم ہوا کہ آپؒ لوہاراں والی مسجد جو آپؒ کی گلی کے بالکل سامنے ہے میں تشریف فرما ہیں والد صاحب وہاں پہنچے تو آپؒ نے والد صاحب کی ناک کو ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا۔ "یہ ناک کس کی ہے؟" والد صاحب خاموش رہے اور آپؒ نے خود ہی جواب دیا۔ "خدا ہی کی تو ہے ناں! اور کیا تمہاری ماں کی ہے۔" اس کے فوراً بعد فرمایا "کیا خدا کی بھی ناک ہے؟ خدا تو جسم سے پاک ہے۔" اور والد صاحب کا مسئلہ حل ہو گیا۔ واہ، واہ سبحان اللہ! سرکار میاں صاحب نے کیسے خدا کی دی ہوئی طاقت سے والد صاحب کے دل کی بات کی بلکہ جان گئے کہ اس کے دل میں یہ بات مسلط ہو گئی ہے۔ اس کا مختصر اور سارے لفظوں میں عمدہ اور ٹھوس جواب دیا۔ جس سے نہ صرف ان کی تسلی ہوئی بلکہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

ایسے ہی ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف جاتے ہوئے بٹالہ جانے کے لیے لاہور اسٹیشن پر تشریف لائے گاڑی میں بڑی بھیڑ تھی آپؒ ابھی

سوار ہی نہیں ہوئے تھے کہ روانگی کی وسل ہوگئی (سیٹی بجی) اور سواریوں میں بھگدڑ مچ گئی اس افراتفری میں سب ساتھی ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا۔ ہر ایک کو تشویش ہوئی کہ معلوم نہیں آپ کہاں بیٹھے ہیں اور سوار بھی ہوئے ہیں یا نہیں آخر جب گاڑی امرتسر پہنچی تو کچھ ساتھی اتر کر آپ کو ڈھونڈنے نکلے اور دیکھا کہ آپ" گارڈ کے کمرہ سے اتر کر ہمرائیوں کی طرف آرہے تھے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ "فکر کی کوئی بات نہیں تھی مجھے تو گارڈ لاہور اسٹیشن سے ہی بھیڑ میں سے نکال کر ساتھ لے گیا تھا۔ وہ بیچارہ بھی ہمہ اوست اور از ہمہ اوست کے چکر میں پھنسا ہوا تھا اب اس کی تسلی ہوگئی ہے۔"

تین ذکر

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حاجی فضل الٰہی صاحب" و دیگر چند ایک ہمرائیوں کے ساتھ ٹم ٹم پر سوار لاہور تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ" نے موضع اٹاری پہنچنے پر سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے باغیچہ اور چوکھنڈی کی طرف اشارہ کر کے ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سامنے ہی چوکھنڈی میں ایک ضعیف العمر ملاح بیٹھا ہوتا ہے۔ یہ ملاح بابا دریائے راوی پر کشتی رانی کرتا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں چھوٹی عمر میں ہی تھا کہ ان کے پاس دریا پر پہنچا۔ میں نے ملاح بابا سے کہا "بابا جی! جب آپکو خضر علیہ السلام ملے تھے تو انہوں نے آپ" کو کونسا وظیفہ بتایا تھا۔"

ملاح بابا نے کہا "بیٹا تمہیں کس نے بتایا کہ مجھے خضر علیہ السلام ملے تھے اور

انہوں نے ایک وظیفہ بتایا تھا۔" آپ بولے وہ بات تو رہنے دیں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے آپ کو کون سا وظیفہ بتایا تھا۔ ملاح بابا نے جواب دیا۔ "میں ایک وقت میں تین ذکر کرتا ہوں۔ وہ اس طرح کہ ایک دل سے، ایک زبان سے اور ایک خیال سے۔ دل سے نفی اثبات، خیال سے اسم ذات اور زبان سے "یاحیی یاقیوم۔"

کچھ عرصہ بعد اچانک ہی ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "ٹم ٹم تو لاؤ ذرا اتاری چلیں۔" چنانچہ ٹم ٹم آئی اور آپ مع چند ہمراہیوں کے اتاری آگئے۔ وہاں پہنچنے پر دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہوا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم ہے کہ جنازے کے پاس اکٹھا ہو رہا ہے۔ وہ جنازہ مذکورہ بالا ملاح بابا کا تھا۔ لوگ آپ کو دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ حیران اس لیے کہ آپؒ کو اطلاع تو تھی نہیں۔ پھر آپؒ آ کیسے گئے؟ سب لوگ نماز جنازہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کہ آپ کا ہی انتظار تھا۔ آپ نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور واپس چلے آئے۔

دوسرے ہی دن آپؒ نے پھر فرمایا "ذرا اتاری تو چلیں۔" چنانچہ جب اتاری پہنچے تو وہاں علاقہ کے بہت سے لوگ ملاح بابا کے فاتحہ کے لیے اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے آپؒ نے پہلے تو باباجی کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے فاتحہ پڑھی اور بعد میں سب لوگوں کے سامنے اپنی جیب میں سے ایک قینچی نکالی اور ایک شخص (جس کی مونچھیں گھنی اور بہت لمبی تھیں) کی مونچھیں کاٹنی شروع کر دیں۔ جب اس کی مونچھیں شرع کے مطابق ہو گئیں تو آپؒ نے شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ "بس! اب انکو نہیں بڑھانا۔"

چنانچہ اس نے ساری بقیہ عمر اپنی مونچھیں شریعت مطہرہ کے مطابق ہی رکھیں بعد

میں معلوم ہوا کہ وہ مونچھوں والا آدمی ان ملاح بابا کا لڑکا تھا۔ اس سے پہلے ملاح
خود اور بہت سے لوگوں نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح یہ اپنی مونچھیں چھوٹی کروا لے
لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

ایسے واقعات بیسیوں نہیں، سینکڑوں کی تعداد میں ہیں جن کو نہ صرف عقید
کیشوں نے دیکھا بلکہ ہزاروں عام لوگوں، غیر مذاہب کے پیروکاروں اور فاسد عقا
رکھنے والوں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہی کہ
سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ذات باری تعالیٰ نے کمال مہربانی اور
شفقت سے مکاشفہ اور قوت باطنیہ کے وافر حصے عطا فرمائے تھے اور آپ کا سینہ کتنا
پرنور اور آپ کا آئینہ دل کیسا صاف اور شفاف تھا کہ دنیا بھر کی باریکیاں بھی اپنے اصلی
رنگ وروپ میں ان کے پیش نظر تھیں۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ انہیں خیال رہنے لگا کہ حضرت صاحب قبلہ
رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس خیال سے وہ اکثر پریشان رہنے
لگے۔ ایک دفعہ انہیں تو ساری رات اسی خیال سے بے چینی رہی۔ علی الصبح جب وہ
حضرت صاحب قبلہ کو ملنے گئے تو آپؒ ملکاں والی مسجد میں نارائن سنگھ حوالدار سے
محوِ گفتگو تھے۔ والد صاحب وہاں پہنچے تو آپؒ نے چہرہ مبارک اٹھا کر ان کی طرف
ایک نگاہ ڈالی اور پھر اسی طرف حوالدار سے محوِ کلام ہو گئے اور پہلے سے شروع بات
چیت کو ادھورا چھوڑ کر اسی طرف منہ کیے ہوئے فرمانے لگے کہ ایک دفعہ سیدنا صدیق
اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے دل میں خیال گزرا کہ اگر سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم
فداہ ابی و امی دنیا سے پردہ فرما گئے تو ہمارا کیا بنے گا۔

حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دلی خدشات کو دیکھتے ہوئے فرمایا: "اے صدیق! اگر تمہیں میرے جسم سے پیار ہے تو بیشک رنج وفکر میں ڈوبے رہو اور اگر تمہیں میری روح سے محبت ہے تو میں ہر وقت تمہارے پاس ہوں۔ فکر کی کیا ضرورت ہے؟"

یہ فرما کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "کیا ہم چونسٹھ، پینسٹھ سال سے زیادہ بڑھ جائیں گے؟" اس طریقے سے آپؒ نے والد صاحب کو مطمئن کر دیا۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

شرقپور شریف کے مونگا خاندان میں میاں محمد امین مونگا اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحبؒ سے بیعت تھے۔ آپ کو ان سے ازحد محبت تھی میاں محمد امین (1) کے سسرال والوں نے ان سے کہا کہ تمہارے برادر نسبتی منشی حافظ بخش کی شادی کا دن نزدیک آرہا ہے لاہور سے وری وغیرہ خرید لائیں۔

زمانہ بڑا اچھا تھا لوگوں کی عادتیں نیک تھیں اور صاحب نسبت حضرات جان ودل سے فدائے پیرو مرشد ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی وقت طلب مسئلہ دریافت کرنا ہوتا یا کوئی مشکل آتی تو عقدہ کشائی کے لیے اپنے شیخ کی طرف رجوع کرتے بلکہ کسی کام کا ارادہ کرتے وقت یا سفر پر روانہ ہونے سے پیشتر اپنے پیر طریقت کی بارگاہ میں طلب دعا اور رخصت کے لیے حاضر ہوتے۔ چنانچہ اپنی عادت کے مطابق

---

1. راقم الحروف کے نانا جان

میاں محمد امین بھی حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا کہہ کر لاہور جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے کہا "لاہور جا لیکن تین دن متواتر تہجد کی ادائیگی میں ناغہ نہ کرنا۔ یہ ناغہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگا۔" اور میاں محمد امین حسب پروگرام سسرال والوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

لاہور سارا دن سامان کی خریداری رہی اور رات کو اپنی جائے قیام پر آ کر سو رہے۔ میاں محمد امین پابندی اور باقاعدگی سے تہجد گزار تھے لیکن اس رات تہجد کی نماز کے لیے نیند سے نہ جاگ سکے تو کسی سفید پوش نے جگا کر بٹھا دیا۔

یہ سوچ کر کہ ان کا سسر انہیں تہجد پڑھتے دیکھ کر کیا کہے گا۔ شرم کے مارے وہ پھر سو گئے اور تہجد کی نماز رہ گئی۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا اور نماز فوت ہو گئی۔ تیسرے دن بھی سابقہ حالات کے مطابق تہجد گزاری میں ناغہ ہو گیا۔ وقت گزرتا گیا تین چار سال کے بعد میاں محمد امین کو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت پہلے سی نہیں رہی۔ فیض کے راستے بند ہوتے نظر آئے اور انہیں 'قبض' کا پتہ چل گیا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "حضور! میری طبیعت تو یکسر خالی ہو گئی ہے۔ وہ بات ہی نہیں رہی۔" آپؒ نے فرمایا "یاد کرو میں نے کہا تھا کہ نماز تہجد میں مسلسل تین روز ناغہ نہ کرنا۔ آخر وہی ہوا۔" اور پھر آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ "اب تمہیں اس شدت سے احساس ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ کام بن جائے گا۔" آپ نے توجہ فرمائی اور آپؒ کی نگاہ لطف و کرم سے انکی وہی حالت پھر عود کر آئی جو پہلے تھی۔

شرقپور شریف میں جب طاعون کی وبا پھیلی تو میاں محمد امین صاحب پر بھی بیماری کا حملہ ہو گیا اور وہ چارپائی سے جا لگے۔ والد صاحب ان دنوں لاہور ہوا کرتے

انہیں وہاں سے بلا لیا گیا۔ شرقپور شریف آنے پر جب والد صاحب حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا۔ ''تم محمد امین کے پاس ہی رہا کرو۔''

کچھ دن علیل رہنے کے بعد میاں محمد امین صاحب کا انتقال ہو گیا اور والد صاحب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دینے آپؒ کے ہاں پہنچے۔ آپ اس وقت رفع حاجت کے لیے بیت الخلاء گئے تھے۔ فراغت کے بعد آئے تو والد صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ مجھے لہو کا پاخانہ ہوا ہے آج کوئی انہونی بات ہو گئی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ محمد امین مرد خدا تھا۔ لیکن خدا کو جتنی دیر منظور تھا اتنی دیر ہی رہنا تھا۔ تم واپس جاؤ اور جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ والد صاحب واپس آ گئے۔

جب غسل سے فارغ ہوئے اور جنازہ قبرستان لے جانے کے لیے تیار ہوا تو والد صاحب حضرت قبلہ کو اطلاع دینے آئے تو آپؒ نے پوچھا ''فضل الٰہی! تم نے محمد امین کو کیسا پایا ہے؟'' والد صاحب نے عرض کی۔ ''اور تو مجھے معلوم نہیں جب غسل دے رہے تھے تو میں نے دیکھا میاں محمد امین کا سلطان الاذکار جاری تھا۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تم نے درست کہا۔ ایسا ہی ہے۔''

والد صاحب کا کہنا ہے کہ حکیم رانجھا زرگر کی نماز جنازہ کے بعد جب میت کو اٹھایا گیا تو وہ بھی ہمراہ تھے۔ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جنازہ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ والد صاحب جوان دنوں جواں عمر تھے۔ بڑھ بڑھ کر جنازہ کو کندھا دے رہے تھے۔ آپ قبلہ نے ان کو بلایا اور علیحدہ کیا قبرستان میں لے آئے اور کہا لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ میں بڑھ چڑھ کر کندھا دے رہا ہوں۔ پھر آپؒ نے

پوچھا محمد امین کی قبر کہاں ہے۔ معلوم ہے تجھے؟ پھر خود ہی ایک قبر کی پائنتی میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "یہی تو نہیں"۔ وہ قبر میاں محمد امین ہی کی تھی۔ چند دقیقے قبر پر خاموش کھڑے رہے۔ بعد فرمایا۔ "الحمد للہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بعد از وفات اپنے گھروں کی خبر بھی لے آتے ہیں اور لوگوں کی امداد(۱) بھی کرتے ہیں۔"

قبرستان سے جب واپس لوٹے تو ایک آدمی جاتا ہوا نظر پڑا۔ آپ نے والد صاحب سے فرمایا کہ اسے بلاؤ۔ جب اسے بلایا گیا تو آپ نے اس کا نام دریافت کر تلقین کی اور کچھ پڑھنے کے لیے بتایا۔ تھوڑی دور جا کر پھر اور شخص ملا آپؒ نے اسے بھی توجہ سے نوازا اور کچھ ورد وظائف بتانے کے بعد کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

والد صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ آج موج میں معلوم ہوتے ہیں اور دریائے کرم جوش میں ہے جو آپؒ ایسے ہی راہ چلتوں کو بلا بلا کر توجہ سے نوازتے چلے جا رہے ہیں۔

والد صاحب کے دل میں اس خیال کا ابھی گزر ہی ہوا تھا کہ میاں صاحب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "آج میرا جی چاہتا ہے کہ ہر ایک کو تلقین کروں۔ اور شجر و حجر ذکر کرنے لگیں۔ ہر طرف مولائے ذوالجلال کے نام کا ورد ہو اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ذکر میں محو نظر آئے۔"

آج سے ستر بہتر سال پیشتر سعودی عرب کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ سعودی عرب کے باشندے غربت کی وجہ سے بڑے تنگ دست تھے ان کی زندگی

۱؎ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب قبلہ کے فرمائے ہوئے کی تصدیق کئی دفعہ ہوئی۔ خواب میں آئے اور مشکل کا حل بتایا۔ کئی گھریلو معاملات میں رہنمائی ہوئی۔ جب بھی کبھی وقت طلب معاملہ رونما ہوا آپ نے خواب میں آکر مدد کی۔ (طوالت کی وجہ سے تفصیل نہیں دی جا رہی)

والی عسرت میں گزرتی تھی۔ وہ نہ صرف حجاج کرام اور زائرین حرمین الشریفین کی
امداد وصدقات کے منتظر رہتے بلکہ عربی باشندے مختلف خوشحال ملکوں خاص طور پر
ہندوستان کی طرف رجوع کرتے جہاں عربی ہونے کے ناطے انکی امداد اور خدمت کی
جاتی۔ عرب شریف کا کوئی باشندہ شرقپور شریف آجاتا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ
اللہ علیہ ان سے بہت پیار کرتے اور دل وجان سے ان کی عزت وتکریم کرتے ہوئے
مالی امداد بھی فرماتے۔

انہی دنوں ایک مفلس وغریب آدمی حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مالی امداد
کی آس لگائے شرقپور شریف کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کے دل میں خیال
گزرا۔ حضرت میاںصاحب عرب باشندوں کی بڑی عزت اور خدمت کرتے ہیں
کیوں نہ عربی لب ولہجہ اختیار کر کے عرب ہونے کا تاثر دیا جائے تاکہ سرکار
میاںصاحبؒ سے اچھی خاصی مالی معاونت حاصل کی جائے لہٰذا شرقپور شریف آگیا اور
اپنے آپ کو عرب ظاہر کیا۔ آپ نے بڑی تکریم کی اور اسے عزت واحترام سے اپنے
پاس ٹھہرایا۔ ایک دو روز کے بعد اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے واپسی پر
اسے اچھی خاصی رقم دی اور رخصت کرنے اس کے ساتھ ہولیے۔ کافی فاصلے پر پہنچ کر
آپؒ نے اسے فرمایا۔

"دوست! اب وہ جگہ آگئی ہے جہاں تم نے ایک عربی کا بہروپ بھرنے کا قصد
کیا تھا اور پھر ایک عربی کی شکل میں میرے پاس پہنچے۔ اب تم اپنی اصل حالت میں
واپس اپنے گھر جاؤ۔ تمہارا مقصد تو پورا ہو چکا ہے۔ ہم بھی واپس لوٹتے ہیں۔"

جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کر چکا ہوں اولیاء کرام کے نور بھرے دل

انوار الٰہی اور تجلیات ذات کا مخزن ہوتے ہیں اور رب ذوالجلال انہیں نور معرفت عطا
فرماتے ہیں تو کونسی ایسی چیز ہے جو ان سے مخفی ہوتی ہے جب وہ اللہ کے نور سے دیکھ
ہیں تو دلوں کے عمیق ترین گوشے بھی ان کی نظروں میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔
عربی بہروپ بھرنے والے کا حال کیسے حضور میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ
نظروں سے اوجھل رہتا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ،ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدبیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
(علامہ اقبالؒ)

کرامات

معجزہ کرامت اور استدراج

معجزہ کا ظہور پیغمبر سے اور کرامت کا ظہور ولی سے ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم علی ہجویری سرکار داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''معجزوں کی شرط یہ ہے کہ وہ ظاہر کیے جائیں اور کرامت کی شرط یہ ہے کہ حتی الامکان ظاہر نہ کی جائے۔ صاحب معجزہ شرع میں تصرف پیدا کر سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کا نبی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے اور صاحب کرامت کو سوائے شرعی احکام کے تسلیم اور قبول کر لینے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ ولی کی کرامت شرع کے خلاف کبھی نہیں چل سکتی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ولی ولایت اور کرامت کو ظاہر کرے تو یہ حالت کی صحت کو زیاں نہیں پہنچاتا نیز داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اثبات کرامت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے کیونکہ وہ اس کے صدق کی علامت ہے اور ولی کی کرامت نبی کی نبوت کا ثبوت ہے اور مومن کے لیے بھی ولی کی کرامت رویت نبی کے صدق پر زیادہ اعتماد پیدا کرتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کرامت کا ظہور تکلف اور رعونت سے نہ ہو آپؒ نے مزید فرمایا کہ ولایت اور کرامت خدا کی بخششوں میں سے ہے اور کسب کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔

اسی طرح کرامت اور استدراج میں بڑا فرق ہے۔ کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہے اور استدراج کافر یا فاسق سے سرزد ہوتی ہے ولی اللہ سے شریعت مطہرہ

اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ولی جو کچھ حاصل کرتا ہے فیضان نبوت سے حاصل کرتا ہے اس لیے ولی سے کوئی فعل خلاف شریعت سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔ برخلاف اس کے کافر یا فاسق سے خلاف شرع باتیں ظہور میں آتی ہیں اور وہ صرف شیطانی شعبدہ بازیوں کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر جذب طاری ہو اور وہ شریعت سے دور ہو جائے تو یہ جذب شیطانی ہے اور وہ شخص جس پر جذب طاری ہو اور وہ کتاب و سنت کا تابع ہو جائے تو یہ جذب رحمانی ہے۔ نیز سلطان باہو صاحبؒ نے 'عین الفقر' (صفحہ ۲۸) پر ایک حدیث پاک نقل فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ فرمایا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر تو کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھے اور تجھے معلوم ہو کہ میری سنت پر عمل نہیں کرتا تو اسے جوتے مار یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک اسکی کوئی عزت نہیں ہے شیطان کو خدا تعالیٰ نے اس سے زیادہ قدرت دی ہے

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک اضطراری اور دوسری اختیاری۔ اضطراری یہ کہ ظاہری وجود سے کوئی کام ولی کی ذات کے لیے باعث اضطرار ہو جاتا ہے اور اس اضطرار میں کرامت کا ظہور محض من جانب اللہ ہو جاتا ہے۔ اختیاری یہ کہ ولی کی ذات خود بخود ایک ایسے کام کی خواہش پر اتر آتی ہے جو ناممکن الوجود ہو۔ اور اسکی حقیقت جامع اس نہ ہو سکنے والے کام کے وقوع میں منہمک ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ ذات

باری تعالےٰ اسکو وقوع کا جامہ پہنا کر خلق اللہ پر اولیاء کی حجت قائم کر دیتی ہے۔ تاہم اولیاء کاملین اور عارفین الٰہی کا مقصود کرامات نہیں ہوتا اور نہ ہی بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظہور کرامت ولایت کی دلیل ہے اور نہ ہی خارق عادت کا ظہور ولایت یا افضیلت کا معیار ہے۔

حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تمام تر کرامت تھی۔ آپ کی زندگی کے قریباً ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی صورت کرامت موجود ہے آپؒ کی ذات گرامی سے خوارق اور کرامات بکثرت ظہور میں آئیں جن کا مقصد جاہ طلبی، شہرت یا نمود نہ تھا۔ آپ کا جو قدم بھی اٹھا اعلائے کلمۃ الحق اور دین متین کی خاطر، اور آپؒ کی ذات گرامی سے جو کام سرزد ہوا محض حق کی رضا جوئی کے لیے۔ آپ کا مقصود مطلقاً بالذات تھا۔ آپ کی تمام تر روحانی قوتیں تبلیغ دین اصلاح احوال اور قلوب کی صفائی کے لیے ہی خرچ ہوئیں۔ غرضیکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے اکثر ایسی کرامات ظہور میں آئیں جن سے خلق اللہ کو بہت فائدہ ہوا۔

کوٹلہ پنجو بیگ

آستانہ عالیہ خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں 'گجیانہ' ہے وہاں کا نمبردار پیر محمد تھا جو سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ ایک دن نمبردار مذکور کوٹلہ شریف حاضری کے لیے آیا۔ حاضری کے بعد جب وہ اپنی گھوڑی پر سوار واپس ہوا تو اندھیری رات میں راستہ بھول گیا ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس زمانے میں ہر طرف اجاڑ اور جنگل ہوا کرتا تھا۔

دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ ویسے بھی برساتی نالوں سے نکلا ہوا پانی ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ایسے میں راستہ بھول جانا یقینی امر تھا۔ پیر محمد نمبردار کا کہنا ہے کہ ایسے جنگل میں اکثر چور ڈاکو کا بھی خطرہ رہتا تھا۔ میں پریشان تھا۔ ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ جیسے کوئی نہر پر کھڑا مجھے بلا رہا ہے۔ میں اس آواز کی طرف روانہ ہوا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا سفید گھوڑی پر سفید لباس میں کوئی سوار ہے۔ سوار نے کہا "تم راستہ بھول گئے ہو میرے پیچھے پیچھے آؤ" چنانچہ پیر محمد نمبردار سوار کے پیچھے ہولیا۔ نمبردار نے گھوڑی دوڑا کر بہت کوشش کی کہ سوار تک پہنچ جائے لیکن سوار تک نہ پہنچ سکا۔

کچھ میل کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد سفید لباس میں ملبوس سفید گھوڑی کے سوار نے نمبردار سے کہا "دیکھو یہ سامنے تمہارا گاؤں ہی تو نہیں؟" پیر محمد نے دیکھا تو اس کا اپنا گاؤں ہی تھا۔ اس نے کہا "جناب! واقعی یہ میرا گاؤں ہے۔" ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سوار غائب ہو گیا۔ نمبردار حیرانی کے عالم میں اپنے گھر چلا گیا۔ وہ اکثر سوچتا کہ الٰہی! کیا ماجرا ہے یہ کون ہو سکتا ہے جسے تو نے میری رہبری کے لیے ایسی اندھیری رات میں اور ایسے جنگل بیاباں میں بھیج دیا۔ جس نے بخیر و عافیت مجھے اپنی منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اس بیچارے کی سمجھ میں نہ آیا کہ راہبر ہمیشہ تاریکیوں میں ہی آتے ہیں اور اندھیرے سے نکال کر نور و روشنی اور اجالے میں لے جاتے ہیں۔ جب ہر طرف یاس و ناامیدی کے اندھیرے ہوں آنکھوں کو کچھ سجھائی نہ دیتا ہو۔ انسان راستہ بھٹک چکا ہو۔ منزل آنکھوں سے اوجھل ہوا ور کوئی دستگیری کرنیوالا نہ ہو تو ایسے ہی وقت میں فضل ربی سے راستہ دکھانے والا راہبر راستہ دکھاتا ہے۔ بلکہ ہر مشکل، ہر چور اور ڈاکو سے بچا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد پیر محمد نمبردار شرقپور شریف حاضر ہوا اور ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے تمہیں کسی نے تو راستہ دکھا ہی دیا تھا۔" یہ سننے پر اس نے سمجھ لیا کہ وہ سرکار میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ جنہوں نے اس کے بھٹکنے پر راہبری کی۔

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب قبلہ حضرت شرقپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؒ نے انہیں فرمایا۔ "قرآن پاک کا ترجمہ دیکھا کرو۔" مولوی صاحب نے عرض کی کہ حضور وہ تو میں ہر روز دیکھا کرتا ہوں۔ کچھ اور بتایئے۔ "آپ فرمانے لگے۔ "قرآن سے بڑھ کر اور کیا بتاؤں۔"

یہ سننے کے بعد وہ مولوی صاحب واپس چلے گئے اور آٹھ دن کے بعد حاضر ہوئے اور کہنے لگے "خدا کی قسم! وہ یہ قرآن مجید نہیں جو میں پہلے دیکھا کرتا تھا۔ اب تو کچھ اور ہی ہے۔"

دوبار، سہ بار بلکہ کئی بار وہ مولوی صاحب آئے اور ہر بار یہی کہتے کہ اب کی بار قرآن پاک اور طرح نظر آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کا کلام کوئی ایسا ویسا تو نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ بطن در بطن ستر بطن ہیں۔" نیز آپؒ نے فرمایا کہ تفسیر وہ دیکھنی چاہیے جو آج سے سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہو۔ کیونکہ کئی آدمیوں نے معانی میں ردو بدل کر دیا ہے۔

میاں افتخار الدین

باغبان پورہ کے مشہور رئیس میاں تاجدین (مرحوم) سے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرابت داری تھی۔ میاں تاجدین کی وفات کے بعد انکی اہلیہ اپنے

لڑکے میاں افتخار الدّین کو جو ابھی چھوٹے سے ہی تھے ساتھ لے کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتی۔ میاں افتخار الدّین جب جوان ہوئے تب بھی آپؒ کے پاس آیا کرتے۔

ایک دن میاں افتخار الدّین اور مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب قادری (مرحوم) اکٹھے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ دوران ملاقات سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ابو الحسنات کو علیحدہ لیجا کر فرمایا۔ ''تم اس لڑکے (میاں افتخار الدین) کے ساتھ پھرتے مجھے اچھے نہیں لگتے۔''

مولانا ابو الحسنات نے عرض کی۔ ''سرکار! یہ لڑکا بڑا نیک اور پارسا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ولی ہے۔'' یہ سن کر آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ ''ہے تو ولی ہی لیکن مجھے خدشہ ہے کہ یہ کہیں ''ولا'' نہ بن جائے۔''

چنانچہ پاکستان میں کون پڑھا لکھا یا اخبار بین شخص ایسا ہے جو نہیں جانتا کہ میاں افتخار الدین کے خیالات اور حالات کیسے ہو گئے تھے۔ سال کا بیشتر حصہ لندن اور غیر ممالک میں عیش و عشرت سے گزارنے والا یہ رئیس نہ صرف منفی خیالات کا مالک بن گیا بلکہ اس شخص کے اعمال حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی اور ارشاد کے عین مطابق ہوئے اور لوگوں نے آپؒ کے فرمان کو پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

دل صاف کر دیے

لاہور باغبانپورہ کی مشہور میاں فیملی میں میاں شاہنواز بڑے معروف اور بارسوخ آدمی تھے۔ وہ ہمیشہ پنجاب اسمبلی میں اپنے حلقہ سے ممبر ہوا کرتے تھے۔ میاں

صاحب موصوف اتنے باا ثر اور ملنسار تھے کہ عموماً الیکشن میں کوئی ان کا مدمقابل نہ ہوتا اور وہ بلامقابلہ ممبر منتخب ہو جاتے۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا آیا ہے کہ

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

آپس کی پھوٹ خاندانی وقار اور عزت کو خاک میں ملانے کا موجب بن جاتی ہے۔ مذکورہ بالا میاں فیملی کا یہ باعزت اور شریف گھرانہ بھی اس لعنت کا شکار ہو گیا تھا گھریلو ناچاقی اور آپس کی چپقلش نے اس خاندان کے دو حقیقی بھائیوں میاں شاہنواز اور میاں حق نواز کو میدان سیاست میں بھی ایک دوسرے کے مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔

دونوں بھائیوں نے ممبری کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ آخر الیکشن شروع ہو گیا۔ ان دنوں ووٹروں کا حلقہ بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ ہمارا شرقپور شریف بھی اسی حلقہ میں تھا۔ ایک دو تھانوں کے بعد شرقپور شریف پولنگ ہوئی اور ووٹ ڈالے گئے۔ مذکورہ میاں فیملی سے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی رشتہ داری تھی۔ جب آپؒ نے سنا کہ دونوں بھائی اور ان کے رشتہ دار الیکشن کے سلسلہ میں یہاں آئے ہوئے ہیں تو حضرت صاحب قبلہ نے ازراہ قرابت ان کی دعوت کی اور بیس پچیس افراد کو اپنے ہاں کھانا کھلایا۔

ابھی الیکشن ختم ہونے میں کچھ دن بقایا تھے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ باغبانپورہ میں میاں شاہنواز کی کوٹھی آ پہنچے۔ آپ کبھی ان کے ہاں تشریف نہیں لے گئے تھے آپؒ کی اچانک تشریف فرمائی کی وجہ سے میاں شاہنواز اور ان کے گھر والوں کو مسرت و شادمانی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی سلام مسنون کے بعد حضرت صاحب قبلہ نے میاں شاہنواز سے فرمایا۔ ''مجھے یہ تو بتاؤ کہ لڑتے کون ہیں؟'' وہ حیران

وششدر خاموش بیٹھا رہا۔ آپ نے خود ہی فرمایا۔ ”ارے میاں! لڑتے تو کتے ہیں۔ بھائیوں کو تو آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہیے نہ کہ یوں جیسا کہ تم نے شروع کر دیا ہے۔ تم بڑے ہو وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے اور چھوٹے بھائی اولاد کی مانند ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ تم اتنے برس سے اسمبلی کے ممبر ہوتے چلے آئے ہو۔ اب کی دفعہ اگر تمہارا چھوٹا بھائی ممبر منتخب ہو جاتا تو پھر کیا تھا۔ آخر تمہارا ہی چھوٹا بھائی تو ہے۔“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ آپ کا تصرف تھا کہ اس پر رقت سی طاری ہو گئی وہ اپنے کیے پر بڑے پشیمان ہوئے اور عرض کی۔ ”حضور! جیسے آپؒ ارشاد فرماویں میں حاضر ہوں۔“ آپؒ نے فرمایا ”تو بس دستبردار ہو جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں دستبرداری لکھ دو۔“ چنانچہ انہوں نے فوراً دستبرداری لکھ دی۔

اس کے بعد سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ میاں حق نواز کی کوٹھی پہنچے وہ بھی بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی کہ حضور کیسے تشریف لے آئے۔ آپ نے میاں حق نواز سے بھی یہی فرمایا کہ معلوم ہے لڑتے کون ہیں؟ ارے کتے لڑتے ہیں۔ تم دونوں بھائیوں نے یہ کیسا اکھاڑا بنا دیا ہے۔ وہ تمہارا بڑا بھائی ہے اور بڑے باپ کی مانند ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کی فرمانبرداری کرنا چاہیے تھی اس کی عزت تمہاری عزت ہی تو ہے اس پر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو اور آپؒ کے تصرف نے بڑا اثر کیا انہوں نے عرض کی ”حضور! میں اپنے کیے پر بڑا شرمندہ ہوں اور اب ہر طرح حاضر ہوں۔“

آپؒ نے فرمایا۔ ”تو بس اپنے بڑے بھائی کے حق میں دست بردار ہو

جاؤ اور دست برداری لکھ دو۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔ دونوں بھائیوں سے دست برداری لے لینے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور زمانہ میاں افتخار الدین کے والد میاں تاجدین کے ہاں پہنچے۔ وہاں بیٹھکر دونوں بھائیوں کو بلایا۔ میاں تاج دین کے ہاں ایک بھینس کھڑی تھی آپ" نے پوچھا۔ "یہ بھینس کتنی قیمت سے خریدی ہے؟" انہوں نے کہا" یک صدروپیہ سے۔" آپ نے بلند آواز سے فرمایا" مجھ سے دو سو روپیہ لے لو اور ایک بھائی تو لا دو؟" معلوم نہیں اس بات میں کیا جادو بھرا تھا کہ دونوں بھائی دھاڑیں مار کر رونے لگے اور ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے رونے سے ان کی طبیعتیں ہلکی ہو گئیں اور سرکار میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف اور نظر عنایت سے دل صاف ہو گئے کدورتیں دھل گئیں اور رنجشیں دور ہو گئیں۔ جب طبیعتوں میں کچھ سکون ہوا تو آپ نے فرمایا۔ "اب بتاؤ ممبر کسے ہونا چاہیے؟" میاں شاہنواز نے کہا۔ "جناب! میں تو دست بردار ہو چکا ہوں۔" اور میاں حق نواز جھٹ سے بول اٹھے۔ سرکار! میں تو پہلے ہی دستبرداری لکھ کر آپ کو دے چکا ہوں۔"

ایک بھائی کہتا کہ چھوٹا بھائی ممبر بنے اور دوسرا اصرار کرتا کہ بڑا بھائی۔ آخر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی فیصلہ دیا کہ چلو! شاہنواز پہلے سے ممبر ہوتا چلا آیا ہے اسے ہی رہنے دو۔" چنانچہ میاں شاہنواز ممبر ہو گئے اور مرتے دم تک دونوں بھائیوں میں صلح رہی۔

مسیحائی

بعد از نماز مغرب نوافل کی ادائیگی کے بعد مراقبہ میں بیٹھنا حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں سے تھا۔ یاران طریقت حلقہ باندھ کر بیٹھتے اور آپ" توجہ فرماتے۔ مجلس میں اکثر لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ گرمیوں کے دن تھے کہ ایک

دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چھوٹی مسجد جواب قصبہ بھر میں سب سے بڑی عالی شان مسجد ہے کی چھت پر تشریف فرماتھے۔ معتقدین کی ایک تعداد سر جھکائے مصروف اخذ فیض تھی۔ کیف وسرور سے متلاشیان کے دل سرشار تھے۔ محویت اور استغراق کا عالم تھا اور طبیعتوں میں خاصہ لگاؤ تھا۔ اہلیان مجلس میں سے ایک کو اس شدت سے وُجد ہوا کہ وہ مسجد کی چھت پر سے نیچے صحن میں آگرا۔ بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں نے اسے سنبھالا تو دیکھا کہ اس کا سر پھٹ گیا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ اسے اٹھا کر اوپر حضرت صاحب قبلہ کے پاس لے آئے اور عرض کی ''حضور اس کا سر پھٹ گیا ہے'' آپ نے فرمایا لاؤ تو میں بھی دیکھوں کہاں ہے یہ؟'' آپ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

''کوئی بھی نہیں اس کا سر تو صحیح سلامت ہے کہیں سے بھی نہیں پھٹا۔'' یاران طریقت کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بیسیوں افراد نے سر کی صحت کا اقرار کیا۔ اس کی خون سے بھری ہوئی قمیض کے ہوتے ہوئے بھی 'پھٹ' کا مفقود ہو جانا سرکار شرقپوری شریف رحمۃ اللہ علیہ کی مسیحائی کا ہی تو کرشمہ تھا۔ سبحان اللہ!

نابینا، بینا ہو گیا

اوکاڑہ کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک نابینا شخص رہتا تھا۔ اسے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ اس زمانے میں ذرائع آمد ورفت اتنے آسان نہیں تھے جتنے کہ اس وقت ہیں۔ ایک دن وہ بیچارہ تانگہ ودیگر سواریوں پر سفر کرتا ہوا موہلن وال کے پتن پر پہنچا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی اور کشتی

والا سواریوں کا آخری پھیرا پار پہنچا کر اسی وقت واپس پہنچا ہی تھا اور اپنی کشتی باندھ کر گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نابینا مسافر نے نہایت لجاجت اور آرزدگی کے لہجے میں ملاح سے کہا۔ "بھائی! بڑی دور سے آیا ہوں منزل قریب تر ہے مہربانی کرو اور پار پہنچا دو۔" ملاح نے جواب دیا۔ "میاں دیر ہوگئی ہے میں نے بھی گھر جانا ہے اور پھر اور کوئی مسافر بھی تو نہیں۔ تم اکیلے کے لیے کشتی کو کیسے پار لیجاؤں اور ادھر سے بھی تو خالی کشتی لے کر اکیلے ہی آنا پڑے گا۔" نابینا مسافر نے انتہائی منت سماجت اور انکساری سے ملاح کو اسے دریا کے پار اتارنے پر رضامند کر ہی لیا۔ چنانچہ ملاح نے اسے پار پہنچا دیا۔ دن چھپ چکا تھا۔ رات ہوگئی تھی۔ لیکن نابینا مسافر لکڑی کے سہارے شہر قصور شریف کا تین میل کا فاصلہ طے کر کے منزل کے قریب آ پہنچا۔

رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے کسی سے پوچھا کہ یہاں کہیں نزدیک ہی کوئی مسجد ہو تو رات بسر کرلوں صبح سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ کسی شخص کے بتانے پر بیرون ملکانہ گیٹ مولوی محمد شفیع والی مسجد میں وہ فروکش ہوگیا اور رات وہیں بسر کی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کبھی کبھی مسجد مذکورہ میں نماز تہجد ادا کرنے آیا کرتے تھے۔ نابینے کی بلند بختی کہ اس دن بھی آپ سحری کے وقت وہاں تشریف لے آئے اور نماز تہجد کے بعد وظائف میں مشغول ہوگئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ مسجد کے دروازے بند تھے۔ آپ نے کچھ وقت کے بعد آواز دی "کوئی آدمی ہو تو باہر نکل کر دیکھے کہ نماز فجر کے لیے اذان کہنے کا وقت ہوگیا ہے۔ یا ابھی کچھ دیر ہے" آپ کی آواز کے جواب میں کوئی آدمی بھی گویا نہ ہوا۔ مسجد میں حضرت صاحب قبلہ اور اس

نابینا آدمی کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے پھر اسی طرح آواز دی پھر بھی کوئی آدمی نہ بولا۔ آپ نے تیسری بار پھر فرمایا تو وہ نابینا مسافر کہنے لگا۔ ''آپ کسے فرما رہے ہیں اور تو کوئی آدمی موجود ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ میں موجود ہوں اور نابینا ہوں۔''

آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ ''اچھا! تم ہی باہر جا کر دیکھ لو۔'' اس شخص کا کہنا ہے کہ میرے دل میں ایک امنگ اور خواہش پیدا ہوئی اور میں اٹھ کر مسجد سے باہر نکل آیا جیسے ہی اپنا سر آسمان کی طرف کیا تو بینائی آ گئی تو دیکھا آسمان پر مدہم مدہم سے ستارے ٹمٹمار ہے تھے اور اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نابینا جواب بینا ہو چکا تھا دوڑ کر اندر مسجد میں آیا اور اس شیریں آواز والی ہستی کے قدموں پر گر پڑا اور کہا میرا دل کہتا ہے کہ آپؒ ہی سرکار میاں صاحب شرقپوری ہیں پھر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔

بعد ازاں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو اٹھایا اور کھانے کی کچھ چیزیں جو پہلے سے آپؒ کے پاس تھیں اور ساتھ کرایہ کے لیے کچھ پیسے دیتے ہوئے کہا۔ ''مسجد میں کھڑے ہو۔ قسم کھاؤ میری زندگی میں کسی شخص سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کرو گے۔'' وعدہ لینے کے بعد اسی وقت وہیں کھڑے کھڑے واپس بھیج دیا۔

وہ آدمی جب پتن پر پہنچا تو علی الصبح پار جانے کے لیے 'پہلے پوز' کی سواریاں کشتی پر سوار ہو رہی تھیں۔ ملاح نے جب اسے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ جی ہی جی میں کہنے لگا کہ شکل و شباہت سے تو وہ ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جسے رات میں نے کشتی پر اکیلے سوار کر کے دریا کے پار پہنچایا تھا لیکن وہ تو نابینا تھا اور اس کی آنکھیں صحیح سالم اور روشن ہیں۔ وہ اسی ادھیڑ بن اور حیرانی کے عالم میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ آخر نہ رہ

سکا۔اسے علیحدہ ایک طرف لیجا کر پوچھا تو وہ لیت ولعل کرنے لگا لیکن ملاح کو پورا یقین ہو چکا تھا کہ وہی رات والا آدمی ہے۔چنانچہ اس نے بڑا مجبور کیا کہ بتاؤ کیا ماجرا ہے کوئی راہ فرار نہ پا کر اس شخص نے ملاح سے کہا کہ مجھ سے حضرت صاحب قبلہ نے عہد لیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں۔لیکن اس واقعہ سے پہلے چونکہ تم میری حالت دیکھ چکے ہو اور اب بھی دیکھ رہے ہو اس لیے تمہیں بتائے دیتا ہوں۔چنانچہ اس نے ملاح کو تمام ماجرا من وعن بتا دیا اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کسی ایک کو بھی نہ بتانے کا عہد لیا۔حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دن جب مذکورہ ملاح جنازے میں شمولیت کے لیے آیا تو اس نے یہ واقعہ تمام احباب کو سنایا۔

کرم بے ریا

شرقپور شریف سے مغرب کی طرف ایک نالہ ''ڈیک'' بہہ رہا ہے یہ نالہ گورنمنٹ برطانیہ نے کھدوایا تھا۔کھدائی کے وقت اس میں سے نکلنے والی سب مٹی مغربی کنارے پر پھینکی گئی۔اس مٹی کو ہموار کر کے اس پر گورنمنٹ نے سروس روڈ بنا دی۔نالہ ڈیک سے مشرق کی طرف شرقپور شریف کا قصبہ ہے۔قصبہ کی طرف یعنی ڈیک کے مشرقی کنارے پر کوئی بند نہیں اور جب نالہ میں طغیانی آتی ہے تو مشرقی طرف ہی پانی نالے سے باہر نکلتا ہے اور مغربی سمت بند کی وجہ سے محفوظ رہتی ہے۔

نالہ ڈیک ابھی نیا نیا ہی نکالا گیا تھا کہ سیلاب آ گیا۔لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ہر شخص اپنی اپنی اشیاء محفوظ کرنے لگا اور کنویں پر رہنے والے لوگ اپنے ڈھور ڈنگر اونچی جگہوں پر پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔سیلابی پانی فزوں سے فزوں تر ہونے

لگا۔ اہلیان قصبہ شرقپور شریف کو بھی تشویش لاحق ہو گئی۔ باشندے گھبرا کر حفاظتی تدابیر اختیار کرنے میں سرگرم عمل ہو گئے۔ سیلاب میں کمی کی بجائے زیادتی ہو گئی۔ پانی بڑھتا ہی گیا۔ لوگوں میں گھبراہٹ بڑھتی ہی گئی۔ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اس وقت ملکاں والی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ سب نے حضور کی خدمت میں عرض کی "سرکار! شہر تو ڈوبنے کو ہے۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قصبہ کو اس عذاب سے محفوظ مامون رکھے۔" آپ فرمانے لگے۔ "میں کیا کروں جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے جو اسکو منظور ہوا وہی ہو کر رہیگا۔" سب لوگ حیران و پریشان واپس چلے گئے۔

رات بڑی مصیبت میں گزری لوگ ساری رات سو نہ سکے۔ ہر وقت سیلابی پانی کے قصبہ میں داخل ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ ایسے میں کس کی آنکھ لگ سکتی تھی۔ علی الصبح لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ مغربی سمت والا بند نور پور والے پتن کے پاس سے ٹوٹ گیا ہے اور پانی نے اُدھر کا رخ کر لیا ہے۔ سیلاب کا زور کم ہو گیا اور باشندوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اب سب لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ بند کیسے ٹوٹا۔ لیکن کوئی آدمی بھی وثوق سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اسی دوران میں سکھانوالے پتن کا ملاح 'ملاں' قصبہ میں آیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ بند کیسے ٹوٹا؟ اس نے بتایا کہ سحری کا وقت تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی سفید چادر اوڑھے ہاتھ میں عصا لیے اس جگہ آیا اور جہاں سے بند ٹوٹا ہے اس نے عصا مارا اور بند ٹوٹ گیا اور پانی مغربی جانب پھیلنے لگا ہم دوڑے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی تھے۔

رات کے وقت اہالیان قصبہ میں سے آٹھ دس افراد آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکریہ کے انداز میں بند توڑ دینے کا ذکر کیا۔آپ نے تبسم فرمایا اور کہا ''بھئی! اسکو ہی معلوم ہو گا جو بتا تا ہے مجھے تو نہیں معلوم۔''

شرقپور شریف کے زمیندار باشندوں میں سے ایک زمیندار نواب نامی تھا اور وہ لوگوں میں ''نواب شاکے دا'' کے نام سے مشہور تھا۔ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی چھت پر بیٹھے وظائف واذکار میں مشغول تھے کہ نواب مذکور آپؒ کے پاس آ کر بیٹھ گیا بعداز فراغت جب آپؒ اسکی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے عرض کی۔

''حضور! میری فصل بہت کم ہوتی ہے۔غریب آدمی ہوں۔پیٹ بھی پورا نہیں ہوتا آپؒ دعا فرمادیں کہ میری فصل اچھی ہو تو میں اس میں سے اتنا حصہ آپؒ کے لنگر میں دوں گا۔'' یہ سننا تھا کہ آپؒ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا۔''دیکھو! آجکل لوگ ایسے بدہو گئے ہیں کہ دعا کروانے میں بھی رشوت دیتے ہیں۔'' آپ غصے کی حالت میں اٹھے اور پاس ہی پانی سے بھرا گھڑا پڑا تھا وہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔نواب کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گھر بھاگ آیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف اور مولائے ذوالجلال کی مہربانی دیکھئے اس واقعہ کے بعد اس کی زمین پر اتنی فصل ہوئی کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

مذکورہ زمیندار مسمی نواب 'شاکے دا' کا ایک بڑا بھائی فضل نامی تھا۔وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا۔اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔پابند صوم و صلوٰۃ اور متشرع انسان تھا اس کی طبیعت ذکر وفکر کی طرف اچھی خاصی راغب تھی اکثر حضرت صاحب قبلہ کے ہمراہ رہتا اور عموماً آپؒ کے ساتھ قبرستان جایا کرتا۔ایک

دفعہ آپؒ قبرستان تشریف لائے ہوئے تھے اور وہ بھی ہمراہ تھا تو اس نے عرض کی۔

''حضور! قبرستان سایہ دار درختوں سے یکسر محروم ہے اتنا بھی تو نہیں کہ گرمیوں میں کسی میت کو کسی درخت کے سایہ میں رکھ کر چند ساعت ستا ہی لیں۔''

آپؒ نے فرمایا۔ ''اچھا! یہاں کہیں ٹاہلی کا بیج نہیں ہے؟'' وہ کہنے لگا۔ ابھی لاتا ہوں سرکار۔ چنانچہ تھوڑے ہی وقفے کے بعد وہ ٹاہلی کا بیج لے آیا اور آپؒ نے ایک مٹھی بھر کر قبرستان کی ایک طرف پھینک دیا اور دوسری مٹھی بھر کر دوسری طرف حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چھٹا دیا ہوا ہو اور پھر درخت نہ ہوں! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شرقپور شریف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر زیارت پر آنے والے احباب جانتے ہیں کہ مزار شریف سے ملحقہ قبرستان میں سایہ دار درختوں کے کیسے جھنڈ ہیں ٹاہلی کے درخت اکثر کاٹے بھی جاتے ہیں مگر پھر ہو جاتے ہیں ختم ہونے میں نہیں آتے۔ (انہی درختوں کی وجہ سے موجودہ قبرستان انتہائی خوبصورت ہے اور بھی کئی اقسام کے پودے ہیں جس سے قبرستان میں سایہ رہتا ہے)۔

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور اولیائے کاملین قربِ الٰہی کی وجہ سے ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں کہ ایک وقت ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ بمطابق ارشاداتِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ایسے لوگ اگر خدا پر قسم کھا لیں تو انکی قسم پوری کی جاتی ہے۔ (بیشک)

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور سرکار سے

عرض کی۔ ''سرکار! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کردیں اور میں اپنی لڑکی کی شادی کردوں۔'' سرکار فرمانے لگے۔ ''اللہ تعالیٰ فضل کریں گے۔ غریب آدمی ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی سے غریبانہ کام کر لینا اور قرض نہ لینا کیونکہ کہتے ہیں کہ قرض اٹھانے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے۔''

یہ سن کر وہ آدمی چلا گیا اور جب اس نے لڑکی کے عقد کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کہنے لگی ''ہمارے پاس اثاثہ تھوڑا ہے کہیں سے قرض لے لو۔'' وہ کہنے لگا۔ ''حضرت صاحب قبلہ شرقپوری کا ارشاد ہے کہ قرض نہ لینا لہٰذا قرض نہیں لوں گا۔'' ہماری برادری ہے 'ناک' نہیں رہتی۔ کچھ تو کرنا چاہیے اور پھر میانصاحب'' کون سے پاس کھڑے دیکھ رہے ہیں۔'' اس کی بیوی نے کہا۔

وہ کہنے لگا۔ ''کچھ بھی ہو قرض نہیں لوں گا۔'' لیکن بیوی کے بار بار تکرار اور تنگ کرنے پر اس نے کسی سے قرض لے لیا اور لڑکی کی شادی اپنی برادری کے رسم ورواج کے مطابق کردی۔

کچھ عرصہ بعد وہی شخص رات کو گھر میں چارپائی پر پڑا تھا کہ دفعتاً کڑاک کی آواز آئی اور اسکی کمر ٹوٹ گئی۔ در بدر پھرا، بہت سے معالجوں اور حکیموں سے علاج کرایا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو حضرت میانصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کہا ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ قرض اٹھانے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے چنانچہ وہی ہوا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی دوسری صبح وہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''حضور! میری کمر ٹوٹ گئی ہے دعا کیجئے۔''

آپؒ نے ارشاد فرمایا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہاری کمر ٹوٹ جائے میں نے تو ویسے ہی یہ کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرض لینے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے اچھا جاؤ قرض ادا کرو اللہ تعالیٰ فضل کر دیں گے۔" کہتے ہیں اس نے جیسے بھی بن سکا اپنا قرض ادا کر دیا اور ایک دن ویسے ہی پڑے پڑے کڑاک کی آواز آئی اور اس کی کمر درست ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ جب جمعۃ المبارک کے دن خطبہ میں اپنی سیدھی سیدھی پیاری پیاری زبان میں سادہ سادہ باتیں بیان فرماتے بلکہ لوگوں کے مافی الضمیر اور دل میں لائے ہوئے خیالات کے عین مطابق مسائل حل فرماتے تو سامعین پر ایک عجیب حالت طاری ہوتی۔ کیف و محبت میں ڈوبے ہوئے دل متوجہ الی اللہ ہو جاتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جمعہ کے خطبہ میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ منازل سلوک اور جادۂ عرفان الٰہی کی سیدھے سادھے انداز میں نشاندہی فرما رہے تھے آپؒ کی طبیعت جوبن پر تھی اور سننے والوں کے دل بھی سرشار و بیخود ہو رہے تھے۔ کہ ایسے میں مسجد میں لگی ہوئی گھڑی نے اونچی آواز میں ٹن ٹن کیا اور تین بج گئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ ادھر بٹ گئی۔ آپ نے جوش سے فرمایا۔ "توں وی ٹن ٹن ای کردی رہنی ایں۔" (یعنی گھڑی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بھی ٹن ٹن ہی بجاتی رہتی ہو)۔ بس آپؒ خطبہ میں مشغول ہو گئے اور گھڑی بند ہو گئی۔

دوسرے تیسرے دن منتظمین حضرات نے جب دیکھا کہ گھڑی بند ہو گئی ہے تو انہوں نے حسب واقفیت اسے چلایا لیکن وہ نہ چلی۔ جب انہیں اپنے مقصد میں

کامیابی مشکوک نظر آئی تو انہوں نے گھڑی اتاری اور لاہور کسی گھڑی ساز کے ہاں لے گئے کہ یہ چلتے چلتے بند ہوگئی ہے۔ اسے درست کردو۔ لیکن گھڑی ساز نے کہا کہ یہ تو بالکل درست حالت میں ہے لیکن بہت کوشش کے باوجود بھی نہ اس نے چلنا تھا نہ وہ چلی۔ بہت سے کاریگروں سے ناکام لوٹنے کے بعد گھڑی کو صوفی عبدالرحمٰن گھڑی ساز کے پاس لے آئے جو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقید تمندوں میں سے تھے۔ انہوں نے بہت سر مارا اور آخر تھک ہار کر یہ کہتے ہوئے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ واپس کر دیا۔ منتظمین گھڑی کو شرقپور شریف لے آئے اور اسے سابقہ جگہ پر لگا کر حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں عرض کی۔ ''حضور! جمعہ کے روز سے گھڑی بند ہے کاریگر اسے درست نہیں کر سکے اور انکا کہنا ہے کہ اسمیں کوئی نقص نہیں۔'' آپ سنکر خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔

آئندہ جمعہ جب آپ مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ پر کھڑا ہونے لگے تو آپؒ نے وقت دیکھنے کے لیے گھڑی کی طرف تاکا۔ لیکن وہ تو بند تھی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ''اس طرح تاں نہیں ناں۔'' (میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ چلنا ہی بند کر دے)۔ بس آپ کا یہ فرمانا تھا کہ گھڑی چلنا شروع ہوگئی۔ جیسے وہ آپؒ کے حکم کی ہی منتظر تھی۔ سرکار میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سیف سے نکلے الفاظ کا یوں اثر ہوتے دیکھ کر کتنے آدمیوں کے ذہنوں میں یہ تاثر نقش ہوا ہوگا کہ

؎ تیرے مونہوں گل جیہڑی نکلے اوتیرا اے

قصور جیسے کاروباری شہر میں رالی برادرز کی مشہور فرم میں ایک دلال میر طیب صاحب تھے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور متشرع تھے۔ وہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے بیعت تھے اور انہیں آپؒ سے بڑی محبت تھی وہ اکثر شرقپور شریف آپکی خدمت میں حاضر ہوتے اور وقتاً فوقتاً آپؒ کی خدمت میں عریضہ بھی لکھتے رہے۔ کاروباری معاملات میں ایک آدمی کے ذمہ انکی بہت سی رقم نکلتی تھی اور وہ ادا کرنے سے گریزاں تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح معاملہ درست ہو جائے لیکن وہ نصیبوں جلا کسی بہانے بھی ادائیگی کی طرف مائل نہ ہوا۔

قدرت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض ذرائع سے جان لیا کہ فلاں شخص میر طیّب کی رقم دبائے بیٹھا ہے اور دینے کا نام نہیں لیتا۔ ایک دن صوفی ابراہیم صاحب قصوری شرقپور شریف آپؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ دوران گفتگو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی صاحب سے فرمایا کہ رقم دینے والے سے کہہ دینا کہ رقم ادا کردے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

صوفی صاحب جب قصور واپس آئے اور میر طیب صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے تو میر صاحب بڑے پریشان ہوئے اور صوفی صاحب سے عرض کی ''صوفی صاحب! حضرت صاحب قبلہؒ نے جو فرمایا ہے وہ آپؒ مذکورہ آدمی کو نہ کہیں۔ ورنہ آپؒ نے جو فرمایا ہے کہ اچھا نہیں ہوگا اس آدمی نے اگر روپیہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اس کا کچھ نہیں رہے گا اور اسے بہت نقصان ہو گا۔ آپ کا کہا ضرور ہو کر رہے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے۔''

سبحان اللہ! مولا کریم کے نیک بندوں کی طبیعت کیسی پاک ہوتی ہے اور انکی نیت کیسی نیک اور صاف کہ انکی وجہ سے کسی بنی نوع انسان کو کوئی آزار نہ پہنچے۔ آج کیسا زمانہ آگیا ہے کہ بھائی، بھائی کا دشمن ہے۔ ایک دوسرے کا حق غصب کرنے

میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی۔ظالم سر عام ظلم کرنے میں ذرہ بھر کراہت محسوس نہیں کرتا پھر ان لوگوں کے عقیدے، دیکھئے میر صاحب نے کہا" حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہا پتھر پر لکیر ہے۔ اگر اس نے رقم نہ دی تو وہ نقصان اٹھائے گا بہتر یہی ہے کہ یہ بات اس تک نہ پہنچے شاید وہ اس زیاں سے بچ جائے۔" میر صاحب کے کہنے پر صوفی صاحب نے اس آدمی تک وہ پیغام نہ پہنچایا۔لیکن تیر نکل چکا تھا۔اس نے رقم کی ادائیگی کر بھی دی تاہم بقول میر طیب صاحب اس کا 'ککھ' نہ رہا۔ سچ ہے۔

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی.

قصور میں ایک دفعہ بڑی 'اوڑ'(۱) لگی اور موسم ایسا خشک رہا کہ ایک مدت تک بارش نہ ہوئی ۔اس خشک سالی سے عوام بڑے پریشان تھے۔انہی دنوں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکثر قصور جایا کرتے تھے وہاں تشریف لے گئے۔آپ" قصور پہنچتے ہی سیدھے عیدگاہ چلے گئے وہاں ایک 'ون' کا درخت تھا۔آپ اسکی چھاؤں تلے بیٹھ گئے اور ایک آدمی بھیجا کر صوفی ابراہیم صاحب کو بلالائے صوفی صاحب آئے اور آپ" کے پاس بیٹھ گئے۔تھوڑے سے وقفے کے بعد صوفی صاحب نے کہا۔" خشک سالی سے لوگ تنگ آگئے ہیں کل یہاں عیدگاہ میں اہالیان شہر نے نماز استسقاء پڑھی ہے۔" یہ سن کر آپ" خاموش رہے لیکن آپ کا چہرہ کچھ متغیر ہو گیا آپ" اٹھ کھڑے ہوئے اور وہی نالہ جو کہ اس وقت خشک سالی کی وجہ سے بالکل خشک تھا سے گزر کر عبدالخالق صاحب" کے مزار پر تشریف لے گئے آپ" ابھی اس طرف جا ہی رہے تھے کہ بادل اٹھے اور بوندا باندی شروع ہو گئی ۔جب آپ" عبدالخالق صاحب" کے مزار

۱۔ خشک سالی، امساک باراں۔ پنجابی زبان کا لفظ ہے

سے واپس پھرے تو اتنی بارش ہو چکی تھی کہ وہی نالہ کناروں تک بھر کر بہہ رہا تھا آپؒ پل پر سے ہو کر گزرے۔

ایسے ہی ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں آپ شرقپور شریف بعد نماز مغرب مسجد کی چھت پر وظائف میں مشغول تھے اور سخت گرمی تھی۔ آپ نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا ''اللہ جی! بڑی گرمی اے'' بس پھر کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بارش شرقپور شریف کے اردگرد ہی ہوئی ہے۔ ایسے ہی واقعات کئی دفعہ دیکھنے میں آئے سبحان اللہ!

اس مرد حق پرست کے مندرجہ بالا واقعات کیسی صحیح تصویر ہیں شہرۂ آفاق حدیث قدسی لا یزال عبدی یتقرب الی با لنوافل...... الخ۔ اور کیسی عکاسی کرتے ہیں عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

''راکھی'' (احسان۔ نگرانی)

شرقپور شریف کی خواجہ برادری میں ایک نوجوان غلام موسیٰ تھا۔ اسکی عمر کا زیادہ حصہ انجن ڈرائیوری کے سلسلہ میں اپنے ضلع سے باہر ہی گزرا ہے جیسا کہ کہتے ہیں جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اس پر بھی وہی بھوت سوار تھا۔ اس کی طبیعت پینے پلانے اور عیاشی کی طرف شدت سے مائل تھی۔ قحبہ خانے میں بھی اس کا آنا جانا تھا۔ معلوم نہیں لوگوں کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ انجن پر ڈیوٹی کے وقت بھی اس کی ایک جیب

میں بوتل اور دوسری میں گلاس ہوتا تھا۔ دوران ملازمت ضلع ہزارہ میں بھی اس نے خاصہ وقت گزارا ہے۔

ایک دفعہ غلام موسےٰ جب وہاں سے اپنے قصبہ شرقپور شریف میں آیا۔ تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بلا کر خاصی سرزنش کی اور سمجھایا کہ ان بری باتوں سے باز آجائے اس نے آپؒ کے سامنے توبہ کی کہ آئندہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے گا۔

واپس ڈیوٹی پر جاتے ہوئے جب وہ لاہور پہنچا تو اسکی شیطانی قوتیں پھر عود کر آئیں اور شام ہونے کے بعد وہ ایک طوائف کے گھر کی طرف چل نکلا جب وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ زینے کے اختتام پر دروازہ میں سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور واپس چلا آیا۔ وہ دل میں بڑا حیران تھا کہ آپؒ یہاں کیسے اور کیونکر آ گئے۔ کچھ دیر بعد اس نے خیال کیا کہ اب تو آپؒ چلے گئے ہوں گے۔ پھر چلنا چاہیے۔ چنانچہ دوبارہ جب وہ پھر وہاں آیا تو آپؒ زینے کے اوپر اسی طرح کھڑے نظر آئے وہ پھر واپس لوٹ آیا۔ رات کے بارہ بجنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب آدھی رات گزرنے کو ہے اب تو آپؒ یقیناً واپس لوٹ گئے ہوں گے۔ یہ سوچ کر سہ بارہ پھر وہ آیا اور یہ دیکھ کر آپؒ وہیں کھڑے ہیں بہت شرمندہ ہوا اور واپس لوٹ آیا۔

ایک دو ماہ کے بعد جب وہ پھر شرقپور شریف آیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''بھئی! ہر وقت 'راکھی' بڑی مشکل ہے توبہ کرنی ہے تو سچے دل سے کرو۔'' ہر وقت پہرہ کیسے دیا جاوے گا۔'' کہتے ہیں اس

دن سے ہی خواجہ غلام موسےٰ کی زندگی میں تغیر آ گیا۔

ایفائے عہد

ملک حافظ غلام یسٰین شرقپور شریف کے سربرآوردہ روٴسا میں سے تھے اور مسجد میاں صاحبؒ سے انکا گھر ملحقہ ہونے کی رعائیت سے مسجد کے ہمسایہ بھی تھے انکو میاں چنوں میں زمین ملی تھی۔ وہاں وہ اکثر جا کر رہا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں متعدد بار عرض کیا کہ آپؒ ایک دفعہ میاں چنوں ان کے ہاں ضرور تشریف لے جائیں۔ آپ ہر بار فرماتے ''اچھا! کبھی چلیں گے۔''

ایک دفعہ انہوں نے بڑے پرزور الفاظ میں کہا کہ آپؒ ضرور چلیں۔ وہاں فلاں بزرگ کا مزار بھی ہے وہاں سے بھی ہو آیئے گا۔ انکی خاطر سے ہی سہی۔ آپؒ نے فرمایا ''اچھا عنقریب چلیں گے۔'' چنانچہ وہ ایک دفعہ گھوڑیاں وغیرہ لے کر بھی آپؒ کے انتظار میں سٹیشن پر آئے لیکن ہر بار ناکام لوٹے۔ اب کے ملک صاحب شرقپور شریف آئے تو انہوں نے آپؒ سے بہت شکوہ کیا کہ بڑا انتظار کیا ہے لیکن آپؒ نے ہمیں محروم ہی رکھا۔'' آپؒ نے فرمایا ''اچھا بھئی اب انشاء اللہ کسی دن ضرور آؤں گا۔''

چنانچہ ملک صاحب جب واپس میاں چنوں اپنی زمین پر پہنچے تو انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے حضرت صاحب قبلہ شرقپور شریف سے ان کے ہاں آ رہے ہیں۔ وہ ایک بیل گاڑی اور گھوڑیاں لے کر بہت سے آدمیوں کے ساتھ اسٹیشن پر پہنچے۔ گاڑی آئی اور آپ گاڑی سے اترے۔ وہ آپؒ کو گھوڑی پہ بٹھا کر اپنے ہاں لے آئے۔ آپ کے لیے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد آپؒ

نے فرمایا۔ ''وہ مزار کہاں ہے جو کہ تم بتاتے تھے وہاں چلیں۔'' چنانچہ سب لوگوں کے ہمراہ آپؒ وہاں پہنچے اور مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر تشریف فرما رہے اس کے بعد آپؒ نے فرمایا ''کیوں ملک صاحب اب تو میں آپؒ کی خواہش کے مطابق آ گیا ہوں نا۔ اب تو خوش ہو۔'' اور آپؒ نے پوچھا۔ ''گاڑی کس وقت جاتی ہے۔ اس گاڑی پر واپس چلا جاؤں گا'' چنانچہ انہوں نے گاڑی کا وقت بتا دیا۔ وقت پر سب لوگ آپؒ کو اسٹیشن تک گاڑی پر سوار کرانے ساتھ آئے گاڑی آئی اور آپؒ سوار ہو کر واپس چل دیے۔ اتنا دیکھا تھا کہ ملک صاحب کی آنکھ کھل گئی اور صبح ہونے پر بہت سے آدمیوں نے ملک صاحب سے رات کے واقعات بیان کیے جیسے کہ ملک صاحب نے رات کو خواب میں دیکھے تھے کوئی آدمی کہتا تھا کہ مجھ سے آپ نے یہ بات کی اور کوئی کہتا تھا کہ یہ بات کی۔ ہر ایک کی بات ملک صاحب کے خواب سے ملتی تھی۔

کچھ دنوں بعد ملک صاحب شرقپور شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ ''اب تو راضی ہو نا۔ میں نے تو آپؒ کے کہنے کے مطابق اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔''

والد صاحب قبلہ پر ایک رات نیند کا غلبہ ہوا کہ وہ نماز تہجد کے لیے بروقت نہ اٹھ سکے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی انہیں جگا رہا ہے۔ وہ جاگے لیکن پھر چارپائی پر لیٹ گئے اور سو گئے۔ دوبارہ پھر کسی نے جگا دیا۔ وہ پھر جاگے۔ لیکن اس دن نیند کا بھوت ایسا سوار تھا کہ باوجود اس بات کے اٹھانے والے نے اچھی طرح جھنجھوڑا بھی لیکن وہ پھر دراز ہو کر سو گئے۔ تیسری بار پھر جگانے والا آ گیا۔ اب انہوں نے والد صاحب کو گردن سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور فرمایا۔ ''اب بھی جاگو گے یا پھر سو رہو

گے۔" والد صاحب نے آنکھیں کھولیں تو وہ حضرت صاحب قبلہ تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھے اور کپڑے پہننے لگے۔ پھر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

والد صاحب قبلہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے پاس آئی اور عرض کی کہ اس کے خاوند نے اپنے پیچھے کافی جائیداد چھوڑی ہے اس کے عزیز رشتہ دار زمین ہتھیانے کے لیے اسے بہت تنگ کرتے ہیں بلکہ حیلے بہانوں سے زمین اس کے نام منتقل نہیں ہونے دیتے۔ وہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ رشتہ دار میری پیش نہیں جانے دیتے۔ آپ حضرت صاحب قبلہ سے عرض کریں کہ وہ میرے لیے دعا فرمادیں۔"

والدہ صاحبہ نے سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعا کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ حق حقدار کو ملے گا۔ اس بیوہ کو کہیں عدالت میں دعویٰ دائر کردے۔" مذکورہ عورت کہنے لگی حضور! دعویٰ دائر کیا تھا لیکن ان لوگوں نے مل ملا کر دعویٰ خارج کرادیا۔" آپؒ نے فرمایا۔ اعلیٰ عدالت میں اپیل کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے عدالت میں اپیل کردی۔

کچھ عرصہ بعد وہ عورت پھر شرقپور شریف آپؒ کے گھر آئی اور اماں جی سے عرض کی کہ [illegible] تاریخ میرے کیس کے فیصلہ کی تاریخ ہے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ سے [illegible]رمادیں میرے لیے دعا کریں اور مجھے تعویذ لکھ کردیں۔ اماں جی نے حضرت صاحب قبلہ سے دعا اور تعویذ کے لیے کہا۔ آپؒ نے فرمایا "اماں جی! دعا کریں گے اللہ کریم مہربانی فرمادیں گے اور رہی تعویذ کی بات تو میں نے کبھی پہلے تعویذ لکھے ہیں جواب اسے لکھ دوں؟" آپ کی والدہ صاحبہ جو اس بیوہ کی داستان غم سن کر بڑی متاثر ہوئی تھیں

نے زور دے کر کہا۔ ''بیٹا! تعویذ دینے سے اگر اس کی تسلی ہو جائے تو کیا حرج ہے اور پھر میں جو تمہیں کہہ رہی ہوں۔'' آپ والدہ صاحبہ کا حکم ٹال نہ سکے اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر لپیٹ دیا اور فرمایا۔ ''اس عورت سے کہیں۔ فیصلہ کے دن جو آدمی اس کے ہمراہ عدالت میں جائے وہ اپنی چادر کے پلو میں باندھ لے لیکن اسے دیکھنا نہیں۔''

مقررہ تاریخ پر وہ عورت اپنے بھائی کے ہمراہ عدالت میں پہنچی تو جج نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا ''دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔'' فیصلہ سن کر وہ خوشی خوشی واپس لوٹے تو راستہ میں اس کے بھائی نے کہا کہ کام تو ہماری خواہش کے مطابق ہو گیا ہے۔ اب میاں صاحب نے جو تعویذ لکھا ہے وہ دیکھنا چاہیے۔ ''میاں صاحب نے تعویذ دیکھنے سے خاص طور پر منع کیا تھا اس لیے اسے مت دیکھو۔'' عورت فوراً بول اٹھی۔

لیکن اس کا بھائی تعویذ کھول کر دیکھنے پر بضد تھا اس نے کہا ''فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے میں ضرور دیکھوں گا۔'' چنانچہ اپنی بہن کے بار بار منع کرنے کے باوجود اس نے مذکورہ تعویذ کھول کر پڑھا تو اس کاغذ پر لکھا تھا۔ ''دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔'' سبحان اللہ! تعویذ کیا تھا آپؒ نے تو فیصلہ ہی تحریر فرما دیا تھا اور وہی الفاظ جج نے فیصلہ کے وقت دہرائے۔ ''دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔''

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (۱)

(اقبالؒ)

(۱) حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ شعر حضرت علامہ اقبالؒ نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے لیے کہا تھا۔

تبلیغ مسلک

اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین دنیا میں چشمۂ ہدایت بن کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مسند رشد وہدایت پر سرفراز فرماتا ہے۔ ٹیڑھے دلوں کی اصلاح کے لیے مولا کریم انہیں روحانی قوتیں عطا فرماتے ہیں تو بعض حضرات باطنی طاقت سے بعض پند ونصائح اور تلقین وارشاد سے اور بعض فعل وعمل سے دین حق کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اولیائے کاملین کی اس پاکیزہ ونورانی جماعت کا مقصد حیات اصل میں صرف اور صرف یہی ہوتا ہے کہ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں اور ان کے دل جانب الی اللہ متوجہ ہوں۔ ان کا مرنا اور ان کا جینا خالصتاً بوجہ اللہ ہو۔ نیکی انکی سرشت ہو اور ایمان ان کے مکمل۔ پراگندہ خیالی، وساوس اور شبہات سے پاک ہو کر ایمان وایقان کی دولت بے بہا کا حصول انہی حضرات کے ذریعے سے ہے۔ غرضیکہ یہی نفوس قدسیہ کی پاک جماعت نیکی کی طرف بلانے والی اور برائیوں سے روکنے والی ہے اور یہی پاک باطن اولیائے کرام کا گروہ ہی ہے جو اپنے قول وفعل سے اطیعو اللہ واطیعو الرسول کے پیغام حیات آفریں کی تبلیغ کر کے گنہگاران امت کے لیے رحمت کا سبب بنتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات کی تمام تر زندگی اصلاح احوال وتبلیغ دین اور احیائے سنت کے مشن کو پورا کرنے میں ہی گزری اور ایک زمانہ جانتا ہے کہ آپکو مالک ذوالجلال نے جس مسند رشد وہدایت پر

متمکن فرمایا تھا آپ نے کس طرح کما حقہ، اسے سرانجام دیا۔ آپ نے نہ صرف ظاہری اخلاق اور باطنی قوت روحانیہ سے لوگوں کے دل مسخر کیے بلکہ اپنی گفتار اور مواعظ حسنہ سے بھی دین متین اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تو آجکل کے بعض مولویوں اور واعظوں کی طرح جزوی مسائل پر جھگڑا اور تلعین و تکفیر نہیں کرتے تھے لیکن اپنے مسلک، عقیدہ اور حق وصداقت پر مبنی بات بیان کرنے میں کبھی بھی تکلف نہیں برتا کرتے تھے۔ ادھر آپؒ اصلاح احوال اور اصلاح عقائد کے متعلق زبان سے ارشاد فرماتے تھے۔ تو ادھر اپنی باطنی طاقت سے بھی خیالات میں تغیر پیدا کردیتے تھے۔

آپؒ پکے حنفی المذہب تھے اور امام ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے آپؒ اپنے سب دوستوں اور ملنے والوں کو حنفی مذہب کی تلقین کرتے تھے جس کا مذہب (مسلک) آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے باہر ہوتا اسے راہ حق پر خیال نہ کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم چار اعظموں کے درمیان ہیں ہمارے رسول، رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے فاروق، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہمارے امام، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ہمارے غوث، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپؒ احکام شرعیہ کی بجا آوری کے لیے ہر ایک ملنے والے پر زور دیتے اور نماز وروزہ کی تلقین فرماتے۔ احیائے سنت آپ کا سب سے بڑا مشن تھا۔ سنت کی تھوڑی سی خلاف ورزی بھی آپؒ کی طبیعت پر گراں گزرتی۔ اگر کوئی ایسا آدمی آپؒ کے پاس آتا جس کا کوئی فعل بھی شرع محمدی کے خلاف ہوتا تو آپؒ ایسے کی سرزنش فرماتے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اپنے گرد شریعت کی باڑ کر لے اور اسمیں درود پاک اور اسم ذات لے کر بیٹھ جائے تو اس سے بڑھ کر اور کونسے وظائف ہو سکتے ہیں۔آپؒ انگریزی وضع قطع اور یورپین فیشن کے بڑے مخالف تھے اور انگریزی بود و باش اور طور طریقوں کو بہت برا سمجھتے۔جس کسی کو بھی ایسی صورت میں دیکھتے بہت ناراض ہوتے۔

جڑواں صاجزادے

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف گئے ہوئے تھے تو آپؒ نے فرمایا۔''چلو ذرا جڑواں صاجزادگان سے ملاقات کر آئیں۔'' جوڑے صاجزادے خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔وہ ملٹری میں اچھے عہدوں پر فائز تھے۔مزار خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذرا پرے عیدگاہ کے نزدیک ہی پکی حویلیاں تھیں ان میں رہائش رکھتے تھے۔آپ جب وہاں پہنچے تو وہ دونوں جڑواں بھائی اپنی انگریزی وضع قطع اور لباس میں حقہ سامنے رکھے صوفوں پر براجمان تھے۔حضرت صاحب قبلہ ان کے قدموں میں ہی نیچے زمین پر بیٹھ گئے۔آپ کی یوں اچانک آمد اور زمین پر آ بیٹھنے سے وہ بڑے گھبرائے۔انکو سوجھ بوجھ ہی نہ رہی کہ کیا کرنا ہے یا کیا کہنا ہے۔انہوں نے جلدی سے حقہ اٹھوا کر وہاں سے دور ہٹوایا اور نوکروں کو چائے لانے کا اشارہ کیا۔میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کچھ دیکھا اور جوش سے فرمایا''میں یہ ہونٹ جلانے والی چائے پینے نہیں آیا۔مجھے تو وہ چائے چاہیے جو دل جلا کر رکھ دے۔'' ان پر رقت طاری ہو گئی۔اور آپؒ اٹھ کر وہاں

سے چلے آئے۔

گذشتہ صفحات میں بھی کئی ایک ایسے واقعات قارئین کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔جن سے یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کے انگریزی طرز لباس اور سنت کے ترک پر نہ صرف آپؒ ناخوش ہوتے بلکہ آپؒ نے کئی ایک کو تھپڑ رسید کیے۔یہ امور حضرت صاحب قبلہ کے اتباع نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کا ثبوت ہیں۔

حق گوئی

ایک دفعہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بازار میں سے گزر رہے تھے اور ایک دکاندار ترازو ہاتھ میں لیے سودا تول رہا تھا آپؒ نے دیکھا کہ وہ کم تول رہا ہے آپؒ نے مسکرا کر پنجابی زبان میں فرمایا ''جیوندیاں دا ہر کوئی ہندا اے موئے دا کوئی نہیں ہندا۔''

(تولتے وقت اگر ترازو کا ایکطرف پلڑا زیادہ جھکا کر تولیں یعنی ذرہ زیادہ تولیں تو اسے پنجابی زبان میں جیوندا تولنا کہتے ہیں اور کم تولیں تو مویا ہوا یعنی مرا ہوا تولنا کہتے ہیں) آپ نے ایک ہی فقرے میں سب کچھ سمجھا دیا۔ایک تو یہ کہ وزن اچھی طرح کرنے سے گاہک زیادہ آتے ہیں دوسرا یہ کہ جن کے لیے کم تول تول کر دولت اکٹھی کی جا رہی ہے وہ زندگی میں ہی پہچانتے ہیں بعد از مرگ کوئی نہیں جانتا۔اس لیے تول میں سودا صحیح دینا چاہیے۔دکاندار کے دل پر یہ بات اثر کر گئی اور اس نے آئندہ تول میں کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔

ایک شخص کا مقدمہ کسی عدالت میں پیش تھا۔ان دنوں بیان ہونے سے پیشتر عدالت مدعی اور مدعا علیہ سے پوچھتی تھی کہ وہ شریعت کو مانتا ہے یا رواج کو۔مذکورہ

شخص سے بھی پوچھا گیا تو اس نے کہا میں رواج کو مانتا ہوں۔ حضرت میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ قصہ سنکر بڑا رنج ہوا۔ جب وہ آدمی آپ کو ملنے شرقپور شریف آیا تو آپؒ نے فرمایا۔ "بے ایمان تو تم اسی وقت ہو گئے تھے جب تم نے شریعت کی بجائے رواج کو ماننے کا اقرار کیا تھا۔ اب تم مسلمان نہیں رہے۔"

وہ آدمی بڑا پشیمان ہوا اور توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ نیز اس نے عدالت میں جا کر دوبارہ بیان دیا کہ وہ اپنا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کروانا چاہتا ہے رواج زمانہ کے مطابق نہیں۔ اس کی پشیمانی اور توبہ استغفار سے اللہ تعالےٰ نے اس پر فضل کیا اور مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے آج تک یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ بڑی مسجد حضرت میانصاحبؒ والی میں نماز باجماعت کے وقت مسنون طریقہ پر رکھی ہوئی داڑھی والے حضرات پیش امام کے پیچھے داہنے ہاتھ اور داڑھی صاف کیے ہوئے یا داڑھی کترانے والے بائیں ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں اس کے خلاف جو بھی عمل کرتا ہے اس کو روک دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ذیلدار صاحب گلے میں پستول ڈالے ہوئے حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آئے۔ جب وہ مذکورہ مسجد میں نماز باجماعت کے وقت داہنے ہاتھ کھڑے ہونے لگے تو انہیں روک دیا گیا اور بائیں طرف کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ ذیلدار صاحب کھڑے تو بائیں طرف ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اس بات پر بہت برا منایا اور کہنے والے کو سخت سُست کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس آبیٹھے اور مسکرا کر بڑے ناصحانہ اور میٹھے انداز میں فرمایا "کیوں صاحب! آپ بتا سکتے ہیں کہ داڑھی کیوں منڈوائی جاتی ہے۔"

پھر خود ہی جواب دیا۔ ''اسی لیے تاکہ آدمی کم عمر اور چھوٹا نظر آئے۔ میرے بھائی! چھوٹا بننے کا ارمان ہو تو پھر کھڑا بھی چھوٹوں میں ہونا چاہیے اور چھوٹوں کا مقام بائیں طرف ہے یا پیچھے۔ یہاں تو شریعت مطہرہ اور سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والے ہی کو بڑا مقام حاصل ہے آپ کو رنج نہیں کرنا چاہیے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم

اصلاحِ عقائد

ایک دفعہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند آدمی جو کہ غالباً پٹھان تھے آئے۔ اور آپؒ سے ہی پوچھنے لگے کہ ہم نے میاں صاحب سے ملنا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ ''اسے مل کے کیا کہنا ہے؟'' انہوں نے کہا کہ ان سے چند ایک مسئلے پوچھنا ہیں۔'' آپ نے فرمایا۔ ''وہ کوئی مولوی تو نہیں ہے مسئلے تو مولویوں سے پوچھے جاتے ہیں۔ ویسے وہ مسئلے کیا ہیں۔؟'' پٹھان کہنے لگے۔

''ان سے پوچھنا ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔''

آپؒ فرمانے لگے۔ ''دیکھو! میں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس سے کہیں بہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' اور دوسری کون سی بات ہے انہوں نے کہا۔ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

آپؒ نے جوش سے فرمایا۔ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ تو میں خود پڑھا کرتا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ وہ سب کے سب اونچی آواز میں پڑھنے لگے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ! الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب

اللہ! یہ پڑھتے پڑھتے ہی وہ بیہوش ہو گئے۔ لوگ جب انہیں ہوش میں لانے لگے تو آپؒ نے منع فرماتے ہوئے کہا۔ ''یہ خود بخود ہی ہوش میں آجائیں گے۔ انہیں ایسے ہی رہنے دو۔'' تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آگئے اور ان کے قلوب شبہات اور شکوک کے غبار سے صاف ہو چکے تھے۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دن ایک وہابی آیا اور اس نے عرض کی۔ ''میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔'' آپؒ نے اسے یہی فرمایا کہ مسئلے تو کسی مولوی سے پوچھے جاتے ہیں۔ خیر بتاؤ وہ مسئلہ کیا ہے؟ اس نے کہا ''یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟'' آپؒ نے ارشاد فرمایا ''یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ تو میں خود پڑھا کرتا ہوں۔''

آپؒ کا اتنا فرمانا تھا کہ اس وہابی کو وجد ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ قریباً دو گھنٹے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ روتا تھا اور بے اختیار یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیءً للہ پڑھتا تھا جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ جب میاں صاحب قبلہ نے یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ کہا تو مجھے وجد ہوا اور بے ہوشی طاری ہو گئی تو سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تشریف لے آئے اور میں نے عرض کی کہ سرکار آپ کو یاد کیا جائے تو آپ تشریف لاتے ہیں۔ تو حضور نے فرمایا ''کیوں نہیں! جو مجھے خلوص ومحبت سے پکارے تو میں آجاتا ہوں۔'' اس واقعہ کے بعد اس وہابی نے وہابیت سے توبہ کر لی۔

ایک شخص عبدالرحیم نامی فرقہ باطلہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے عقائد درست نہیں تھے۔ وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''حضور! مجھے دانت میں درد

ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف آپؒ کے عقید تمندوں میں سے ہے۔ اس کے نام رقعہ لکھ دیجئے۔'' آپؒ نے فرمایا۔ ''میرے پیچھے سے ہو کر سامنے آؤ۔'' وہ جب پیچھے سے ہو کر سامنے آیا تو آپؒ نے پوچھا ''کہاں ہے درد؟'' اس نے کہا اس دانت میں۔ آپؒ نے کہا کہ اس دانت پر انگلی رکھو۔ اس نے دانت پر انگلی رکھی تو آپؒ نے یا شیخ سید عبدالقادر (۱) جیلانی پڑھ کر پھونک ماری تو درد جاتا رہا اس دن کے بعد سے اس نے عقائد فاسد سے توبہ کر لی۔

پچھلے صفحات پر متعدد بار لکھا جا چکا ہے کہ سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر مکان شریف جایا کرتے تھے۔ راستہ میں امرتسر شہر آتا تھا۔ وہاں ایک ضعیفہ رہا کرتی تھی جو کہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ آپؒ کبھی کبھی اسے ملنے جایا کرتے تھے۔ اس کا ایک لڑکا تھا (جلال دین) مائی نے اسے آپؒ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی ''سرکار! میرا یہ خوبصورت بچہ رنگساز ہے مگر اس کا کردار اچھا نہیں ہے نافرمان ہے دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ اسے نیک ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے۔''

بزرگوں کی توجہات کا حصول اللہ کریم کے فضل اور مہربانی سے ہی ہوا کرتا ہے مولائے عزوجل نے کرم کیا۔ حضرت صاحب کی نظر نے اسکی طبیعت بدل دی اور اسکی اصلاح ہو گئی وہ نہایت نیک اور پارسا ہو گیا۔ اس ضعیفہ کے انتقال کے بعد حضرت

ل میاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ گیارھویں شریف کا دن خالی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر آدمی بہت غریب ہو اور اس کے دل تنگی سے گزرتے ہوں تو وہ ایسا کرے کہ دسویں کے دن جب رات گیارھویں ہو شام کو اپنے کھانے کے دو حصے کر دیا کرے ایک حصہ پر غوث پاکؓ کو ایصال کرنے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھے اور پھر اپنا حصہ اور ایصال ثواب والا حصہ ملا کر بے شک خود ہی کھالے۔

شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بھی امرتسر جاتے جلال دین کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ایک دفعہ آپؒ مکان شریف جاتے ہوئے امرتسر اترے اور جلال دین کے ہاں تشریف لے گئے۔جب آپؒ اس کے مکان پر پہنچے اور کمرہ میں داخل ہونے لگے تو آپؒ نے دیکھا کہ ایک ہٹا کٹا موٹا سا پہلوان دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا ہے۔آپؒ نے اسکی کمر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔''واوا بی بنیں واوا بی۔'' (یعنی اچھا بیج بنتا) آپؒ کا فرمانا تھا کہ وہ دھڑام سے کمرہ کے اندر آپڑا اور اسے وجد ہو گیا۔راقم الحروف کے والد صاحب اور مستری کرم دین (مرحوم) جو کہ آپؒ کے ہمراہ تھے نے جلال دین سے پوچھا۔''یہ پہلوان کون ہے؟'' جلال دین نے کہا۔''یہ نوجوان وہابی ہے اور وہ بھی کٹر اور پکا۔'' جب پہلوان صاحب کو ہوش آیا دل ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو چکا تھا۔اس کے غیر عقیدے صحیح عقیدوں میں بدل چکے تھے۔وہ حضرت قبلہ سے بیعت ہو گیا اور بعد میں باشرع ہو جانے کے بعد اس نے اپنی زندگی صوم وصلوٰۃ کی پابندی میں گزاری۔

علم اور عمل

ہمارے ضلع شیخوپورہ میں منڈی وار برٹن کے متصل ایک چھوٹی سی بستی ہے جسے 'علی پور' یا 'میاں غلام علی کا کھوہ' کہتے ہیں۔وہاں حضرت صاحب قبلہ کے ایک عقیدت مند حافظ امیر علی (مرحوم) رہتے تھے۔ان کا ایک بھائی دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔حافظ صاحب اکثر آپؒ سے دیوبند کے مدرسہ کی تعریف کیا کرتے۔بار بار باتیں سننے سے آپؒ نے چند ایک عقیدتمندوں سے کہا۔''جاؤ تو سہی اور دیکھو تو دیوبند کیسا ہے۔'' سو حسب الارشاد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ، سید نور الحسن شاہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ، حافظ امیر علی اور حکیم محمد اسحاق مزنگوی کی معیت میں دیوبند کے لیے تیار ہوئے آپؒ نے فرمایا۔ ''پہلے سرہند شریف جانا اور حضور مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری دینا۔ اس کے بعد 'امیٹھا پیراں' جانا وہاں منشی محمد اعلےٰ صاحب کی قدمبوسی کرنا۔''

تینوں اصحاب حضرت صاحب قبلہ کے حکم کے مطابق پہلے سرہند شریف پہنچے اور سرکار مجددؒ کی حاضری کے بعد ان مذکورہ بزرگوں کے پاس گئے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ تینوں ان کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کے باہر ایک مست بیٹھا ہوا تھا۔ اندر اطلاع کرنے پر ان بزرگوں نے انہیں اندر بلالیا اور فرمایا کہ تم شرقپور شریف سے آئے ہو اور پھر یکے بعد دیگرے سفر کے سارے حالات بیان کر دیے اور فرمانے لگے۔ ''تم نے دیکھا ہوگا کہ باہر ایک مست بیٹھا ہوا ہے اسکو یہاں بیٹھے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں یہ مجھے کہتا ہے کہ میں اس کے محکمہ میں چلا جاؤں۔ لیکن بتاؤ! میں سول کا محکمہ چھوڑ کر پولیس کے محکمہ میں کیسے چلا جاؤں؟'' ان بزرگوں کی ملاقات کے بعد یہ تینوں دیوبند روانہ ہو گئے۔ یہ سہ رکنی وفد دیوبند پہنچ کر مدرسہ گیا اور مدرسہ کی تمام عمارت کا گھوم پھر معائنہ کیا۔ لڑکے پڑھائی میں مشغول تھے۔ وہاں کسی نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ گھوم پھر کر یہ تینوں انور شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت سبق پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ شرقپور شریف سے۔ یہ سن کر انور شاہ صاحب نے کہا۔ ''ہاں میں نے سنا ہے وہاں ایک بزرگ میاں صاحب ہیں۔''

اس کے بعد نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بمع اپنے دونوں ہمراہیوں کے

کوئی قابل ذکر چیز دیکھے بغیر ماسوا درس و تدریس کے غیر مطمئن سے واپس شرقپور شریف چلے آئے اور تمام حالات حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیش کر دیے۔

حالات سن کر سرکار میانصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

''انور شاہ (1) صاحب کو تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ ان کی پیدائش کشمیر کی ہے جو کہ اہل عرفان بزرگوں کا مرکز ہے۔''

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد انور شاہ صاحب جب لاہور آئے تو شرقپور شریف بھی حاضر ہوئے شاہ صاحب جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر پہنچے تو آپؒ بیٹھک میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کو وہاں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑے سے لمحوں کے بعد سرکار بھی تشریف لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دروازہ میں داخل ہوتے ہی فرمایا ''اخاہ۔ آج تو میرے بھی چند ایک مسائل حل ہو جائیں گے کیوں کہ دیو بند کے بڑے مولوی صاحب جو آ گئے ہیں۔''

آپؒ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ''مولانا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ حدیث

---

1 حضرت میانصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بریلی شریف بھی گئے تھے۔ بابا شیخ محمد عاشق سونگا (مرحوم) نہ صرف متقی، پرہیز گار اور نہایت پارسا انسان تھے بلکہ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی بیعت ہونے کے علاوہ وہ صاحب مجاز بھی تھے۔ خواجہ صاحب (کوٹلہ شریف والے حضرت صاحب) نے انہیں تلقین وارشاد کی اجازت دی تھی کو واپسی پر آپ نے فرمایا۔ ''عاشقا! میں بریلی شریف گیا تھا جب میں وہاں پہنچا تو مولانا احمد رضا خاں صاحب درس دے رہے تھے۔ یارا جب میں نے بیٹھ کر ان کا درس سنا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو بھی حدیث شریف بیان کرتے ہیں وہ براہ راست حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر بیان کرتے ہیں۔ جب یہ واقعہ بیان ہو رہا تھا تو حاجی فضل الٰہی بھی پاس موجود تھے۔

شریف پہلے ہے یا قرآن شریف۔'' لیکن مولوی صاحب خاموش بیٹھے رہے۔آپ نے دوبارہ پھر ارشاد فرمایا۔''مولوی صاحب! آپ نہ بتائیں گے تو کون بتائے گا۔بتایئے نا کہ قرآن شریف پہلے ہے یا حدیث شریف پہلے۔'' شاہ صاحب پھر بھی خاموش رہے۔اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔آپ نے تیسری بار پھر وہی الفاظ دہرائے۔جب پھر بھی مولوی صاحب خاموش رہے اور انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپؒ نے خود ارشاد فرمایا۔

''ہم تو خدا کو نہیں جانتے تھے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لب مبارک ہلے تو پتہ چلا کہ خدا ایک ہے اور یہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ہم تو خدا کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا ہے۔''

انور شاہ صاحب جتنا وقت حضرت صاحب کی بیٹھک میں رہے خاموش بیٹھے رہے اور روتے رہے کچھ دیر کے بعد آپؒ سے رخصت کی اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ان دنوں اہل علم اور اہل نسبت حضرات میں اس بات کی خاصی شہرت ہوئی۔ واپسی پر جب انور شاہ صاحب لاہور پہنچے تو ان کے بعض احباب نے پوچھا کہ شرقپور شریف کیسے گئے تھے؟'' تو شاہ صاحب خاموش رہے۔لیکن دیوبند پہنچنے پر جب وہاں کے باسیوں نے بھی یہی پوچھا کہ شرقپور شریف گئے تھے وہاں کیا دیکھا ہے؟'' تو انور شاہ صاحب رو دیے اور کہا۔''علم اِدھر دیکھا ہے اور اس کا عمل وہاں دیکھا ہے۔''

اشاعت کتب

ہر ایسے کام میں جس سے دین حق کو تقویت پہنچ سکتی تھی آپؒ نے ہر موقعہ پر ہر

ممکن سعی فرمائی۔ تبلیغ دین میں جو کچھ اشاعت کتب کی ضرورت ہے وہ کسی انسان سے بھی مخفی نہیں۔ چہ جائیکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی دور بین نگاہوں سے یہ امر پوشیدہ رہتا۔ آپ نے دینیات اور تصوف کی بعض نادر و نایاب اور دیگر کئی مفید کتب کثیر رقم صرف کر کے نہایت اہتمام سے چھپوائیں اور اپنے پاس آنے والوں میں مفت تقسیم کیں۔

ا۔ ''مرآۃ المحقیقین'' (مع ترجمہ)۔ یہ کتاب قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی تصنیف کردہ ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں ایک میں حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھورے والی سرکار کے حالات زندگی درج ہیں اور دوسرے میں سلوک و تصوف اور اشغال نقشبندیہ کے بارے میں حضرت خواجہ کے خیالات زریں رقم ہیں۔

۲ ''حکایات الصالحین (ترجمہ) مجالس المحسنین۔'' یہ بھی ایک ضخیم کتاب ہے جسے مولوی غلام رسول صاحب مدرس سے ترجمہ کروا کر آپؒ نے طبع فرمایا اور تقسیم کیا۔

۳ ''ذخیرۃ الملوک (ترجمہ) منہاج الملوک۔'' فارسی زبان کی یہ کتاب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے آپؒ نے اس کا بھی اردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع فرمایا۔ مولوی غلام رسول جو اس کتاب کے مترجم ہیں نے اس کے شروع میں دو نظمیں تحریر کی ہیں جن کے ہر شعر کا پہلا حرف لیا جاوے تو سرکار شرقپوری کا نام نامی بنتا ہے آپؒ چونکہ اپنے نام کی اشاعت پسند نہیں کرتے تھے اس لیے مولانا مذکور نے اپنی شاعرانہ فنکاری سے

م لے کر آپ کا اسم گرامی اشعار کے پردے میں سمو دیا۔

۴ ''چشمۂ فیض۔'' آپؒ کے پیرومرشد خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
پنجابی زبان میں ایک چھوٹی سی تصنیف ہے۔ اسمیں باباجی نے نہایت سادہ اور عام
زبان میں ہدایت وحکمت کے موتی بکھیرے ہیں۔ آپؒ نے اسے بھی چھپوا کر تقسیم
کیا۔ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ بہت سی فقہ، حدیث، تفسیر، سیرت اور وظائف واوراد کی
کتب بازار سے خرید کر متلاشیان حق میں وقتاً فوقتاً فی سبیل اللہ تقسیم فرمائیں۔

آپؒ کے کتب خانہ میں ہزارہا عربی، فارسی اور اُردو کے نادر و نایاب نسخے
موجود تھے۔ ہندوستان بھر میں شاید ہی کوئی ایسی مشہور کتاب، تفسیر قرآن اور سیرت
کے متعلق اردو زبان میں ہو جو آپؒ کے ہاں موجود نہ ہو۔ آپؒ کے کتب خانہ
میں تصوف وسلوک اور فقہ ومسائل کے متعلق کافی ذخیرہ تھا۔ آپؒ کو ان کتب سے
خاص شغف رہا ہے آپ تعلیم یافتہ احباب کو مطالعہ کے لیے اپنے پاس سے کتابیں بھی
دیتے اور روزمرہ کی زندگی میں مطالعہ کی طرف توجہ کی ہدایت فرماتے۔

تعمیر مساجد

انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ

اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مراکز مسجدیں ہی تو ہیں کہ جہاں سے اسلام کی
ابھری روشن مشعل سے ہدایت کی کرنیں پھوٹ کر نکلیں اور اطراف عالم میں
پھیل کر نور اسلام سے گھر گھر اجالا کرتی چلی گئیں۔

مسجد نہ صرف ایک عبادت خانہ ہے بلکہ دین متین کی اصل اور مستقل بنیادیں

یہیں استوار ہوتی ہیں۔ قوانین شرعیہ اور احکام ربانی کا اعلان عموماً مسجد و منبر سے ہی
جاری ہوتا ہے تو قرآنی تعلیم اور اسلامی درس و تدریس کا سلسلہ اور مخزن اوّل یہی مسجد
ہے مختصر یہ کہ اسلامی تبلیغی سرگرمیاں مسجدوں کے تعلق کے بغیر نہ صرف نامکمل ہوتی ہیں
بلکہ بے روح اور پھیکی بھی۔

حضرت میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز نے اپنی زندگی میں کئی مسجدیں
تعمیر کروائیں۔ شرقپور شریف کے محلہ نبی پورہ میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ صرف سڑک کے
کنارہ پر ایک پرانی مسجد کے کچھ نشانات تھے۔ آپ نے انہی نشانات پر اپنی گرہ سے
مسجد تعمیر کی اور اس کے ملحق ہی خادم مسجد کے لیے ایک مکان بنوایا۔

محلہ ڈھڈل پورہ شرقپور شریف کے باشندے مسجد نہ ہونے کے سبب بڑی
تکلیف میں تھے وہاں بھی آپؒ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

قبرستان ڈوہراں والا جہاں اس وقت حضرت قبلہ کا مدفن پاک مرجع خلائق ہے
میں ایک مسجد بنوائی۔ پل نالہ ڈیک کے پاس آپؒ کا کنواں (۱) تھا وہاں ایک مسجد کی
تعمیر کی۔ ملکانہ دروازہ سے باہر سڑک پر چلتے جائیے تو مسجد سائیں شہاب الدین آتی
ہے وہ بھی آپؒ نے تعمیر کروائی۔ ان کے علاوہ اپنے پیر و مرشد بابا امیر الدین صاحبؒ
کے آستانہ پر کوٹلہ شریف میں بھی ایک بہت بڑی مسجد بنوائی۔

اس کی تعمیر کا واقعہ یوں ہے کہ وہاں کوٹلہ شریف میں نماز کے لیے تھڑا سا بنا ہوا
تھا اور اس کے ساتھ ایک کنواں بھی۔ ایک دفعہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف سے تشریف لائے تو آپؒ نے اس تھڑے پر نماز ادا

۱؎ زمین اور کنواں نالہ ڈیک میں آجانے کی وجہ سے اس وقت یہ مسجد شہید ہو چکی ہے۔

کی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پر ہی مذکورہ مسجد بنوائی جو علاقہ بھر میں
والی مسجد ہے۔

مسجد میانصاحبؒ کی تعمیر

شرقپور شریف میں مسجد میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ سے پہلے ''توت والی
مسجد'' کے نام سے مشہور تھی۔ آپ کے جدامجد بابا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
جبکہ وہ یہاں تشریف لائے تھے اسکو تعمیر کیا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ کا جب عروج ہوا تو
سرشاران پیانہ وحدت کا اژدہام ہوتا جو کسب فیض کے لیے یہاں آپکی خدمت میں
حاضر ہوتا۔ اس گہما گہمی اور جم غفیر کو دیکھ کر اکثر لوگ آپؒ کی خدمت میں عرض
کرتے کہ مسجد بڑی ہو جانی چاہیے۔ لیکن آپ عموماً خاموش رہتے۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے آپؒ نے مسجد کے کچھ ملحقہ مکانات خریدنے کا ارادہ فرمایا
اور پھر مکانات خرید لیے۔ یہ مکانات خرید چکنے کے بعد کافی عرصہ تک یونہی پڑے
رہے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ جب تک ایک ملحقہ مکان ملکیتی حاجی نوردین ریوڑی
جو کہ ان دنوں شاہدرہ تحصیل ہیڈ کوارٹر میں عرائض نویس تھے کی کچھ جگہ شامل نہ ہوتو
مسجد سیدھی اور تکمیل کو نہیں پہنچتی تھی۔ مستری کرم دین صاحب و دیگر کئی احباب نے
انہیں جگہ دینے کے لیے کہا لیکن بات طے نہ ہو سکی اور معاملہ جوں کا توں رہا۔ ایک
جمعہ کے دن علی الصبح ہی آپؒ نے مستری کرم دین صاحب سے فرمایا۔

''شاہدرہ جاؤ اور حاجی نوردین صاحب سے کہو کہ جتنی جگہ مسجد کے لیے
درکار ہے ہمیں دے دیں۔'' مستری صاحب نے جواباً عرض کی کہ حضور کئی بار کوشش

کی ہے لیکن بات نہیں بنی۔ آپ نے زور سے فرمایا ''تم جاؤ تو سہی۔ کام انشاء اللہ ہو جائے گا۔''

چنانچہ مستری صاحب ان کے پاس گئے اور بات کی۔ انہوں نے نہ صرف فوراً زمین دینے پر آمادگی ظاہر کی بلکہ اپنے لڑکوں کو کہلا بھیجا کہ جتنی زمین مسجد کے لیے میاں صاحبؒ کو درکار ہے فوراً دے دی جائے۔ مستری صاحب یہ فیصلہ کر کے واپس آئے تو جمعہ کی نماز کے بعد ہی پرانی اور چھوٹی مسجد کو شہید کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

نئی مسجد کی تعمیر کا پروگرام مرتب ہونے لگا تو بہت سے رؤسا بااثر اور بڑے بڑے آدمیوں نے ایک عالی شان عمارت کے متعلق سامان لوہا، سیمنٹ وغیرہ لانے کا مشورہ دیا لیکن آپؒ نے فرمایا ''بھئی! ہم تو سادہ سا کام کریں گے۔ بھٹہ اینٹ لوہے اور سیمنٹ وغیرہ سے حتی الامکان اجتناب کریں گے۔ کیونکہ جب سے لوہے کی مشینیں اور چکیاں وغیرہ چلنے لگی ہیں لوگوں کے دل بھی لوہا اور پتھر ہو گئے ہیں۔ کیسی برکت ہوتی تھی جبکہ عورتیں اور بڑی بوڑھیاں ہاتھ سے چکی پیسا کرتی تھیں۔''

چنانچہ آپؒ نے موضع موہلن وال سے ''روڑ'' اکٹھے کروائے اور انہیں وہاں ہی جلوایا اور شرقپور شریف لا کر چکیوں سے پسوا کر چونا بنوایا۔ پھر آوے والوں سے پکی اینٹ کی بات کی اور اس سامان سے نئی مسجد کی بنیادیں بھر کر کام شروع کر دیا گیا جب بنیادیں بھر کر کچھ اونچی ہو گئیں تو پرانی مسجد کے کمروں کو تہ خانہ (۱) کی شکل دے دی گئی اور باقی صحن وغیرہ کو بھرتی سے بھروا کر اونچا کر دیا گیا۔ شہر کے معززین، بزرگ، ضعیف، اور نیک آدمی اپنے سروں پر ٹوکری اٹھا کر وہاں بھرتی بھرنے میں بڑی

۱۔ پرانی مسجد کا تہہ خانہ اب بھی جوں کا توں موجود ہے اور لوگ وہاں عبادت کرتے ہیں۔

مسرت محسوس کرتے تھے۔

مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ بابا مستری کرم دین (مرحوم) کو نگران مقرر کر دیا گیا وہ خوب دلجمعی اور انہماک سے کام میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے مسجد کی تعمیر کے لیے روپوں کی پیش کش کی لیکن ہر ایک کو آپؒ نے جواب دیا۔

اور کسی ایک سے بھی کوڑی تک نہ لی۔ دو راج سلطان محمد اور اس کا استاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ آپؒ سے بیعت تھے اور بہت نیک ہونے کیساتھ اچھے کاریگر بھی تھے۔ آپ راج، مزدوروں کا بڑا خیال رکھتے۔ اجرت کے علاوہ اپنے ہاں ہی سے کھانا، ناشتہ اور دوسری اشیاء مہیا کرتے۔ مزدوروں میں سے بعض جو کہ آپؒ سے بیعت تھے۔ مزدوری لینے سے انکار کر دیتے تو آپؒ مستری کرم دین صاحب کو فرماتے کہ انہیں اجرت ضرور دینا بلکہ یہ اپنے 'بیلی' ہیں اور نہایت خلوص، شوق دیانت اور محنت سے کام کرتے ہیں اور انہیں مزدوری سے دوسروں سے زیادہ دینا چاہیے۔

آپؒ کا معمول تھا کہ ہر سات دن کے بعد مستری صاحب کو رقم دینے کے بعد فرماتے کہ ہفتے بھر کا سب کا سب حساب ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ آپؒ کے ارشاد کے مطابق مستری صاحب ہفتہ کی اجرت سب کو ادا کر دیتے۔ ایسا ہی برتاؤ ان لوگوں سے بھی تھا جن سے کہ دوسرا سامان آتا تھا۔ ایک دن رات کے وقت قریباً ۱۲ بجے رکن دین آوے والے نے جہاں سے کہ اینٹیں آتی تھیں مستری صاحب کو کہا کہ مجھے ایک ہزار روپیہ اکٹھا پیشگی دیا جائے اور وہ بھی ابھی۔

مستری صاحب نے آپؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپؒ نے فرمایا کہ جس طرح پیشتر ازیں ادائیگیاں ہو رہی ہیں ویسے ہی انشاء اللہ اب بھی ہوں گی۔ مستری

صاحب نے جو کچھ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا تھا۔ رکن دین آوے والے کو جا کر کہہ دیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ مستری صاحب نے آپؒ کی خدمت میں پھر عرض کی۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری بار رکن دین نے سختی سے کہا کہ اگر اسی وقت ہزار روپیہ نہ دیا گیا تو صبح اینٹیں نہیں آویں گی۔ مستری صاحب بڑے پریشان ہوئے اور آپؒ کی خدمت میں تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "اس وقت تنگ ہی کریگا۔"

یہ کہہ کر آپ نے قدرے اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سو روپیہ کا نوٹ نکالا اور اسی طرح آپؒ بسم اللہ شریف پڑھتے گئے اور سو، سو کے نوٹ نکالتے گئے حتیٰ کہ دس نوٹ یعنی ایک ہزار نکال کر آپؒ نے مستری صاحب کو کہا کہ جاؤ رکن دین کو دے آؤ۔ چنانچہ ہزار روپیہ کی ادائیگی کے بعد اینٹوں کی آمد شروع ہوگئی۔ اکثر رات کے وقت آپؒ مسجد میں تشریف لا کر عمارت کو ایک نظر دیکھا کرتے تھے اور بیٹھے بیٹھے ہی ہدایات فرمایا کرتے۔ ایک رات آپؒ نے مستری صاحب کو فرمایا "سلطان محمد راج اور اس کے استاد کا حساب بیباک کر کے صبح انہیں کام سے فارغ کر دیا جائے اور ان کی جگہ نئے معمار لگا دیے جائیں۔" سب حیران تھے کہ الٰہی کیا ماجرا ہے کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہ دونوں متشرع اور نیک بھی ہیں۔ سلطان محمد آپؒ سے بیعت بھی ہے اور پھر راج اور کاریگروں کی قلت بھی۔ معلوم نہیں کون سی ایسی بات ہوگئی ہے کہ یکدم انہیں رخصت کا حکم مل گیا ہے۔ مستری کرم دین نے ہلکے سے الفاظ میں عرض کی "حضور! معماروں کی دستیابی میں خاصی دقت ہے۔" لیکن آپؒ خاموش رہے اور انہیں رخصت کر دیا گیا۔

چند دن بعد معلوم ہوا کہ ایک دن سلطان محمد اور اس کے استاد میں عمارت کی بناوٹ اور راج گری کے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا تھا اور وہ بازار میں کھڑے ہو کر آپس میں کچھ ترش رو ہوئے تھے۔ آپ کی غیرت نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہ بازار میں کھڑے ہو کر آپس میں کچھ نازیبا سی گفتگو کریں۔ لہٰذا بہت کوششوں کے باوجود بھی انہیں کام پر نہ لگایا گیا۔ بلکہ آپؒ نے ان سے پھر کبھی بھی کوئی کام نہیں کروایا۔

ان کے چلے جانے کے بعد لاہور سے محمد حسین، فیروز دین معمار لائے گئے پہلے تو وہ ماحول سے گھبرا گئے کیونکہ وہ غیر شرع اور کچھ آزاد سے تھے۔ چونکہ مسجد کی تعمیر میں جتنے مزدور وغیرہ بھی تھے سب کے سب متشرع اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے بلکہ اکثر تہجد گزار تھے۔ ایسے ماحول سے آزاد قسم کے آدمیوں کا گھبرا جانا قدرتی بات تھی ایک دن انہیں بھی حضرت صاحب قبلہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"بھئی! تم بھی کچھ تھوڑی سی نماز کی طرف رغبت کرو" لہٰذا وہ بھی کچھ دنوں کے بعد نماز پڑھنے لگے۔ یہ آپؒ کا تصرف ہی تو تھا کہ یہاں سے جب وہ فارغ ہوئے تو لوگوں نے دیکھا وہ متشرع ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر سنت نبوی (داڑھی) عجب بہار دکھا رہی تھی۔ یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ آپؒ کی عادت تھی کہ غریب اور کمزور آدمیوں کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور انہیں اجرت دوسروں جتنی پوری ہی دیتے۔

تعمیر کے شروع ہی میں یہ تجویز تھی کہ مسجد کا ایک بلند منار بنایا جائے گا اسی وجہ سے مجوزہ جگہ پر جب بنیادیں کھودی گئیں تو وہ بہت گہری تھیں۔ کئی ہزار اینٹیں بنیادوں میں خرچ کر دی گئیں! لالا اتنی محنت کے بعد جب منار کی بنیادیں زمین سے باہر

آ گئیں تو ایک رات منار کی تعمیر روک دی گئی۔ سب حیران تھے کہ یک لخت یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے۔ لیکن منار کی تجویز ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پس پردہ کوئی اور ذات تھی کہ جس کے حکم پر کام ہو رہا تھا کوئی غائبانہ طاقت تھی کہ ہدایات دے رہی تھی۔

آخر کار شہر کی سب سے بڑی مسجد نہایت سادہ انداز میں بن کر تیار ہو گئی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے پیرو مرشد کے آستانہ کوٹلہ شریف کی مسجد کے نمونہ پر تیار کروایا۔ اس پر قریباً پچیس ہزار روپیہ کے لگ بھگ خرچ ہوا جو کہ آپؒ نے صرف اپنی ہی گرہ سے ادا کیا۔ اپنے آباؤ اجداد کے مبارک ہاتھوں سے بنی ہوئی پرانی چیزیں آپؒ نے ویسے ہی رہنے دیں۔ پرانی مسجد تہہ خانہ کی صورت کنواں ویسے کا ویسا ہی ہے آج بھی اس کے آثار موجود ہیں ایک پرانی مسجد کا درمیانی دروازہ وہ بھی ابھی تک بڑی مسجد کے درمیان میں موجود ہے۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا
جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا!
(علامّہ اقبالؒ)

فیض عام

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ اولیائے کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ، وتعالیٰ جن کو دوست رکھتا ہے۔انہیں تین خصلتیں عطا فرماتا ہے سخاوت دریا کی مانند، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی مانند۔ بندہ جب سلوک کی منازل طے کر کے اس اعلےٰ مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نگاہ فیض بار ہر طرف اٹھتی ہے۔ وہ ہر چیز سے پیار کرتا ہے۔ اسے ہر ذی روح سے محبت ہوتی ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ (خلقت اللہ کا کنبہ ہے) کے مصداق انسان ہو کہ حیوان، برا ہو کہ بھلا، اپنا ہو کہ پرایا، غرضیکہ کسی ایک جاندار کی تکلیف اسے اپنے میں محسوس ہوتی ہے ہر ایک کے دکھ کی کسک وہ اپنے میں پا کر تڑپ اٹھتا ہے ان کی مہربانی آفتاب کی طرح ہر ذی روح کے لیے ہوتی ہیں اور ان کے چشمۂ فیض سے دریا کی مانند ہر کوئی فیض یاب ہوتا ہے۔

سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ بفضلِ تعالےٰ عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم عرفان الٰہی اور درد دل سے کما حقہ، بہرہ ور تھے۔ سخاوت میں آپؒ حاتم زمانہ تھے۔ ہمدردی اور بھلائی کا جذبہ آپؒ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کسی کی تکلیف دیکھ کر آپؒ تڑپ اٹھتے اور جب تک اس کا ازالہ نہ ہو جاتا آپکو چین نہ آتا۔ دکھی انسان بلکہ ہر جاندار اور ہر ذی روح کی امداد کے لیے آپؒ ہر وقت کمر بستہ رہتے اکثر بیواؤں لاوارثوں اور اپاہجوں کو آپؒ کے ہاں امداد ملتی۔ بہت سے اندھے اور مساکین آپؒ کے ہاں پلتے۔ جانوروں تک کے لیے آپؒ کا در، درِ فیض بار تھا۔ کسی نے کیسی سچ کی

ات کہی ہے۔

درد سے ہو جو بیخبر آدمی، آدمی نہیں
دل میں اگر تڑپ نہ ہو، بندگی بندگی نہیں

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ڈوہراں والے قبرستان تشریف لیجا رہے تھے کہ آپؒ نے راستہ میں ایک لنجا (مفلوج، معذور) بیٹھا دیکھا۔ آپؒ نے پوچھا کہ کہاں جانا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ سکھانوالی جانا ہے۔ آپ نے اسے اپنے کاندھوں پر بٹھالیا اور سکھانوالی لے چلے۔ راستہ میں کئی ایک آدمیوں نے عرض کی ''سرکار! ہم اٹھالیتے ہیں۔'' لیکن آپؒ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میرا بھی دل ہے۔ مجھ پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ وہ بھی کوئی انسان ہے جو دوسرے کے کام نہ آئے۔ یہ میرا کام ہے لہٰذا اسے میں ہی انجام دوں گا۔'' چنانچہ آپؒ نے اسے موضع سکھانوالی پہنچادیا اور کچھ رقم سے اسکی مدد بھی کردی۔

احساس و درد

ایک آدمی آپؒ کے پاس آیا اور بعد علیک سلیک چپ کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد بغیر کوئی بات کیے واپس لوٹنے لگا تو آپؒ نے پوچھا۔ ''کیا بات تھی کیسے آئے تھے اور جا بھی رہے۔'' کہنے لگا کہ درد ہو رہا تھا اور اسی لیے حاضر خدمت ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر؟ کہنے لگا۔ ''عرض کیے بغیر ہی درد جاتا رہا ہے اور واپس جا رہا ہوں۔'' آپ فرمانے لگے ''تمہارا درد تو ختم ہو گیا ہے اور تمہاری بجائے مجھے جو ہونے لگا ہے۔'' سبحان اللہ! کمال انسانیت اور کمال جذبہ احساس و درد۔ یہ تھی کسی کا دکھ بانٹ

لینے کی عملی تفسیر!

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ شرقپور شریف کی ملحقہ بستی بنی پورہ والی مسجد میں تشریف لے گئے راقم کے والد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ واپسی پر آپؒ نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا مسجد کے پاس ہی سوکھے ہوئے مشہور ''نالہ'' سے ایک بدنام نوجوان کے ہمراہ تاش کھیلنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔ آپ نے والد صاحب کو فرمایا۔

''عمر دین حکیم کے لڑکے کو اس جوان کے ساتھ دیکھ کر میری کمر دوہری ہو گئی ہے۔'' یعنی آپؒ بڑے متفکر ہوئے اور آپؒ کو بڑا رنج ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد شرقپور شریف میں طاعون کا حملہ ہوا اور مذکورہ نوجوان لڑکا دین محمد بھی اس لپیٹ میں آ گیا۔ حضرت صاحب قبلہ نے والد صاحب کو کہا کہ تم ان کے گھر جا کر اس کے پاس کچھ دیر بیٹھا کرو اور چپکے سے سات دفعہ سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) بسم اللہ شریف کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہوئے پھونک مار آیا کرو۔ چنانچہ والد صاحب ایسا ہی کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد اسے مکمل صحت ہو گئی اور جس بات کا آپؒ کو قلق تھا وہ بری عادتیں بھی چھوٹ گئیں بعد میں وہ ہی نوجوان حکیم دین محمد صاحب کے نام سے مشہور ہوا۔

جانوروں پر شفقت

جاڑے کا موسم تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکثر اشاروں کنایوں سے باتیں کیا کرتے تھے نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا۔ ''اماں جی! کچھ ہے؟'' انہوں نے فرمایا ''ہاں بیٹا! ہے۔'' یہ سن کر آپؒ نے کہا ''تو پھر کچھ کر دیجئے نا۔'' یہ کہتے ہوئے آپؒ نے ایک چارپائی بچھائی اور اس پر ایک

لحاف آدھا نیچے اور آدھا اوپر بچھایا۔ پھر آپؒ باہر تشریف لے گئے اور ایک نحیف ولاغر کتیا کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس چارپائی پر بچھے ہوئے بستر میں لٹا دیا۔ اس کے بعد آپؒ باہر سے اس کے پلے بھی اٹھا لائے اور انہیں بستر میں کتیا کے ساتھ لٹا کر سب کو لحاف سے ڈھانپ دیا۔ اتنے میں اماں جی نے حلوہ تیار کر لیا تھا آپؒ نے اسے ٹھنڈا کیا اور کتیا کے منہ میں نوالے دینے شروع کر دیے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حلوہ کھلا بھی رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرما بھی رہے تھے۔

''تو نے رات کو بچے جنے ہیں۔ بڑی تکلیف ہوئی ہو گی۔ تو میری ہمسائی ہے تیری خبر گیری میرا فرض ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی کہ تیرا پتہ نہ کیا۔ مجھے معاف کر دو۔''

حضرت صاحب قبلہ بار بار اس بات کا تکرار کرتے گئے اور آدھا حلوہ کھلا دیا۔ لحاف کی گرمی اور حلوہ کی وجہ سے اس کے کمزور جسم میں طاقت عود کر آئی اور وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر کوچہ میں چلی گئی۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ گھر سے تشریف لا رہے تھے کہ گلی میں ایک کتیا آپؒ کے پاس سے گزری۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ''اری! تو نے بچے جنے ہیں، مجھے دکھائے ہی نہیں۔'' یہ کہنا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے بچے کو منہ میں دبائے اٹھا لائی اور اسے حضرت صاحب قبلہ کے آگے رکھ دیا۔ وہ پھر واپس چلی گئی اور دوسرا اٹھا لائی۔ اسی طرح اس نے سات بچے لا کر حضور کے آگے رکھ دیئے اور آپؒ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''اچھا! اب واپس لے جاؤ دیکھ لیے ہیں۔''

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک ہلکا کتا آتا دکھائی دیا۔ لوگ اس کے پیچھے 'دیوانہ' ہے،

دیوانہ ہے" کہتے لاٹھیاں اٹھائے شور مچاتے بھاگے آرہے تھے۔ وہ کتا جب آپؒ کے پاس سے گزرنے لگا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ "جو لوگ تمہیں کھلایا کرتے ہیں انکو تو نہیں کاٹنا چاہیے۔" وہ کتا آپؒ کے سامنے کھڑا ہو کر دم ہلانے لگا۔ اس کی دیوانگی دور ہو گئی اور وہ اچھا بھلا ہو گیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ کتا آپؒ کے پاس سے گزرتا تو آپؒ فرماتے۔ "کتے سمجھ جاتے ہیں اور روٹی ڈالنے والے کو نہیں کاٹتے۔ لیکن زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ بھائی بھائی کو کاٹنے دوڑتا ہے۔"

مہمان اور اس کا گھوڑا

سخت سردی کے دن تھے آپؒ گھر میں رضائی اوڑھے پڑے تھے۔ آپ نے والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ "اماں جان! "سردی سخت محسوس ہو رہی ہے۔" آپ کی والدہ صاحبہ نے آپؒ پر ایک اور لحاف ڈال دیا۔ آپ نے دوبارہ پھر فرمایا۔ "ابھی سردی اور لگ رہی ہے۔" اماں صاحبہ نے کوئلوں کی انگیٹھی جلا کر آپؒ کی چارپائی کے نیچے رکھ دی۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا۔ "مجھے ابھی سردی لگ رہی ہے۔"

والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ پھر میں کیا کروں تو جان اور تیری سردی۔ اس پر آپؒ نے فرمایا۔ "باہر مہمان خانے سے پتہ کیا جاوے کہ کوئی مہمان تو نہیں آیا؟ باہر سے معلوم ہوا کہا ایک مہمان آیا ہوا ہے۔" آپؒ نے پوچھا کیا اسکو کھانا کھلا کر اندر سلا دیا گیا ہے؟" جواب ملا کہ کھانا کھلا کر اندر بستر دے دیا گیا ہے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا" وہ مہمان گھوڑے پر آیا ہے اس کا گھوڑا باہر سردی میں کھڑا ہے اور اسے سردی لگ رہی ہے۔ اس کے گھوڑے کو جب تک اندر گرم جگہ پر نہ باندھا جائے گا میری

سردی نہیں اترے گی۔'' سوایسے ہی ہوا جب گھوڑے کو اندر باندھا گیا تو آپ نے
فرمایا: ''میرے لحاف اتار دو اب میری سردی اتر گئی ہے۔'' سبحان اللہ! کیسی وسیع
نظریں تھیں آپؒ کی اور کیسا مکمل تھا آپؒ کا جذبہ احساس ہر ذی روح اور ہر جاندار
کے لیے کتنا درد رکھتے تھے۔ آپؒ کی ذات گرامی کو اللہ تبارک وتعالےٰ نے کمال مہربانی
اور اپنے فضل وکرم سے خلق اللہ کے لیے احساس و درد کا وافر جذبہ عطا کیا تھا۔

ایک بلی

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقہ مریدین میں بیٹھے
ہوئے توجہ فرما رہے تھے کہ ایک بلی آگئی وہ آپؒ کے جسم سے ٹکراتی ہوئی کبھی ادھر سے
ادھر جاتی اور کبھی ادھر سے ادھر آتی۔ ایسا کرتے کرتے وہ حلقہ میں حضرت صاحب
قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آبیٹھی۔ اس کا سامنے آکر بیٹھنا ہی تھا کہ اس پر وجدانی
کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ تڑپنے لگی اور ذکر جاری ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی
انسان ذکر کر رہا ہے کوئی ایک گھنٹہ تڑپنے کے بعد وہ بلی جاں بحق ہوگئی۔ آپؒ نے تبسم
فرمایا اور کہا کہ بازار سے کپڑا لاکر اسے کفن دے دو اور باہر قبرستان میں اسے دفن کر دیا
جائے۔ چنانچہ آپؒ کے ارشاد کے مطابق اسے کفن دے کر دفن کر دیا گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے چچا میاں حمید الدین صاحب (مرحوم)
کے پاس مسجد میں طلبا کی خاصی تعداد تھی جو قرآن پاک کی تعلیم کے حصول میں منہمک
رہتی۔ ان میں سے کچھ ایسے طالب علم بھی تھے جو مضافات سے آکر یہیں مسجد میں
حصول تعلیم کے لیے مقیم ہوگئے تھے۔

ایک دن ایک لڑکا جوان مقیم طلبہ میں سے تھا۔ کسی گھر سے روٹیاں لیے آ رہا تھا کہ راستہ میں سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور دلی جذبات واحساسات کا رنگ روئے انور پر نمایاں ہو گیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ "کیا ہی اچھا ہوتا تم کہیں شہر میں اجرت پر کچھ کام بھی کرتے اور تعلیم بھی حاصل کرتے۔" آپ کے پردرد الفاظ تیر بن کر اس کے دل میں پیوست ہو گئے۔ اس وقت تو وہ خاموش رہا لیکن مسجد میں روٹیاں پہنچانے کے بعد شرقپور شریف سے رخصت ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں سنہری مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ وہی لڑکا ملا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا "کیوں بھئی! یہ بات (کسب معاش کے ساتھ حصول تعلیم) ٹھیک ہے یا وہ بات (یعنی روٹیاں مانگ کر لانا اور تعلیم حاصل کرنا) ٹھیک تھی؟ کہنے لگا۔ "حضور! یہ بات درست اور افضل ہے۔ آپؒ نے مجھے پستیوں سے اٹھا کر بلندیوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ ایسا خوددار ذریعہ تعلیم روح کی بالیدگی کا باعث ہوتا ہے۔"

اس نے اپنے تہبند کی گرہ کھول کر ایک روپیہ آپؒ کی نذر کیا۔ آپ نے فرمایا! "میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ تمہارے کسی کام آ جاوے گا۔ لیکن اس نے بڑی منت سماجت سے آپکو روپیہ لینے پر مجبور کر دیا۔ بعد میں آپؒ نے فرمایا

"یہ ایک روپیہ اس کی خالص حلال کی کمائی میں سے تھا۔"

بسمِ اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحیم

اَلتَّآ ئِبُوْنَ الْعَا بِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ

اَلسَّآ ءِحُوْنَ الرّٰاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ o

(التوبہ . ۱۱۲)

توبہ کرنے والے۔عبادت کرنے والے۔حمد کرنے والے

جہاد کیلیے سفر کرنے والے۔رکوع کرنے والے۔سجدہ کرنے والے

نیکی کا امر کرنے والے۔بری باتوں سے منع کرنے والے۔اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔(یہی مومن لوگ ہیں اور اے پیغمبر!) مومنوں کو بہشت کی خوش خبری سنا دیجئے!

معمولات

دین اسلام میں ایمان کے بعد عبادت کو ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے قرآن حکیم میں فرمایا گیا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون. (ہم نے جن اور انسان اسی لیے بنائے ہیں کہ ہماری عبادت کریں) اور اس کے بعد ارشاد ہوا یاایھا الذین امنو اذکرو اللہ ذکرا کثیرا ۝ وسجوہ بکرۃ واصیلا (اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کرو)۔ جویان حق، عرفان الٰہی کے حصول کی لگن میں فرض عبادات کے ساتھ سنت نبوی کی پیروی میں ارشادات مصطفوی کو مشعل راہ بنائے ہوئے نفلی عبادات اوراد و اذکار میں منہمک اور مشغول رہتے ہیں انہی نفوس قدسیہ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم (یہی وہ اہل دانش ہیں جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے)۔ یہی وہ عارفانِ حق اور مردانِ خدا ہیں جنہوں نے عبادت گزاری اور پرہیز گاری کو اپنا شعار بنا کر مخلوق خدا کو شریعت و روحانیت اور حق و صداقت کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہونے میں راہنمائی کی۔

عبادات و اوراد

حضرت صاحب قبلہؒ کی زندگی مختلف ادوار میں مختلف کیفیات اور حالات کی حامل تھی ابتدائی زمانہ میں آپؒ جنگلوں، دریاؤں اور قبرستانوں میں رہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑا عرصہ آپؒ نے مسجد شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع رکھا بعد

ازاں جب آپؒ کے چچا حافظ حمید الدین صاحب پٹوار سے ریٹائر ہوئے تو آپؒ نے مسجد کا یہ تمام سلسلہ انکے سپرد کر دیا۔ چنانچہ حافظ حمید الدین صاحب کا انتقال ہو گیا تو حضرت صاحب قبلہ نے مسجد کا کام پھر سنبھال لیا اور امامت کے فرائض سرانجام دینے لگے راقم الحروف کے والد صاحب نے بھی انہی دنوں حضور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور آپؒ سے ابتدائی اسباق پڑھے تھے۔

قاری محمد ابراہیم صاحب (مرحوم) کو جب حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیضانِ نظر سے نوازا اور قاری صاحب کا دل نورِ معرفت سے منور ہو گیا تو آپ نے انہیں مسجد میں لا کر بٹھا دیا اور مسجد کی امامت و دیگر فرائض ان کے سپرد کر دیے تمام امور مع امامت قاری ابراہیم صاحب انجام دیتے تھے اور جمعہ مبارک حضرت صاحب قبلہ پڑھاتے تھے۔ آپؒ کمال عجز و انکسار اور کسرِ نفسی سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ لیکن بڑوں کے رحلت فرمانیکے بعد مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ اگر کوئی عالم دین یا مولانا آجاتے تو آپؒ انہیں جمعہ پڑھانے کے لیے کہتے۔

قاری محمد ابراہیم صاحب کو مسجد کا انتظام و انصرام سپرد کرنے کے بعد آپؒ اپنے گھر کے نزدیک مختلف نمازیں مختلف مساجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان مساجد میں بھی آپؒ کم رونق والی مساجد کو ترجیح دیا کرتے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ محلہ اور گھر کے نزدیک کی مساجد کے بہت سے حقوق ہیں۔ فجر کی نماز آپؒ اوّل وقت پڑھا کرتے اور عموماً ملکاں والی مسجد جسمیں آپؒ سے پہلے بہت کم رونق ہوتی تھی میں پڑھا کرتے۔ فجر کے فرضوں کی دعا کے بعد آپؒ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ہدیہ درود و سلام پیش کیا کرتے تھے۔ یعنی الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام

وعلیک یا حبیب اللہ پڑھا کرتے۔ اس کے بعد چہار کرسی نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آہستگی سے پڑھا کرتے۔ وہ یہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد آپؒ لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم فان تولوافقل حسبی الله لااله اله هو علیه تو کلت وهو رب العرش العظیم. السلام علیکم یا محمد صلی الله علیه وسلم پڑھتے یہ اوراد آپ بہت آہستہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہی آپ کے منہ سے سنے جاتے۔ اس کے بعد چادر بچھا کر اس پر شمارے ڈالے جاتے اور دیگر ہمراہیوں کے ساتھ بیٹھ کر درود شریف خضری صلے اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ واصحابہ وسلم پڑھا کرتے۔ درود شریف شروع کرنے سے پہلے لقدجاء کم .... العرش العظیم تک تین بار پڑھنے کے ساتھ سورت حشر کی آخری آیات پڑھتے۔ کبھی کبھار مذکورہ آیات کے ساتھ۔ ان الله وملائکته یصلون علی النبی یا ایها الذین امنو اصلوا علیه وسلموا تسلیما بھی ملا دیا کرتے۔ نیز ہر روز درود شریف شروع کرنے سے پہلے یہ شعر ضرور پڑھا کرتے۔

کعبہ دل قبلہ جاں یا رسول اللہ توئی
سجدۂ مسکیں حسن ہر لحظہ بادہ سوئے تو

نمازِ عشق ہردم می گزارم   بہ پیش قبلہ روئے محمد ﷺ

اشراق کے آٹھ نفل آپؒ اپنے محلّہ کے سامنے مسجد لوہاراں والی میں ادا فرماتے نفلوں کی ادائیگی کے بعد آپؒ ایک ہزار دفعہ سورۃ اخلاص پڑھا کرتے اور اس کے بعد کچھ دیر خفی طریق سے نفی اثبات کرتے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے کئی بار دیکھا کہ مسجد کے محراب میں بیٹھ کر آپؒ نفی اثبات میں مشغول ہوتے۔ اس وقت اس مسجد میں بالکل علیحدگی ہوا کرتی تھی۔ بعد ازاں آپؒ اپنی بیٹھک میں تشریف لے جاتے اور اپنے ہاں آئے ہوئے مہمانوں کو رخصت کی اجازت مرحمت فرماتے اور رخصت کے وقت بعض مہمانوں کو کچھ کھلا دیتے اور بعض کو چلتے وقت کچھ باندھ دیتے اور فرماتے کہ راستے میں 'کچھ' کر لینا یعنی کھا لینا۔ آپ کے ہاں کئی ایسے مہمانوں کا ورود بھی ہوتا تھا جو رات کو بعد نماز عشاء آتے اور رات بھر فیض پانے کے بعد سحری کے وقت فجر کی اذان سے پیشتر ہی یہاں سے واپس ہو جاتے تھے اکثر دیکھا گیا کہ ان میں سے کئی ایک سرزمین شرقپور پر ننگے پاؤں ہوتے اور اس بستی کے قرب و جوار میں جوتا نہیں پہنتے تھے اور آپؒ کی بیٹھک میں داخلہ سے پیشتر چوکھٹ کو چوما کرتے۔

چاشت کی نماز عموماً آپؒ ٹاہلی والی مسجد میں ادا کرتے نماز چاشت کی بھی آٹھ رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ ان نوافل سے فراغت کے بعد آپ اکہتر دفعہ تیسرا کلمہ اور کچھ دیر استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب علیه کا ورد کرتے اور اس کے بعد آپؒ اصلاحی کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے پاس اکثر لوگ برادری یا آپس کے معاملات لے کر آتے۔ آپ ان کی آپس میں صلح صفائی کرا دیتے یا از روئے شریعت جو مناسب ہوتا فیصلہ کر دیتے۔ بڑی عمر کی لڑکیوں یا غرباء کی بچیوں کے نکاح کروانے میں کوشش کرنا، بھائیوں بھائیوں کے جھگڑا میں صلح کروانا اور یتامیٰ

ومساکین و بیوگان کی خبر گیری کرنا آپ کا شعار تھا۔

اس کے بعد آپؒ مہمانوں کو کھانا کھلانے کی طرف متوجہ ہوتے۔ آپ کے ہاں مہمانوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی۔ اکثر سو، سو مہمان بھی آپؒ کے دستر خوان پر دیکھے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تمام مہمانوں کے ہاتھ دھلائے جاتے اور پھر سب دستر خوان پر مل بیٹھتے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی بیٹھک کے دریچہ میں سے خود کھانا پکڑواتے اور آکر سب کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ جاتے۔ تمام کھانے والوں کے داہنے زانو اٹھے ہوتے۔ آپ بسم اللہ شریف پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کرتے اور سب حاضرین کو داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کرنے کی ہدایت فرماتے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد آپؒ سب کے ساتھ مل کر دعا فرماتے اور سب مہمان پانی سے ہاتھ صاف کرتے۔ کھانا عموماً سادہ ہوا کرتا تھا اور سب کے لیے ایک جیسا ہوا کرتا تھا لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی آدمی دل میں خواہش لے کر آتا کہ آج حضرت صاحب قبلہ فلاں چیز کھلائیں تو اس کے سامنے وہی چیز موجود ہوتی جیسا کہ ایک دفعہ آدمی آیا جس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا تھا کہ آج اگر میاں صاحبؒ ہرنیوں کے دودھ کی کھیر کھلائیں۔ تب مانوں۔ چنانچہ جب ان کے سامنے کھانا آیا تو اسی شخص کے سامنے ایک پلیٹ میں ہرنیوں کے دودھ کی کھیر موجود تھی۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا۔ آپ مسکرا رہے تھے اور فرمایا۔ کسی کی نیت کی چیز اللہ تعالیٰ نے کہیں سے بھیج ہی دی ہے۔"

مہمانوں کو کھانا کھلا کر آپؒ آرام کرنے کو کہتے اور خود کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈالتے۔ اس کے بعد کچھ دیر قیلولہ بھی فرماتے تھے۔ قیلولہ سے فراغت کے بعد آپؒ ظہر کی نماز لوہاراں والی مسجد میں ادا کرتے اور پھر واپس بیٹھک پر آکر باہر سے آئے ہوئے

متوسلین کو تلقین فرماتے۔ پھر سب کو بڑی مسجد (میاں صاحب والی مسجد) میں چلنے کا حکم ہوتا اور کچھ وقفہ کے بعد خود بھی وہاں تشریف لے آتے۔

نمازِ عصر بڑی مسجد میں ادا ہوتی اور نماز کے بعد آپؒ عموماً اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ وہاں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یا تو آپؒ قبرستان چلے جاتے یا مسجد میں ہی واپس تشریف لے آتے۔

مغرب کے وقت اذان ہونے پر آپؒ بڑی مسجد میں ہی نماز باجماعت ادا فرمانے کے بعد مسجد کی چھت پر چلے جاتے۔ گرمی کے موسم میں کھلی چھت پر اور سردی کے ایام میں چھت پر ہی ایک حجرہ میں ۶ رکعت نفل اوّابین ادا کرتے اور نوافل کی ادائیگی کے فوراً بعد کچھ دیر کے لیے سرِ نیاز سجدہ میں جھکا دیتے اس کے بعد آپؒ وظائف میں مشغول ہو جاتے اور متوسلین جن میں خاص تعداد ان احباب کی ہوتی جو باہر سے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ کے سامنے حلقہ کی صورت میں سر جھکا کر دوزانو بیٹھ جاتے وظائف میں آپؒ (۱۷) مرتبہ بسم اللہ شریف کو الحمد شریف سے ملا کر پڑھتے۔ اس کے بعد سورۃ والضحیٰ ۷ بار، سورۃ حشر کا آخری حصہ ۷ بار، الم نشرح ۱۱ بار اور ۱۱ دفعہ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم وبحمده استغفر الله لا حول ولاقوة الا بالله العلی العظیم پڑھتے اور پھر یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا حیی یا قیوم یا ودود یا کریم یا لطیف یا حبیب کا ۱۱ دفعہ ورد کرتے۔ اس کے بعد سرکار میاں صاحب شرقپوری یہ پڑھتے۔

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته
لكل هول من الاهوال مقتحم

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ
سواک عند حلول الحادث العمم
ان اٰت ذنبا فما عهدی بمنتقض
من النبی ولا حبلی بمنصرم
(قصیدہ بردہ شریف)

یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا
اننی فی بحر غم مغرق
خذ یدی سهل لنا اشکالنا

کل ولی له قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

شیاء لله یا حضرت سلطان شیخ سید عبد القادر جیلانی صاحب المدد
شیاء لله چو گدائے مستمند المدد یا شاہ نقشبند
شیاء لله یا خواجه اجمیری

اس کے بعد بارگاہ ایزدی میں نہایت عجز وانکساری ونیاز سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے اور عرض کرتے ۔یا ارحم الرحمین. یا ارحم الراحمین. یا ارحم الراحمین. یا ارحم الراحمین. اللهم صل علی سیدنا محمد سابق نوره و آخر ظهوره و رحمة للعالمین وجوده واله واصحابه وبارک وسلم.

کبھی کبھی درود تنجینا بھی پڑھتے اور یہ دعا بھی۔

اللهم یا رب بجاه نبیک المصطفی ورسولک المرتضی طهر

قلوبنا من کل وصف یبا عدنا عن مشاھدتک و محبتک و امتناعلی السنة والجماعة والشوق الٰی لقائک یا ذاالجلال والا کرام . وسلم تسلیمًا والحمد للہ رب العالمین ٥

ز مہجوری بر آمد جان عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
اگرچہ غرق دریائے گناھم	ترحم یا نبی اللہ ترحم

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ھے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ھے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا عرب سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ھے

یارب ازسودائے خود درویش دار	زندہ رامردہ بعشق خویش دار
آں چناں بخود دیگر وآں آشنا	تانہ گر دم یک زماں از تو جدا
یا الٰھی چشم بینائی بدہ	درسرم ھم عشق سودائی بدہ
آتش افگن دردل مانند طور	شعلہ برخیز دیگر ودزنگ دور

تجلی کر کے تن من سب جلا دے
جو دکھانا کل ھو آج ھی دکھا دے

۱	ذلیل و خوار گشتم درمناھی	الٰھی یا الٰھی یا الٰھی
۲	خیال غیر ازمن دور گرداں	بدر دعشق خود رںخور گرداں
۳	حدیث مصطفٰے صوت دھالم	کلام اللہ باشد بر زبانم
۴	دل دردمنداں را دوا کن	دل امیدواراں را روا کن

دعا کے آخر میں یہ پڑھتے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد عبدک ورسولک ونبیک وحبیک وصل علی جمیع المؤمنین والمؤمنات. اللھم اصلح .اللھم انصر. اللھم احفظ امة سیدنا وحبیبنا محمد. صلی الله علیه وسلم وافوض امری الی الله ان الله بصیر بالعباد. فالله خیر حافظا وھو ارحم الراحمین٥

دعا سے فراغت کے بعد آپ مسجد میں ہی مہمانوں کو کھانا کھلاتے۔ آپ اپنے دست مبارک سے خود ہی بسم اللہ شریف پڑھتے ہوئے مٹی کے پیالوں میں سالن وغیرہ ڈال کر دیتے۔ مہمان خواہ کتنے ہی آجائیں کھانا ختم ہوتے کبھی بھی نہیں دیکھا گیا۔ جب دستر خواں بڑھا دیا جاتا تو عشاء کی اذان ہوتی۔ احباب حوائج ضروریہ کے لیے باہر کھیتوں کو جاتے اور بعد فراغت وضو کر کے سنت ادا کرتے ہوئے درود شریف کی چادر پر بیٹھ جاتے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سنتیں ادا فرما کر اوپر سے نیچے اترتے اور احباب کے ساتھ چادر پر درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ شماروں کے ختم ہونے پر آپؒ دعا فرماتے۔ عربی دعا کے علاوہ آپؒ اکثر یہ اشعار بھی پڑھتے۔

خدایا بده شوق ذات رسول — بدرد محمد مرا کن قبول

شب وروز درعشق احمد بدار — همه عمر در وصل احمد گزار

چو بلبل بر آن گل فدائم کنم — چون پروانه جلوه نمائم کنم

حیاتی مماتی همه وقت ما — عطا کن وصال مرا مصطفیٰ

کریما به بخشائے بر حال ما — که هستم اسیر کمند هوا

نداریم غیر از تو فریاد رس | تو ئی عاصیاں را خطا بخش بس
نگہدار مارا ز راہ خطا | خطا در گزار و صوابم نما

جب تک جسمانی طاقت نے ساتھ دیا عشاء کی نماز میں آپؒ خود ہی امامت فرماتے رہے۔ نماز عشاء میں سورت والضحیٰ (1) آپؒ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ آپؒ تین رکعت وتر ادا کرنے کے بعد ”نوافل سے پیشتر سجدہ کرتے جسمیں پانچ بار سبوح قدوس رب الملئکة والروح پڑھتے۔ سجدہ سے اٹھانے کے بعد آیت الکرسی پڑھتے اور پھر سجدہ کرتے جس میں پھر سبوح قدوس رب الملئکة والروح کا ورد کرتے اور سجدہ سے سَر اٹھا کر تین بار سبحان الملک القدوس پڑھتے۔

نماز سے فراغت کے بعد آپؒ اوپر مسجد کی چھت پر چلے جاتے جہاں آپؒ ہر روز سورہ ملک پڑھ کر فاتحہ خوانی کرتے ختم پڑھنے کے بعد آپؒ ہاتھ اٹھا کر یوں گویا ہوتے،

ربا بھیج ثواب توں ایس کلام طعام
بعد اوہناں دے یار جو خاص نبی دے چار
بعد اوہناں دے تابعین کل امام ہمام
کل غوثاں قطباں بھیج توں ہر ولی اوتاد ابدال
بھیجیں مائی باپ استاداں ہور قبیلے خویشاں
کل مومن مرداں عورتاں جو کوئی اہل اسلام
ثواب جو میتوں حاصل ہو پا سناں توں پہنچائیں

اوپر روح رسول دے پہر مرسل نبی تمام
بعد ازواج اولاد اوہناں دے کل اصحاب
ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد نام
عالم فاضل، حافظ، قاری ہر ہر امی نال
ہر غنی فقیر، ہر سب پیشاں نالے کل درویشاں
آدم تھیں لیکر اسلام تائیں جو کوئی روح تمام
طفیل محمد پاک نبی دی کریں قبول دعائیں

آپؒ فرماتے تھے۔ ”جب ختم پڑھتا ہوں تو بہت سی روحیں میرے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔“ ختم کے اختتام پر سرکار اکثر احباب کو رخصت کر دیتے اور خاص خاص

1۔ ایک دفعہ آپ نے احباب سے فرمایا ”کیوں بھئی! رات عشاء کی نماز میں کچھ محسوس ہوا تھا؟“ احباب نے تو کچھ جواب نہ دیا آپ نے خود ہی فرمایا ”رات پہلی رکعت میں سورہ والضحیٰ پڑھی تھی۔ اگر کوئی ”ایسا“ آدمی ہوتا تو وہ چھ ماہ ہوش میں نہ آ سکتا۔

آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر مراقبہ فرماتے۔اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے۔

مسجد سے روانگی پر راستہ میں بہت سے کتے جو شاید آپ کے ہی انتظار میں ہوتے تھے آپ کے ارد گرد اکٹھے ہو کر دم ہلانے لگتے۔ روٹی کے ٹکڑے جو آپ مسجد سے ہی اپنے ساتھ لائے ہوتے ان کے آگے ڈال دیتے۔ اکثر یوں ہوتا کہ کئی ایک کتے اپنے اگلے پاؤں اٹھا کر آپ پر رکھ دیتے۔ آپ مسکرا مسکرا کر بڑے پیار بھرے لہجے میں فرماتے "بھئی! آرام سے کھاؤ تم میں سے ہر ایک کو اپنا حصہ مل جائے گا۔" اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جا کر استراحت فرماتے۔ پچھلی رات اٹھ کر آپ ۱۲ رکعت نماز تہجد ادا کرتے اور تین ہزار بار درود شریف خضری کا ورد فرماتے۔ تہجد کی نماز آپ بڑی مسجد میں ہی کر پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ شریف

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ جمعہ کی تیاری جمعرات کو شروع کرنی چاہیے۔ آپ خود بھی اسی بات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ کپڑے دھلانا، حجامت بنوانا یا ایسے ہی دوسرے لوازمات جمعرات کو شروع کر دیتے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت مہمانوں سے جلدی ہی فارغ ہو جاتے اور کپڑے پہن کر مسجد تشریف لے آتے۔ اگر کوئی عالم یا مولانا صاحب آئے ہوتے تو آپ انہیں جمعہ کے خطبہ کے لیے کہتے ورنہ خود ہی خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

وعظ یا خطبہ منبر پر بیٹھ کر دینے کی بجائے منبر کے پاس ہی کھڑے ہو کر فرمایا کرتے۔ وعظ اور خطبہ کے لیے جب کھڑے ہوتے تو آپ کا چہرہ انور زرد ہو

جاتا۔ جب آپؒ خطبہ دیتے وقت یہ کہتے۔

الحمد لله، الحمد لله، الحمدلله لم یزل ولا یزال حی قیوم عالم قدیر، مدبر سمیع وبصیرؑ اشهدان الاالله الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد وکبره تکبیرا واشهدان سیدنا وحبینا ونبینا محمد اعبده ورسوله الذی ارسل بالحق بشیرا ونذیر صلے الله علیه واله واصحابه وبارک وسلم تسلیما کثیر اکثیرا.

تو آپؒ کا چہرہ بتدریج سرخ ہونا شروع ہو جاتا۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ بڑے پرجلال لہجے میں نکلتے۔ تمام سامعین پر ہیبت وجلال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ خطبہ کے بعد قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرماتے اور وعظ شروع کر دیتے آپؒ کا انداز بیان اور طریق وعظ عجیب طرز کا ہوتا لوگ دور دور سے آتے تھے آپؒ آنیوالے احباب کی دلی کیفیات اور حالات بیان کرتے جاتے اور جس قسم کی اصلاح کی ضرورت ہوتی اس کی بھی نشاندہی فرما دیتے۔ اکثر لوگوں کے مسائل اور سوالات جو انہوں نے پوچھنا ہوتے آپؒ وعظ جمعہ میں ہی حل کر دیتے۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ سمجھ لیتے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سوالوں کا جواب دے دیا ہے۔

نیز ان کا حال اور کیفیت بھی بیان کر دی ہے۔ عجیب رقت کا عالم ہوتا کوئی رو رہا ہے تو کسی پر وجد طاری ہے کسی کی آنکھیں نم آلود ہوتیں تو کوئی سکتے کے عالم میں ہوتا۔ ماحول مختلف کیفیتوں کا حامل ہوتا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ خطبہ اور وعظ میں فارسی اور اردو کے چیدہ چیدہ اشعار اور پنجابی کی نظمیں بڑے پراثر انداز میں پڑھا کرتے۔ آپؒ کو پنجابی کی یہ نظم اکثر پڑھتے سنا گیا۔

دنیا کھیتی آخر سیتی خود حضرت فرماوے
جیہا اس وچہ بیجے کوئی کھیتی تیہا ہی پھل پاوے
اس کھیتی جیہی نہ کوئی کھیتی جیتوں بج سواریں
سونا روپا پیدا ہووے خوشیاں کرکے بھاویں
جے توں اسنوں محنت کرکے بیجیں اج دیہاڑے
بھلکے ہوسن تیرے او تھے بوہل اتے کھلواڑے
جے بیجن ویلے کجھ نہ بیجیں موسم پیا گواویں
اگے فصل جو پکے ویکھیں رو رو پچھتاویں
جو کجھ بیجیں سو کجھ جمیں جیہاں واہ کمائی
توں کیوں اپنی کھیتی اندر کاہی دب جمائی
کدھرے جھونا مکی دسے کتے کماد کپاہاں
تیری کھیتی وچہ نہ دسے بوٹا موٹھاں ماہاں
تینتھیں اگے چنگے بھائی ہل واہ گئے اگیرے
شوق عشق دی ہل پنجالی توں بھی گھن سویرے
وحدت دیاں سیاں لائیں کھیت ایمان سواریں
کفر شرک تے بوٹے سبھے چن چن کے ماریں
بی صدق دا بہتا پائیں چنگی کریں بیائی
جو کجھ بیجیں چنگا بیجیں برا نہ بیجیں بھائی

امر الٰہی دی حدوں ذرا باہر نہ ہو ویں
چلیں حکم شریعت اتے محکم ہو کھلوویں

ربا میری ماروکیتی پکی اوڑک تاہاں
ہن ایہہ سجا سکن کی کسوں حال سناواں

رحمت دا اک بدل بھیجیں مینہ فضل دا پائیں
موئی ہوئی نوں دوجی واری توں ہن فیر جوائیں

فضلا ندا جو ساون آوے کاتک کرم دی آئی
اکو ہلہ رحمت والا بدی نہ چھڈے کائی

رحمت ربدی اتے تکیہ حافظ برخوردارا
برکت کلمہ پاک نبی دی ہوجاسی چھٹکارا

خدا کس کو کہتے تھے کیا جانتے تھے
تیرے منہ سے ذکر خدا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
جسے کہتے ہیں سب کلامِ الٰہی
وہ تیری زباں سے سنا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ترا وصل جنت، ترا ہجر دوزخ
تیری دید. دیدِ خدا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

گاہے آپؒ کی زبان مبارک پر یوں ہوتا۔

دل و جانم فدایت یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
سر من خاک پایت یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
گر نہ بودے ذات پاکت را وجود
کن نہ گفتے خالق ارض و سما

بندہ از بندگی خدا گردد   وگرنہ نا توانند مصطفٰی گردد

ہر ذکر بجز ذکر خدا وسوسہ است
شرم خدا بدار کہ ایں وسوسہ زیاں است

ی مسجد (پرانی مسجد) کے برآمدے کی ڈاٹ میں بھی آپؒ نے یہ شعر لکھے تھے

پاٹا موٹا پہن بھراوا حمد الٰہی کہیے
رکھا سکھا جو رب دیوے کھا کے شاکر رہیے
فاقہ فقر نبیؐ دی حالت بھاوے تابع داراں
لذت ، راحت ، زینت دنیا حصہ اے اشراراں

اے مولا کریم اس عاجز کی ایک عادت بھی درست کر دے تو کیا تیری رحمت
بعید ہے۔ کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں پنجابی کے یہ اشعار آپؒ بڑے
ز اور پردرد لہجے میں پڑھتے۔

توں پاک منزہ پاک منزہ ہر عیبوں نقصانوں
میں حمد شکر تعریف تری نت آکھاں دلوں زبانوں

۔ترے معبود نہ کوئی توہی اک خدایا	اللہ اکبر شان ترا ہر شے تھیں اعلےٰ پایا
۔رے توفیق نہ قوت کراں جو ترک برائی	با جھ ترے توفیق نہ طاقت کراں جو نیکی کائی

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

۔سم خاک سر کوئے محمد	اسیر حلقۂ موئے محمد
۔ماز عشق ہر دم میگزارم	بہ پیش قبلۂ روئے محمد
۔جود عشق بازان است ہردم	بمحرابِ دو ابروئے محمد
۔گر چشمم بھر روئے است مائل	بود روئے دلم سوئے محمد
۔ہانیے در خیال لیلۃ القدر	حسن در بند گیسوئے محمد

دستگیری کیجیو میرے خدا | تا کوئی دم ہوں نہ میں تجھ سے جدا
دم بدم ہوتا رہوں تجھ پر فدا | آرزو تجھ سے یہی ہے اے خدا
ہو زباں پر ذکر دل میں ہو حضور | ماسوا تیرے یہ دل ہو سب سے دور
بے حضور دل نہ لوں میں تیرا نام | جبکہ لوں میں ہوں حضورِ دل تمام
ہر گھڑی ہر لحظہ ہو تیرا حضور | بے جہت بے کیف مجھ کو اے غفور

یہ دعا عاجز کی ہے کیجیو قبول
از برائے آل و اصحاب رسول

وقت معینہ پر آپ جمعہ کی امامت فرماتے اور بعدہٗ نماز ظہر (۱) پوری کی پوری ادا فرماتے۔

۱ نماز جمعہ کے متعلق آپ فرماتے کہ ان مسائل میں پڑنے کی ضرورت نہیں جمعہ کو جمعہ کر کے پڑھو اور ظہر کو ظہر سمجھ کر۔

اولیاء کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی
زندگیاں ھمارے لیے مشعل راہ اور مینار نور
کی حیثیت رکھتی ھیں ان نفوس قدسیہ کی
"زیست" اوّل تا آخر مخلوق خدا کیلئے
سرچشمہ ھدایت ھوتی ھے!

آخری ایام

زہد وریاضت اور مجاہدہ ونفس کشی کرنیوالی ہستیوں کے اجسام اور طبیعتوں پر ضعف ونقاہت کے اثرات جلد ہی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحت اوائل عمر کی ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے شروع سے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ آخری عمر میں آپ خاصے کمزور ونحیف ہو گئے تھے۔

تبخیرِ معدہ کی شکایت آپؒ کو پہلے سے تھی۔ کئی دفعہ ایسے ہوا کہ آپ کو جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد تبخیر معدہ کا دورہ ہوا اور آپؒ دو دن تک بیہوش پڑے رہے۔ بڑے بڑے حکما سے آپؒ کا علاج کروایا گیا لیکن آپؒ کو افاقہ نہ ہوا۔ آپؒ کے ایک بڑے عقید تمند مولوی فضل حق صاحب تحصیلدار تھے۔ انہوں نے بہت دفعہ عرض کیا کہ حضور ایک مرتبہ ہمارے ساتھ میو ہسپتال چلیں۔ چنانچہ آپؒ ان کے ساتھ میو ہسپتال تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بڑا قابل ڈاکٹر تحصیلدار صاحب مذکور کا دوست تھا۔ اس نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا اچھی طرح معائنہ کیا لیکن اسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ڈاکٹر مذکور نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ چند دن تک ولایت سے ایک انگریز ڈاکٹر آ رہا ہے بڑا قابل اور سمجھدار ہے۔ حضرت صاحب قبلہؒ کو اسے ضرور دکھانا چاہیے۔ چنانچہ انگریز ڈاکٹر کی آمد پر مولوی فضل حق دوبارہ حضرت صاحب قبلہ کو ہسپتال لے گئے۔ انگریز ڈاکٹر بڑی دیر تک آپؒ کا معائنہ کرتا رہا۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگا۔ "ان بزرگوں کو کوئی بیماری لاحق نہیں ان کے تو بال بال سے اللہ اللہ کی آواز آ رہی

ہے" سبحان اللہ!

وصال سے کچھ عرصہ پیشتر نقاہت و کمزوری اس حد تک بڑھ گئی کہ پانچوں نمازیں جو آپ" مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے۔ گھر پر پڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ جمعہ کی نماز بھی گھر پر ادا ہونے لگی۔ آپ رنجیدہ ہو کر فرماتے۔ "مجھے کیا ہو گیا ہے کہ دور دور سے احباب جمعہ پڑھنے مسجد آئے ہوئے ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں۔"

مشتاقان دید جو جمعہ کے روز آپ کی زیارت سے مشرف ہو جاتے تھے۔ آپ کو منبر پر موجود نہ پا کر اپنا صبر و قرار کھو بیٹھتے اور زار و قطار رونے لگتے۔ ان پر آپ کی غیر حاضری بہت شاق گزرتی۔

سفر کشمیر

آپکی صحت دن بدن گر رہی تھی اور آپ نحیف و کمزور ہو رہے تھے۔ اطبا اور معالجین کے مشورہ پر آپ" نے فرمایا" چند دن کیلئے کشمیر ہو آئیں۔" آپ کی کمزوری اور علالت کے پیش نظر بعض دوستوں نے سفر کرنے کی مخالفت کی لیکن آپ" نے ارشاد فرمایا۔ "بھئی! کشمیر میں امیر کبیر (1) ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور مدت سے وہاں جانے کی خواہش ہے لہٰذا وہاں چلنا ہے۔" چنانچہ بابا مستری کرم دین سید نور الحسن شاہ صاحب" و دیگر ایک احباب کی معیت میں آپ" کشمیر روانہ ہو گئے۔

سری نگر پہنچ کر آپ" نے ایک ہوسٹل میں اپنے کسی ملنے والے کے ہاں قیام فرمایا اصحاب وہاں رہنے سے گریزاں تھے دیگر باتوں کے علاوہ مچھروں نے بھی بہت تنگ

1۔ قبلہ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو قدوۃ السالکین حجۃ الکاملین حضرت امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص نسبت تھی۔ امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف کردہ "اوراد فتحیہ" نہ صرف خود

کر دیا تھا۔ دوستوں کا خیال تھا کہ کسی اور جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب قبلہ احباب کے عندیہ کو تاڑ گئے اور فرمایا ''اچھا! یہاں اقامت کا خیال نہیں تو خدا بخش ڈرائیور اپنے نام سے گلمرگ ہری صاحب کو اطلاع کر دے۔''

اجازت ملتے ہی خدا بخش ڈرائیور جو ڈرائیوری چھوڑ کر مزنگ لاہور میں دودھ دہی کی دوکان کرتا تھا اور لاہور سے آپؒ کے ہمراہ آیا تھا نے ہری صاحب کو گلمرگ تار دے دیا۔ ہری صاحب جس کا اسلامی نام شیخ محمد حسین تھا۔ نیڈوہوٹل کے مالک کا بیٹا تھا اور چند سال پیشتر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت ہوا تھا۔ گلمرگ جب ہری صاحب کو ٹیلیگرام پہنچا تو وہ بیقرار ہو کر سرینگر چل پڑا۔ سرینگر پہنچ کر دریافت کیا کہ خدا بخش ساکن مزنگ لاہور کون ہے اور کہاں مقیم ہے لیکن کوئی پتا نہ چل سکا۔ آخر اس نے ریاست کی سرحدی چوکی جہاں ریاست میں داخلہ کے وقت پورا نام اور مکمل پتا تحریر کیا جاتا ہے سے رابطہ پیدا کیا اور وہاں سے معلوم کر کے خدا بخش کی تلاش میں ہوسٹل آ پہنچا۔

جس وقت ہری صاحب ہوسٹل پہنچا اس وقت حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ گراؤنڈ میں چادر تانے استراحت فرما رہے تھے۔ ہری صاحب نے وہاں بیٹھے

(بقیہ پچھلے حاشیہ کا) ذوق وشوق سے پڑھا کرتے بلکہ اور لوگوں کو بھی پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے۔ امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر تصنیفات مثلاً 'ذخیرۃ الملوک' وغیرہ کا ترجمہ اپنا نام لکھوائے بغیر چھپوا کر عوام الناس کے استفادہ کے لیے شائع کروائیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے متعلق اکثر تعریفی کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو ان کے مزار پر جانے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ ایک موقعہ پر راقم الحروف کے والد صاحب اور حضرت نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں آپ نے فرمایا ''یار! امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کسی دن چلنا ہے۔''

ہوئے احباب سے پوچھا ''تم میں خدا بخش کون ہے اور مجھے کیوں بلایا ہے۔''

مستری کرم دین (مرحوم) نے اٹھ کر اسے بتایا کہ خدا بخش باہر گیا ہوا ہے شرقپور شریف سے میاں صاحب قبلہ تشریف لائے ہیں۔ ہری صاحب حیران و ششدر رہ گیا اور پوچھنے لگا ''کہاں ہیں آپ؟''

مستری کرم دین نے اشارہ سے بتایا کہ وہ چادر تانے لیٹے ہیں۔ ان کے مابین مندرجہ بالا گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت صاحب قبلہ نے چہرہ سے چادر ہٹاتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔

ہری صاحب کی چیخ نکل گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا ''اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں کشمیر میں میری موجودگی میں آپ ایک ہوسٹل میں ٹھہریں۔ یہ میری بدبختی نہیں تو اور کیا ہے؟''

اس کے بعد ہری صاحب تھوڑی دیر کی اجازت لے کر اپنی کوٹھی پہنچا اور کوٹھی کو صاف کروا کر واپس آیا اور کار میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں لے گیا ہری صاحب کہنے لگا کہ اس طرح مزہ نہیں آئے گا۔ میرے اہل و عیال گلمرگ میں ہیں انکو بھی یہاں لے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ بچوں کو لینے گلمرگ چلا گیا۔

مستری کرم دین صاحب کا کہنا ہے کہ احباب جب بازار میں سودا وغیرہ لینے جاتے تو کوئی دکاندار پیسے نہیں لیتا تھا اور سودا دے دیتا تھا۔ بہت تکرار کی جاتی لیکن وہ نہیں لیتے تھے۔ ایک دکاندار کی زبانی معلوم ہوا کہ ہری صاحب نے سب کو کہہ دیا ہوا تھا کہ ان آدمیوں میں کوئی بھی سودا لینے آئے تو اس کی قیمت اس کے کھاتہ میں لکھ دی جائے اور ان سے کوئی قیمت وصول نہ کی جائے۔ ہری صاحب چونکہ ذی اثر اور مقتدر

آدمی تھا اس لیے کوئی دکاندار باوجود کافی تقاضے کے اس کی کہی ہوئی بات کے خلاف نہ کرتا۔

ہری صاحب کے جانے کے بعد، باوجود اپنی نقاہت اور کمزوری کے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا مذکورہ مزار پر جانے کے لیے کشتی کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ جب کشتی پر سوار ہوتے اور کشتی چلتی تو آپ کو "قے" شروع ہو جاتی اور اس شدت کا دورہ پڑتا کہ سوائے واپس لوٹنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ آپ دو تین دفعہ وہاں جانے کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوئے لیکن ہر دفعہ ہی شدت کی "قے" آتی اور اس قے نے آپؒ کے اس ارادہ کی تکمیل نہ ہونے دی اور آپؒ حضرت امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر نہ پہنچ سکے۔

آپکو پہلے ہی تبخیر معدہ کی بیماری لاحق تھی اس پر شدت سے "الٹیاں" آئیں۔ لہٰذا نقاہت اور کمزوری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رات کو احباب میں کافی گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ تمام دوست سوچ میں پڑ گئے کہ گھر سے اتنی دور اور آپؒ کی یہ حالت؟ کیا ہو گا اور کیا بنے گا؟۔ پچھلی رات سحری کے وقت آپؒ نے احباب کو فرمایا "گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یقین جانو میں یہاں نہیں مروں گا۔"

لیکن ساتھیوں کی بے چین طبیعتیں سکون سے یکسر خالی تھیں۔ ان کی گھبراہٹ میں کوئی کمی نہ ہوئی علی الصبح حالات دیکھتے ہوئے حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔

"اگر تمہاری طبیعتیں سکون نہیں پکڑتیں تو ہری صاحب کو تار دے دو کہ ہم جا رہے ہیں۔" چنانچہ اسے تار دے دیا گیا۔ تار ملتے ہی وہ روتا ہوا آ پہنچا۔ ہری

صاحب نے بہت کہا کہ میں راجہ کا حکیم بلاتا ہوں یا لاہور سے کوئی قابل ڈاکٹر لا کر آپؒ کا علاج کرواتا ہوں۔" لیکن آپؒ نے فرمایا۔

"دوستوں کی طبیعت گھبرا گئی ہے ہمیں جانا ہی چاہیے۔" ہری صاحب نے بہت کوشش کی لیکن آپؒ نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا چنانچہ ہری صاحب اپنی کار پر حضرت صاحب قبلہ اور آپؒ کے ساتھیوں کو لاہور لے آیا۔ آپ اپنے خالہ زاد بھائی سر محمد شفیع کی کوٹھی واقع مزنگ میں چند روز کے لیے فروکش ہوئے اور وہاں سے آپؒ کو شرقپور شریف لایا گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی چارپائی جب آپؒ کے محلہ میں پہنچی تو آپؒ نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ "میں کہاں ہوں؟" جواب دیا گیا کہ آپؒ شرقپور شریف میں ہیں لیکن آپؒ نے فرمایا "میں تو مکان شریف میں ہوں۔"

آپؒ کو جب بیٹھک میں پہنچایا گیا اس وقت آپؒ پر بے ہوشی طاری تھی بے ہوشی کی کیفیت اتنی شدید تھی کہ عوام الناس نے سمجھا کہ آپؒ وصال کا قریب آ پہنچا ہے۔ آپکے متوسلین اور متعلقین میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ لوگ زار و قطار رونے لگے۔ مریدین اور چاہنے والوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ تمام احباب غم سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔

تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا "ہاں! میں خدا کے ہاں گیا تھا حکم ہوا ہے کہ ابھی دو چار کام باقی ہیں انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔"

اس کے بعد آپؒ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ ان دنوں آپؒ نے پنجابی زبان

کی بجائے۔اردو میں گفتگو کرنا شروع کر دی تھی۔حالانکہ اس سے پہلے آپؒ کو کبھی اردو بولتے نہیں دیکھا گیا تھا۔

ایک دن آپؒ نے فرمایا۔''کوئی آدمی جائے اور میاں نظام دین ریوڑی سے پانچ صد روپیہ لے آئے۔'' جب وہاں سے روپیہ آگیا تو آپؒ نے حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیربل شریف والوں کو بلا کر دے دیا کہ اپنا قرض ادا کر دیں ایسے ہی ایک دو روز بعد مزید پانچ صد روپیہ منگوا کر میاں ابراہیم صاحب قصوری کو بلا کر دے دیا کہ وہ بھی اپنی قرض لی ہوئی رقم لوٹا کر سرخرو ہو جائیں۔

نقاب پوش

ایک دن آپؒ کی زیارت کے لیے ایک ایسا آدمی آیا جس نے سر اور منہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔وہ آپؒ کی بیٹھک میں آکر بیٹھ گیا حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اوپر بیٹھک والے چوبارے میں صاحب فراش تھے۔آپ نے فرمایا''جو اجنبی نیچے بیٹھا ہوا ہے اسے اوپر بھیج دیا جائے۔''

چنانچہ جب وہ اوپر پہنچا تو آپؒ نے پاس بیٹھے ہوئے سب احباب کو اٹھ جانے کو کہا اور خود چارپائی پر یوں اُٹھ کر گئے جیسے بیمار ہوئے ہی نہیں۔آپ بالکل تندرست نظر آرہے تھے۔اندر سے دروازہ بند کر کے دونوں صاحبان آمنے سامنے خاموش بیٹھ گئے۔

تقریباً نصف گھنٹہ گزرا ہو گا کہ دروازہ کھلا اور وہ نقاب پوش اجنبی باہر نکل کر اپنے راستے پر ہو لیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چارپائی پر پھر دراز ہو گئے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چادر جسے اس اجنبی نے اوڑھا ہوا تھا نم آلود تھی لوگ یہ خیال کرنے

میں حق بجانب تھے کہ مذکورہ شخص ضرور کوئی بزرگ ہستی ہے جسے حضرت صاحب قبلہ نے تخلیہ میں یوں نوازا ہے اور وہ سرشار ہو کر جا رہا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ سب سے گریزاں بغیر کچھ بتائے اپنی دھن میں مست جلدی جلدی قدم اٹھاتا شہر سے باہر نکل گیا۔ آپ کے متوسلین میں سے ایک شخص اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا اور بالآخر اس نے "رجی والے کنویں" کے نزدیک اس کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا "اے اجنبی! جب تک یہ نہ بتاؤ گے کہ تم کون ہو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

مجبور ہو کر اجنبی نے جواب دیا "راہرو جادۂ سلوک ہوں ایک کٹھن منزل آپڑی تھی مشکل کشائی کے لیے سرکار مدینہ علیہ التحیۃ والثناء کے حضور مدینہ طیبہ حاضری دی تو وہاں سے حکم ملا "شرقپور جاؤ۔" مجھے شرقپور کا پتا نہیں تھا۔ حیران و پریشان، شش و پنج میں پڑ گیا دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر ارشاد فرمایا "شرقپور اسٹیشن لاہور۔ ہندوستان۔" چنانچہ میں لاہور آ گیا۔ لاہور سے آگے روانہ ہوا تو جب قدم شرقپور شریف کے راستہ پر اٹھتے تھے تو اٹھتے چلے جاتے تھے لیکن اگر کسی دوسری طرف منہ ہو جاتا تھا تو قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ اس طرح مجھے شرقپور پہنچنے میں آسانی ہو گئی یہاں حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حضور آ کر میری مشکل حل ہو گئی ہے۔

مذکورہ بالا باتیں وہ اجنبی کیے جا رہا تھا اور پوچھنے والا گوش برآواز محویت میں کھویا ہوا تھا۔ ایسے میں چلتے ہوئے وہ اجنبی ذرا تیز قدموں سے چلا اور فضا میں اٹھنے لگا اور دیکھتے دیکھتے فضا میں چلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اوپر بیان کردہ واقعہ کے دوسرے دن آپؒ نے غلام محمد حجام کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ منڈی وار برٹن کے قریبی گاؤں "کنجری دے چک" جاؤ اور مہر بخش مونگا گو

کو وہاں سے بلا لاؤ۔

حسب الارشاد غلام محمد حجام وہاں گئے اور بابا مہر بخش کو ساتھ لے آئے۔ بابا مہر بخش کو حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا ”فضل الٰہی کا بازو تھام لو اور اسے ساتھ لیجا کر اپنی پوتری کا نکاح بابا حاجی نوردین کے لڑکے حاجی محمد حسین سے کردو۔“

بابا مہر بخش نے کہا میرے لڑکے موجود نہیں ہیں۔

آپؒ نے فرمایا۔ ”کسی کی ضرورت نہیں۔ میں جو ہوں۔“

چنانچہ بابا مہر بخش گھر پہنچا اور سب عورتوں کو کہہ دیا کہ حضرت صاحب قبلہؒ نے حکم دیا ہے لہٰذا یہ نکاح کیے دے رہا ہوں۔ حضرت صاحب قبلہ کے عم زاد میاں غلام کبریا صاحب (مرحوم و مغفور) نے خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب و قبول کروا دیا۔

یہ نکاح آپؒ نے ایسے کیوں کروایا؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ بچپن سے کیا ہوا یہ رشتہ بعض خاندانی رنجشوں کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا اور اس رشتہ کے ساقط ہونے سے ایک باعزت گھرانے میں فتنہ و فساد اور شر پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ جسے آپؒ نے اپنی فراست اور جرأت و اثر سے مٹا دیا۔

یہی وہ واقعات اور کام ہیں جن کے متعلق اسی باب میں تحریر کیا گیا ہے کہ آپؒ نے فرمایا تھا ”ابھی دو چار کام پایہ تکمیل تک پہنچانے باقی ہیں۔“

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

وصال

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی کمزوری اور نقاہت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ غشی کے دورے کثرت سے پڑنا شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر محمد یوسف، حکیم سید علی احمد نیرؔ واسطی اور حکیم سید ظفریاب حسین جیسے قابل ترین ڈاکٹر اور اطبا آپؒ کے معالج تھے۔ انہوں نے نہایت جانفشانی، محنت، اور محبت خلوص سے آپؒ کا علاج کیا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپؒ نے اپنا مشن اور مقصد فراموش نہ کیا۔ فریضۂ تبلیغ برابر ادا کرتے رہے۔ ملنے والوں کو نماز اور درود شریف پڑھنے کی تاکید کرتے اور خود اس بیہوشی کے عالم میں بھی اشاروں سے نماز ادا کر لیتے تھوڑا سا افاقہ ہو جاتا تو تلاوت قرآن پاک کرتے اور درود شریف کا ورد کرتے۔ اکثر اپنے عزیز برادر حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پکارتے اور فرماتے "غلام اللہ (صاحب) کہاں ہے بلاؤ اسے کہ میرے پاس بیٹھے۔"

انہیں دنوں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے برادر خورد حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بابا عبد اللہ فیروز پوری کے سامنے وصیت فرمائی۔ "گھبرانا نہیں مہمانوں کی خدمت کرنا۔ جمعہ کی نماز خود پڑھانا۔ باقی نمازیں اور مسجد کا اہتمام میاں محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور حاجی عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دینا۔ جمعہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً مسجد میں جا کر اور بھی نمازیں پڑھانا۔" حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عوام الناس کی رشد و ہدایت کے لیے تلقین و ارشاد کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ وفات شریف (1) سے کچھ دن پیشتر آپ" زنانخانے بھی گئے اور فرمایا"اب میں ڈوہراں والے جانا چاہتا ہوں"

رحلت

3 ربیع الاول 1347ھ 20 اگست 1928ء دوشنبہ کا دن شرقپور شریف کی تاریخ میں اداس ترین دن تھا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ سرکار" کے لبوں پر اس وقت بھی سورۃ اخلاص کا ورد تھا۔ آپ کو ہچکیاں آنے لگیں اور سینہ میں گڑگڑاہٹ شروع ہو گئی۔ آخر رات کے تقریباً بارہ بجے جب لگا تار شدت کی گرمی اور حدت کے بعد میٹھی میٹھی ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح اقدس قفس عنصری سے پرواز کر کے عالم قدس میں جا پہنچی اور سپہر ولایت کا یہ درخشندہ آفتاب 65 برس اپنی ضیاء پاشیوں سے خلق اللہ کے تاریک دلوں کو منور فرمانے کے بعد روپوش ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر پاتے ہی متوسلین و مریدین میں کہرام مچ گیا۔ اس شمع ہدایت کے پروانے زار و قطار رو رہے تھے۔ آپکی جدائی

1۔ آپ کو اس حالت میں پا کر آپ کے شیدائیوں کا برا حال تھا۔ عشاق تڑپ تڑپ کر بیکل ہوئے جا رہے تھے۔ خاص کر سید نورالحسن شاہ صاحب کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان کو کیلیانوالے بھیجا جاتا تھا لیکن وہ راستہ سے ہی واپس آجاتے۔ حضرت صاحب قبلہ" نے شاہ صاحب کو فرمایا کیلیانوالے ضرور ہو آؤ واپسی پر لاہور آ کر مل لوگے۔"

میں احباب کا برا حال تھا لوگ دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔

ایسا مردِ خدا جو یتیموں کا خبر گیر، بیواؤں کا سہارا، ضعیفوں اور ناتوانوں کا پرسان حال، شفقت و محبت فرما کر ٹوٹے دلوں کا جوڑ دینے والا، مخلوق خدا کا مونس و غمخوار، طریقت کا مہتاب، حقیقت کا آفتاب، چشمۂ ہدایت، عارف اکمل، عالم باعمل، نیکی کی طرف بلانے والا اور برائی سے روکنے والا ہو، کا دنیا سے اٹھ جانا نہ صرف اہالیان شرقپور شریف کے لیے صدمہ جانکاہ تھا بلکہ تمام اسلامیان برصغیر ایک چشمۂ فیض سے محروم ہو گئے تھے۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ اطراف و اکناف سے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جنازہ میں شمولیت کے لیے آنا شروع ہو گئے تھے۔ مسلمان تو در کنار ہندو، سکھ و دیگر غیر مسلم خاصی تعداد میں آپ کا آخری دیدار کرنے کے لیے جمع تھے۔ باوجود اس کے کہ ان دنوں آمد و رفت کے ذرائع آج جیسے تیز رفتار اور ترقی یافتہ نہ تھے پھر بھی دور دراز سے لوگ ہجوم در ہجوم آ رہے تھے۔ جدھر نگاہ اٹھتی تھی خلقت ہی خلقت نظر آتی تھی۔

رات کے پچھلے پہر ہی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی میت کو نہلا کر کفن پہنا دیا گیا تھا۔ بروز منگل آپ کا جنازہ مبارک اٹھایا گیا۔ چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دینے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اللہ اللہ عاشق رسول کا جنازہ کس شان سے رواں تھا۔ اژدھام اتنا تھا کہ محلوں اور بازاروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہجوم کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ معلوم نہیں اتنی خلقت کہاں سے آ گئی تھی جنازہ جدھر سے گزرتا تھا، لوگ دوڑ دوڑ کر لپکتے اور جو کندھا

نہ دے سکتے بانسوں کو ہی تبرکاً ہاتھ لگاتے چلے جاتے۔ دکانوں کی چھتیں عورتوں اور بچوں سے بھری پڑی تھیں جنازہ جدھر سے گزرتا سب لوگ ذکر کرتے اور درود شریف کا ورد کرتے۔ جب جنازہ ملکانے دروازے سے باہر نکلا تو حکیم سید علی احمد نیر واسطی جو جنازہ میں شمولیت کے لیے لاہور سے آئے ہوئے تھے، بے پناہ عقیدت مندوں کی کی والہانہ شیفتگی وارفتگی، ذوق وشوق اور جنازے کی شان و تمکنت دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔ ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بے اختیار مندرجہ ذیل اشعار فی البدیہہ کہہ ڈالے۔

سوزِ دل

شان وشوکت سے یہ کس دولہا کی آتی ہے برات
تھرتھراتے ہیں فرشتے کانپتی ہے کائنات
ہر زبردست اس کی سطوت کے مقابل زیر ہے
یہ کوئی شاید محمد ﷺ کا بہادر شیر ہے
آج اٹھی ہے یہ کس عاشق کی میت دھوم سے
وصل ہے کس کا خدائے قادر و قیوم سے
کس جنید وقت کی میت چلی آتی ہے یہ
قدسیوں کو عصمت وعفت میں شرماتی ہے یہ
لوگ کہتے ہیں ہوا شیر محمد کا وصال
اٹھ گئے گویا ابوذرؓ، ہو گئے رخصت بلالؓ
اب یہ شکلیں پھر نہ دکھلائیگی دنیا! دیکھ لو
مصطفٰے کے عاشقوں کی شکل زیبا دیکھ لو
ملت مرحوم کے ماتم میں اب روئے گا کون
دامنوں سے داغہائے معصیت دھوئیگا کون
اے زمین شرقپور شیر الٰہی کی کچھار
دفن ہوتا ہے تری مٹی میں شیر کردگار
ہے دعا نیز کی برسے تجھ پہ بدلی نور کی
ہو ہمیشہ تجھ پہ نورافشاں تجلی طور کی

بارش برسے کئی ماہ ہو گئے تھے۔ گرمی اور تپش سے ہر ذی روح تڑپ رہا تھا۔ ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ جنازہ جب قبرستان کے قریب پہنچا تو رحمت خدا جوش میں آ گئی۔ گھٹائیں جھوم کر اٹھیں۔ بادل گھر گھر کر آئے اور وہ مینہ برسا کہ جل تھل ہو گیا۔ موسلا دھار بارش اور موسم خوشگوار یوم وصال پر نزول رحمت کا مظہر تھے۔

سہ پہر ۴ بجے کے قریب حضرت میر مظہر قیوم (۱) صاحب سجادہ نشین مکان شریف نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہزاروں لوگ نماز میں شریک ہوئے۔ بعد نماز جنازہ عوام کو حضور میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زیارت سے مشرف ہونے کا موقع دیا گیا۔

ہجوم در ہجوم لوگوں نے اشکبار آنکھوں سے سرکار کا آخری دیدار کیا۔ شام کے قریب ڈوہراں والا قبرستان میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق آپکی بتائی ہوئی جگہ پر آپ کو لکڑی کے صندوق میں داخل کر کے قبر شریف میں اتار دیا گیا۔

---

۱ وصال شریف کے بعد حضرت صاحب قبلہ پر جو جائے نماز پڑی تھی وہ مع پھولوں کے جو عقیدتمندوں نے نچھاور کیے تھے۔ میر مظہر قیوم صاحب اپنے ساتھ مکان شریف لے گئے۔ مظہر قیوم صاحب فرمایا کرتے تھے۔ "جب بھی ہمیں کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے ہم وہ جائے نماز مع سوکھے ہوئے پھول سامنے رکھ کر رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پیش آمدہ مشکل حل فرما دیتے ہیں۔"

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(حافظ شیرازیؒ)

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر

خاک قبرش از من و تو زندہ تر

(اقبالؒ)

قبر جنہاں دی جیوے ہو

دلاجوئے دریں عالم کہ اسرار فنا بینی مزار کشتگان عشق رواین مدعا بینی
اگر خواہی معین مظہر ذات خدا بینی بیابرتر بت عاشق گزر کن تاصفا بینی

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (القران) پارہ 21. رکوع 2

یہ دنیا کی زندگی، کھیل کود کی زندگی ہے اور آخرت کی زندگی دراصل وہی زندگی ہے۔ کاش لوگ اس حقیقت کو جان لیتے۔

اولیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور انکے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اپنی قبور میں ہوتے ہوئے بھی امور عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔

تفسیر نبوی صفحہ ۹۳۲ جلد ۱۰ تفسیر مظہری جامع الفتاوی صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ میں درج ہے۔

ان اللہ تعالی یعطی لا رواحھم قوۃ الا جساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاء ون وینصرون اولیاء ھم ویدمرون اعداء ھم انشاء اللہ تعالی ومن اجل ذالک الحیات لا تا کل الارض اجسادھم ولا اکفانھم۔

(اللہ تعالیٰ اولیاء کی روحوں کو جسمانی طاقت عطا فرما دیتا ہے تو وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاتی ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی)۔

نیز حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ نمبرا میں تحریر فرماتے ہیں۔ کل من یستمد فی حیاتہ یستمد بعد وفاتہ (جس سے اس کی حیات میں مدد لی جا سکتی ہے اس کی وفات کے بعد بھی اس سے مدد لی جا سکتی ہے)۔

جامع الفتاویٰ صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ پر ہی ایک عارف باللہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔

قال احد من المشائخ العظام رایت اربعۃ من المشائخ یتصرفون فی قبورھم منھم المعروف الکرخی والشیخ العبد القادر جیلانی وذکر رجلین غیرھما. (مشائخ عظام میں سے ایک نے کہا کہ میں نے مشائخ میں سے چار ایسے مشائخ دیکھے ہیں جو اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں جن میں سے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دو ان کے علاوہ ہیں)۔

مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق ایک حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے جسے فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۵۲۔ زین الحکم شرح عین العلم صفحہ ۵۳ مرقات شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۶ جلد ۴ اور جامع الفتاویٰ صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ پر نقل کیا گیا ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تحیر تم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور. (فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم

اپنے امور میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو)۔

مقبولان بارگاہ صمدیت کے مزارات پاک منبع فیوضات اور مصدر برکات ہیں۔ یہ علم و عرفان کی ایسی روشن قندیلیں ہیں کہ جن سے ہر وقت انوار و تجلیات کی شعائیں پھوٹ کر ہر سمت اندھیروں میں اجالا کیے جا رہی ہیں۔ تشنگان بادۂ عرفان دل بیتاب اور روح مضطر کے لیے انہیں میکدوں سے سکون و طمانیت کی دولت بے بہا کے حصول کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ انوار و تجلیات کے یہ مراکز جہاں نہ صرف جویان حق مراقب ہو کر طریقت و حکمت اور روحانیت کے نایاب اور گرانمایہ موتی رولتے ہیں بلکہ دنیا کے ستم رسیدہ اور غم زدہ عوام الناس بھی اہل اللہ کے بابرکت مزارات کو گوشۂ عافیت سمجھ کر حاضر ہوتے ہیں محبان اولیاء بزرگوں کے آستانوں پر عقیدت و ارادت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے وسیلہ سے رب ذوالجلال اور خالق کائنات سے اپنے دکھوں اور غموں کا مداوا چاہتے ہیں۔

عارفان حق اولیاء عظام اور مردان خدا کے مزارات پر اکتساب فیض کے لیے اکثر صوفیاء نے چلہ کشی کی۔ حجۃ الکاملین سند الموحدین حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر ولی الہند خواجہ خواجگان حضرت معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس دن قیام فرمایا اور مشہور زمانہ شعر ارشاد فرمایا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ودیگر صوفیاء واتقیاء نے بھی مزار داتا پر نور عرفاں اور جلوہ ہائے پنہاں کو اپنے سینوں میں سمونے کے لیے دنوں اور مہینوں تک قیام فرمایا اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

برگزیدہ ہستیوں اور اولیاء کاملین جن کے مزارات مرجع خلائق ہیں کے پاک گروہ میں ہمارے اعلےٰ حضرت عاشقِ ربانی شیر یزدانی سرکار حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے آپؒ کے مزار اقدس پر ہر وقت عقیدتمندوں کا ہجوم ہوتا ہے ذکر وفکر میں مراقب حضرات کی محویت ایک عجیب روح پرور منظر پیش کرتی ہے۔ ان مقدس مقامات پر تلاوت قرآن پاک کی شیرینی دعاؤں میں خشوع وخضوع اور رقت قلبی۔ نیز ذکر وفکر میں یکسوئی اور جذب ووجد کی کیفیات اور عالموں، درویشوں، دین داروں نیکوکاروں اور ہر کہ ومہ بلکہ غیر مذاہب والوں کا حصول فیض وبرکت کے لیے حاضر ہونا صاحب مزار کی اخروی وروحانی زندگی اور حیات جاوید کا بین ثبوت ہیں۔

ملک حسن علی (بی۔اے) علیگ شرقپوری (مرحوم) نے اپنی کتاب "ذکر محبوب" "میں جو اعلےٰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے تھوڑے عرصے بعد مرتب کی گئی تھی۔ اہالیان شرقپور شریف کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔" اے شرقپور کے لوگو! ذرا گوش ہوش سے سنو۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ مرگئے ہیں وہ پہلے بھی زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں بلکہ آپؒ کی موجودہ زندگی سابقہ زندگی سے بھی اعلےٰ وارفع ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

راقم الحروف کے والد حاجی فضل الٰہی مونگا رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔

''پھلاں والی گلی لاہور میں ایک ترکھان رہتا تھا اس کے لڑکے کو ٹی۔ بی (دق کا مرض) تھی بہت علاج کروائے اچھے اچھے قابل ڈاکٹروں اور مستند لائق اور تجربہ کار حکماء سے مشورے کیے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ مذکورہ ترکھان اکثر داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دیتا تھا ایک رات ترکھان کو ایک شاہ صاحب دکھائے گئے اور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہوا کہ ان کے ''دم'' اور دعا سے تمہارے لڑکے کو بیماری سے نجات ملے گی اور شاہ صاحب کو مذکورہ ترکھان دکھایا گیا۔ شاہ صاحب فتح پور سیکری ہندوستان کی ایک مسجد میں رہتے تھے وہ لاہور چلے آئے اور داتا صاحبؒ کی مسجد میں قیام فرمایا۔ یہیں ترکھان اور شاہ صاحب نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ شاہ صاحب کی دعاؤں سے اس کے لڑکے کو صحت و تندرستی نصیب ہوئی۔ پھر شاہ صاحب مسجد وزیر خاں چلے آئے اور فدوی کے والد صاحب قبلہ سے ملاقات ہوئی۔ شاہ صاحب کچھ دن محلہ خراسیاں میں لعل محمد نقشہ نویس لاہور میونسپل کمیٹی کے ہاں قیام پذیر رہے اور اس کے کچھ دن بعد شرقپور شریف آ گئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف والی مسجد میں فروکش ہو گئے۔ شاہ صاحب مزار شریف پر نہیں جاتے تھے بلکہ مسجد میں روضہ شریف کی طرف منہ کر کے مراقبہ میں بیٹھے رہتے۔ چالیس دن شاہ صاحب یہاں رہے اور فرمایا ''میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلند مقامات اور روحانیت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' نیز فرمایا ''حصول فیض کے لیے یہاں آیا تھا اور الحمد للہ کامیاب و کامران ہوا ہوں۔'' آج تک یہ چشمۂ فیض تشنگان بادۂ شوق کے لیے رواں دواں ہے محروم و غم زدہ لوگ آتے ہیں اور اپنے

دامانِ مراد میں گوہرِ مقصود بھر کر شاداں و فرحاں لوٹتے ہیں۔

سرکار میاںصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد از وصال سینکڑوں واقعات وکرامات میں سے چند ایک احاطہ تحریر میں لا رہا ہوں کہ یارانِ طریقت اور عقیدتمندوں کے روح وقلب کے لیے وجہ تسکین ہوں۔

لاہور سے قصور جائیں تو راستہ میں ایک قصبہ "للیانی" ہے۔اس کے نواحی گاؤں میں میاں چراغ دین سکونت رکھتے تھے جو اعلٰے حضرت سرکار میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے حضور میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد وہ شرقپور شریف آتے تو سیدھے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جاتے اور حاضری کے بعد واپس اپنے گاؤں چلے جاتے میاں چراغ دین حضور میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر اور سجادہ نشین حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نہ ملتے تھے۔

ایک رات میاں چراغ دین نے خواب میں اعلٰے حضرت قبلہ میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔"چراغ دین تم شرقپور آتے ہو اور میرے بھائی میاں غلام اللہ صاحب سے نہیں ملتے۔آج میرے بھائی للیانی آئے ہوئے ہیں جاؤ ان کی خدمت میں حاضری دو اور یہ لو دو روپے میری طرف سے انہیں دیدینا بلکہ اپنی طرف سے بھی کچھ انہیں نذر گزارنا۔" چنانچہ میاں چراغ دین علی الصبح للیانی پہنچے تو معلوم ہوا شرقپور شریف سے حضرت قبلہ ثانی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں اور فلاں گھر مقیم ہیں۔

میاں چراغ دین نے وہاں جا کر آپؒ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور اپنا

خواب سنا کر حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق جناب ثانی صاحب قبلہ کی خدمت میں نذر گزاری اور اپنے سابقہ رویہ پر معذرت کی میاں چراغ دین جب تک زندہ رہے شرقپور شریف مزار اقدس پر حاضری کے بعد قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر واپس آئے۔

اشاعت دین کے لیے مناسب مرکز کی رہنمائی

جیسا کہ کتاب زیر نظر کے شروع میں تحریر کر چکا ہوں کہ میرے والد قبلہ حاجی فضل الٰہی مونگا رحمۃ اللہ علیہ اور محدث پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آپس میں گہرے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر وبیشتر اہم امور میں قبلہ والد صاحبؒ سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے کو صائب سمجھتے ہوئے بہت اہمیت دیتے تھے۔

قیام پاکستان سے بہت پہلے والد صاحب قبلہ اور مولانا صاحب محترم میں اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی۔ جب حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے تو آپؒ کے تبحر علمی اور اعلےٰ صلاحیتوں کے پیش نظر اکثر مقتدر اور مشہور مشائخ کرام نے اپنے آستانوں سے منسلک علمی مراکز کے لیے اور ملک کے کئی ایک مسلمہ دینی مدارس کے منتظمین نے درس و تدریس کے لیے مولانا کی خدمات حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ شرقپور شریف میں جامعہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی حضرت مولانا صاحب سے رجوع کیا گیا مختلف زیر غور تجاویز کے لیے مشاورت کے دوران حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر راقم

الحروف کے والد حاجی فضل الٰہی صاحب سے فرمایا کہ وہ دربار حضرت میاںصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ پر اس بارے میں عرض کریں۔ چنانچہ والد صاحب تین دن یہی مدعا لے کر سرکار میاںصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے رہے۔ آخر وہاں سے اشارہ ہوا کہ اس وقت لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی سرزمین بڑی پیاسی ہے اور وہاں مسلک اہل سنت کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لائل پور میں قیام کا فیصلہ فرما کر وہاں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا اور وہیں سے ملک کے کونے کونے میں علم کی روشنی پھیلائی۔ زمانے بھر کو معلوم ہے کہ حضرت محدث پاکستان نے کس جاں سوزی و محنت شاقہ سے مسلک اہل سنت کے مطابق عقائد رکھنے والے عوام کی رہبری کے لیے اہل دانش و بینش اور جید علماء علوم و فنون سے مزین کر کے جماعت در جماعت ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیے[1]۔ یوں حضرت قبلہ میاںصاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی رہبری سے امت مسلمہ کو کتنے فیضان و برکات میسر آئے۔

محبت اہل مدینہ

قیام پاکستان کے تھوڑے عرصہ بعد مدینہ منورہ کی جانی پہچانی شخصیت محترم المقام جناب حیدر الحید ری اپنے بھائی کی آنکھوں کے علاج کے لیے پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے ہر جگہ پاکستانی مسلمانوں کو دیدہ و دل فرش راہ کیے اپنا منتظر پایا۔ دیار مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والوں کا استقبال دیدنی تھا۔

---

1 اسی دوران مفتی اعظم زیب آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف نے بھی لائل پور میں قیام کا اشارہ فرمایا۔

حضرت قبلہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر وہ شرقپور شریف بھی تشریف لائے۔ جناب حیدرالحیدری مزار شریف حضرت میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فاتحہ خوانی کے لیے گئے۔ جب فاتحہ خوانی کے بعد وہ اٹھنے لگے تو ابھی پورا اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ پھر نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ اٹھے اور پوری طرح سیدھا بھی نہ ہو پائے تھے کہ پھر بیٹھ گئے تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حیدرالحیدری اٹھ کر پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں کا ہجوم تھا جو یہ منظر حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ جب میں اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا تھا تو میرے گھٹنوں پر دو ہاتھ دباتے معلوم ہوتے کہ بیٹھ جاؤ پھر میں بیٹھ جاتا۔ تینوں دفعہ ایسے ہی ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ عاشق رسول تھے۔ مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے میری نسبت کی وجہ سے دیر تک اپنے پاس بٹھانے کے خواہش مند ہیں۔ سبحان اللہ! (مابعد وصال بھی حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت اور وابستگی کی بے نظیر مثال)۔

تصرف در امور بعد از وصال

ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب تمام بین الاقوامی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے رات کے اندھیروں میں بزدلوں کی طرح بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو پاکستانی قوم کی غیرت وحمیت جاگ اٹھی اور ساری قوم سیسہ پلائی دیوار کی طرح دشمن کے مقابل ڈٹ گئی۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے مسلمان اسے حرم کا درجہ دیتے ہیں۔ جہاں مسلمان ناموس اسلام پر کٹ مرنا اور قربان ہو جانا سعادت اور شہادت عظمےٰ سمجھتے ہیں وہاں تائید ایزدی اور غیبی امداد پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ دوران جنگ ایسے

ایسے محیر العقول واقعات ظہور پذیر ہوئے کہ دوست دشمن انگشت بدنداں رہ گئے۔

جیسا کہ اس باب کے آغاز میں تحریر کیا ہے کہ حدیث مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور فقہاء و صلحاء امت کے اقوال کے مطابق اولیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح جہاں چاہیں جا کر اپنے دوستوں کی امداد اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران بھی ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ کہ اولیاء کبار نے مسلمانوں کی مدد کی۔ ایک ایسا واقعہ شرقپور شریف میں بھی ہوا۔ وہ اس طرح کہ ملک حسن علی (بی۔ اے) علیگ مصنف 'حیات جاوید' اور 'ذکر محبوب' میں خود بیان کیا کہ ان کی والدہ جو بہت ضعیف تھیں۔ کافی عرصہ سے علیل تھیں۔ وہ دن رات اپنی والدہ کے پاس ہی رہتے ان کا کہنا ہے کہ وہ رات کو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اونگھ رہے تھے کہ دیکھا جناب حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں اور آپ پوچھ رہے ہیں کہ حسن علی! تمہاری والدہ کی طبیعت اب کیسی ہے خیرو عافیت دریافت کرنے کے بعد آپ واپس جانے لگے تو (ملک حسن علی بتاتے ہیں) میں نے کہا۔ حضرت تھوڑی دیر تشریف رکھیے۔ آپ نے جواب دیا۔ "مجھے بہت جلدی ہے میں نے چونڈہ ضلع سیالکوٹ پہنچنا ہے جہاں پاکستان اور بھارت کے درمیان تاریخ کی بہت بڑی اور خوفناک ٹینکوں کی جنگ ہو رہی ہے" (ملک صاحب کا کہنا ہے) میں نے عرض کی حضور! یہاں نزدیک لاہور کے بارڈر واہگہ پر بھی جنگ ہو رہی ہے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "لاہور کے محاذ کو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خود کمان کر رہے ہیں اور میری ڈیوٹی چونڈہ میں لگی ہے۔"

"سبحان اللہ! اتنی بڑی خوفناک جنگ کو کوئی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا بہادر شیر ہی

کنٹرول کرنیکا اہل ہو سکتا ہے۔" یہ بات ملک حسن علی صاحب نے شرقپور ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں بیٹھے ہوئے کونسلرز کے سامنے بیان کی۔ ان کونسلروں میں شرقپور شریف کی مخلص ترین اور معزز شخصیت میاں محمد صدیق مونگا (مرحوم) بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ہمارے علاقے میں بہت مشہور اور زبان زد عوام ہوا۔

استغفر اللہ الذی لا الہ الاھو الحی القیوم واتوب علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شجرۂ طیبہ

سیدنا روحی فداہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تا مخزن انوار سبحانی معدن اسرار یزدانی اعلیٰ حضرت شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ وحضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب قدس سرہ العزیز نور اللہ مرقدہٗ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

ھزار بار بشویم دھن زمشک و گلاب
ھنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

............☆............

بخش دے یارب تجھے اپنی سخا کا واسطہ
رحم فرما شافعِ روزِ جزا کا واسطہ
صدق دے یارب مجھے صدیق اکبرؓ کے لیے
فقر دے سلمانؓ محبوب پیمبر ﷺ کے لیے
حضرت قاسمؒ کا صدقہ میری بگڑی کو بنا
حضرت جعفرؒ کا صدقہ دے مرے دل کو ضیاء
رکھ مجھے باعافیت بہر جناب بایزیدؒ

بوالحسنؒ کا واسطہ دے مجھ کو نصرت کی نوید

بو علیؒ کا واسطہ کر دے مری مشکل کو حل

دے مجھے علم طریقت اور توفیقِ عمل

بہر یوسفؒ قید غم سے دہر میں آزاد کر

عبد الخالقؒ کے لیے عقبیٰ میں مجھ کو شاد کر

حضرت عارفؒ کے صدقے میں مجھے عرفان دے

حضرت محمودؒ کا صدقہ مجھے ایمان دے

واسطہ خواجہ علیؒ کا فقر درویشانہ دے

واسطہ بابا سماسیؒ کا دل دیوانہ کر دے

اے خدا بہر جناب شیر حق میرؒ کلال

حرص دنیا کو مرے بتخانہ دل سے نکال

دے مجھے صبرورضا صدقہ بہاء الدینؒ کا

کر مجھے صحت عطا صدقہ علاؤالدینؒ کا

دے میرے دل کو سکوں یعقوب چرخیؒ کے طفیل

حضرت احرارؒ کے صدقہ میں دھودے دل کا میل

حضرت زاہدؒ کے صدقے میں مجھے زاہد بنا

حضرت درویشؒ کے صدقہ دے فقر و غنا

خواجہ املنگیؒ کا صدقہ داغ عصیاں کو مٹا

حضرت باقیؒ کا صدقہ دے بقاء بعد از فناء

شیخ احمدؒ کے لیے غیروں کی منت سے بچا
صرف اپنا ہی مجھے محتاج رکھ اے کبریا
واسطہ عبد الاحدؒ کا مالک ارض و سماء
کر مجھے ایمان اور توحید کی دولت عطاء
کھول دے دل کی کلی بہر سعیدؒ نامدار
تاکہ میرے گلشن امید میں آئے بہار
حضرت معصومؒ کا صدقہ دکھا کوئے رسول ﷺ
بس رہی ہے جس میں ابتک بوئے گیسوئے رسول ﷺ
اے خدا بہر جناب خواجہ حنفیؒ پارسا
وقت آخر نزع کی تکلیف سے مجھ کو بچا
بخش دے شیخ محمد کے لیے میری خطاء
واسطہ خواجہ زکیؒ کا اپنی الفت کر عطاء
واسطہ خواجہ زمانؒ کا دے مجھے ذوق فنا
بہر احمدؒ قبر میں ہو نور احمدؒ کی ضیاء
اے خدا بہر جناب خواجہ حاجی شاہ حسینؒ
دے میرے بے چین دل کو دین اور دنیا میں چین
حشر میں جب ہو ترے دربار میں میرا قیام
ہاتھ میں ہو میرے دامان نبی بہر امامؒ
بہر حضرت میر صادق صاحب صدق و صفا
سرخرو رکھ دو جہاں میں مجھ کو اے میرے خدا

واسطہ یا رب تجھے خواجہ امیر الدینؒ کا
دے مجھے علم و حیاء رزق و شفاء صبر و غناء
واسطہ دیتا ہوں یا رب میں تجھے اس نام کا
جو ہمیشہ تیری محبوبی کے گن گاتا رہا
عشق میں جس کے دل حسرت زدہ دیوانہ ہے
شرقپور اب جس کے باعث نور کا کاشانہ ہے
اے خدا کیا نام پیارا ہے تیرے محبوب کا
حضرت شیر محمد صاحب جود و سخا
قطب دوراں شیخ عالم ہادیٔ راہ صفاء
نائب شمس الضحےٰ بدر الدجیٰ صدر العلےٰ
اے خدا صدقہ حضرت میاں صاحبؒ کے نام پاک کا
حشر میں ہم عاصیوں کو ظل رحمت میں چھپا
اے خدا بہر جناب حضرت ثانی لاثانی قبلہ گاہ
ہم سیہ کاروں کو اپنی رحمتوں میں دے پناہ
ثانیء اثنین کے صدقے میں اے رب جلیل
اس جہاں کی زندگی ہو تابع سنت خلیل
اے خدا صدقے میں ان ناموں کے دل کو شاد کر
کفر کو برباد کر اسلام کو آباد کر

رباعی

برلوح مزار حضرت شیر ربانیؒ

حضرت شیر محمد آفتاب علم و دیں
جلوۂ آئینۂ انوار رب العالمیں
معدن جود وسخاء چشمۂ صدق وصفا
ناقصوں پر ہو کرم بہر محمد مصطفٰےؐ

چونکہ دنیا کی حقیقت غائظ و مزبلہ سے زیادہ نہیں۔اس لیے اس کے مزخرفات لذائذ سے اجتناب و اعراض بہت ہی ضروری ہے۔اہل اللہ پر مزخرفات دنیوی بلکہ خود دنیا مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے یہ دنیا اور اس کے مزخرفات دراصل ہوس اور حرص کے منظر و مظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خواجگان سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ایہہ دنیا زن حیض پلیتی''

تاریخ شاہد ہے کہ یہ مظاہر بارہا اولیاء اللہ کو اپنے دامن تزویر میں لانے کیلئے کوشاں ہوئے حضور سیدنا غوث اعظمؒ کا مشہور واقعہ ہے شیطان رجیم آپؒ کے سامنے مطلع روشنی و انوار کی صورت میں ظاہر ہوا اور آپکوؒ دائرہ عبدیت سے خارج کرنے کی سعی لاطائل کی۔پھر ان کے توکل و تبتل پر ضرب کاری لگانے پر ساعی ہوا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے راسخ الولایت ولی تھے کہ ابلیس مطرود آپ کو اپنی تلبیس میں نہ لا سکا اور آپؒ **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** کی برکات سے اس کے وار سے محفوظ رہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب شریف میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کہیں سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک محفل آراستہ ہے جہاں طرح طرح کے ماکولات و مشروبات موجود تھے حاضرین کی خدمت کے لیے زرق برق لباس میں غلمان و خدام و قیع و وجیہہ لوگوں کے دائیں بائیں پھر رہے تھے۔وہ بزرگ حیرت و استعجاب میں پڑ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے حجاب رینی اٹھا دیا تو وہ محفل اور مقام مزابل (اروڑی) میں بدل گئے۔اس طرح بزرگ پر حقیقت دنیا واضح ہوئی تو ان کے ایمان و ایقان میں اور اضافہ ہوا۔

اسی طرح جب حضرت سیدنا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس شمہ ٔ غائط یعنی فضلے کے پاس سے گزرے جو ظاہر اً زرق برق کا روپ دھارے ہوئے تھا اور مزخرفات دنیا کی ارزل ترین شکل تھی۔ اس نے آپؒ کو دامِ تزویر میں لانے کی کوشش کی لیکن چونکہ حضرت میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک محفوظ و مصون ولی تھے اس لیے شریعت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپؒ کی کماحقہٗ حفاظت فرمائی اور آپؒ نے شریعت مطہرہ کا علم اس شان سے بلند رکھا جو ایک ولی حق سے متوقع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ دامِ تزویر ابلیس میں آنے سے محفوظ رہے اور لوگوں کی راہنمائی بھی فرما دی کہ شریعت مصطفےٰ ﷺ کی پیروی بلاشبہ دنیائے دوں کے چنگل میں نہیں آنے دیتی خواہ وہ کیسی دلکش و جاں نواز ہو۔

عکسِ حیات

نام:	حاجی فضل احمد مونگا
تخلص:	تسلیم
والد:	حاجی فضل الٰہی مونگا
بیعت:	حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ
ولادت:	بروز پیر 17 اپریل 1930ء بمطابق 8 ذی قعدہ 1348ھ
تعلیم:	میٹرک (گورنمنٹ ہائی سکول شرقپور شریف)
قید و بند:	بسلسلہ تحریک پاکستان (1948-1946ء) و تحریک ختم نبوت (1953ء) بہ پیر و مرشد حضور قبلہ میاں غلام اللہ ثانی لاثانی رحمتہ اللہ علیہ
-2	1953ء تحریک ختم نبوت
حج کی سعادت:	1946ء بہمراہ حضور قبلہ میاں غلام اللہ ثانی لاثانی صاحب
-2	1948ء
مصروفیات:	کتب بینی، شاعری، سماجی کارکن، دکانداری، کاشتکاری، کاروبار
علمی و ادبی کام:	شاعری، حدیث دلبراں (نثر) تصنیف و تالیف، انشاء پردازی، مضمون نگاری
رجحان:	مذہبی و ادبی
مشغولیت:	عبادت و ریاضت
احباب:	بشیر حسین ناظم، محمد انور قمر شرقپوری، علامہ نصرت نوشاہی شرقپوری، ثناء اللہ بٹ، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی
راز و نیاز:	پیر و مرشد حضرت ثانی لاثانی رحمتہ اللہ علیہ، والد گرامی حاجی فضل الٰہی مونگا رحمتہ اللہ علیہ حضرت میاں جمیل احمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف۔
شادی:	1951ء 1، 2 1971ء
صاحبزادگان:	انوار احمد، مختار احمد (مرحوم)، نثار احمد، افتخار احمد، ابرار احمد، سرکار احمد
وصال:	بروز پیر 20 اکتوبر 2003ء بمطابق 23 شعبان 1424ھ

الحاج حاجی فضل احمد صاحب مونگا شرقپوریؒ

برگزیدگی کی ایک روشن علامت

آپ کی ولادت ووصال پیر جیسے مبارک دن کو ہوا جو بارگاہ خداوندی کے ساتھ ساتھ دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے برگزیدہ ہونے کا واضح ثبوت ہے

ولادت: بروز پیر 4 بجے صبح 8 ذی قعد 1348ھ بمطابق 7 اپریل 1930ء

وفات: بروز پیر 4 بجے صبح 23 شعبان 1424ھ بمطابق 20 اکتوبر 2003ء

پیر کا دن اسلامی معاشرہ میں بڑا مبارک ہے اور صبح 4 بجے کا وقت نیک لوگوں کی عبادت کا وقت ہے اور یہ پیدائش ووفات کی یہ مطابقت حاجی صاحبؒ کی صالحیت کی واضح دلیل ہے

شجرہ جناب حاجی فضل احمد صاحب مونگاؒ

میاں سوداگر
|
میاں پیر بخش

میاں فیض اللہ — میاں محمد دین — میاں امام دین

میاں محمد دین کے بیٹے:

میاں الٰہی بخش — میاں جمال دین — میاں شیر محمد

میاں شیر محمد
|
لاولد

میاں الٰہی بخش
|
حاجی فضل الٰہی
|
حاجی فضل احمد

حاجی فضل احمد کی اولاد:

انوار احمد — مختار احمد مرحوم — نثار احمد — افتخار احمد — ابرار احمد — سرکار احمد — بیٹی (نرگس فاطمہ)

انوار احمد: محمد جنید مرحوم — محمد یحییٰ

نثار احمد: محمد عبداللہ

افتخار احمد: محمد سدیم احمد

ابرار احمد: محمد احمد

بیٹی (نرگس فاطمہ): فاروق احمد — صبور احمد

تیسرے ایڈیشن کی بات

حاجی فضل احمد مونگا ؒ نہایت خلیق انسان تھے اور بڑی مرنجاں مرنج طبیعت پائی تھی۔ ان کی گفتگو میں پاکیزگی تھی۔ وہ شگفتہ اور ستھری تحریر کے بھی مالک تھے۔ انہوں نے حدیث دلبراں لکھی تو صاحبِ تصنیف بھی بن گئے۔ ہر صاحب علم نے اس کتاب کو بے حد پسند کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ تیسرا ایڈیشن چھپوانے کی وہ تمنا رکھتے تھے لیکن زندگی ان سے روٹھ گئی۔ اُن کی خواہش اور ارادے اُن کے ساتھ چلے گئے۔

حدیث دلبراں اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کے مستند حالات کا مرقع ہے اس کتاب کی تحریر کا آغاز حضور قبلہ ثانی صاحبؒ کے دور میں ہو گیا تھا۔

حضور قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حاجی فضل الٰہی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر ایک ایسی کتاب ہونی چاہیے جس میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہ کی جائے۔ صرف وہ باتیں ہوں جو اعلیٰ حضرتؒ سے ہی متعلق ہوں یہاں تک کہ اگر انہوں نے کوئی بات پنجابی میں کی ہے تو وہ پنجابی میں ہی لکھی جائے اور اگر فارسی میں بیان کی ہے تو اسے فارسی میں ہی لکھا جائے۔ یہ دونوں بزرگ اعلیٰ حضرت شرقپوریؒ کے حالات پر گفتگو کرتے اور حاجی فضل احمد مونگا رحمتہ اللہ علیہ اسے لکھتے جاتے۔ اگر حضور ثانی صاحبؒ ہم سے جدا نہ ہوتے تو شاید اور بہت کچھ اس کتاب کا حصہ بن جاتا۔

کتاب کا مسودہ الماری میں پڑا رہا اور کم و بیش 37 سال بیت گئے کتاب پریس میں نہ جا سکی۔ چنانچہ 1993ء میں یہ کتاب منظر عام پر آئی اور پھر بہت جلد دوسرا ایڈیشن بھی نکل گیا ابھی بہت سے لوگوں کی تمنا تھی کہ کتاب انہیں بھی ملے۔ حاجی صاحب تیسرے

ایڈیشن تک انتظار کرنے کو کہتے لیکن ان کی اچانک وفات نے تیسرے ایڈیشن کا وعدہ پورا نہ ہونے دیا۔

اب ان کی وفات کے دو سال بعد یہ سعادت میرے نصیب میں آئی ہے کہ میں اُن کی خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے محبان میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی خدمت میں تیسرا ایڈیشن پیش کروں۔ کتاب میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ من وعن شائع کی جارہی ہے تاہم حاجی صاحبؒ کی شخصیت ہر دل کے لئے محترم تھی۔ ان کی ذات کا تعارف کرانا ہم نے ضروری خیال کیا ہے۔

اور مناسب خیال کرتے ہوئے ان کے احباب کے کچھ تاثرات بھی شامل اشاعت کئے جارہے ہیں۔ تاکہ آنے والے دور کے لوگ حاجی صاحبؒ کی ذات اور شخصیت کے مزید گوشوں سے آشنا ہوسکیں۔

احقر

افتخار احمد مونگا شرقپوری

صاحبزادہ حاجی فضل احمد مونگا شرقپوری

مصنف حدیث دلبراں

صاحبِ قلم

حاجی فضل احمد مونگا صاحبؒ انشاء پرداز تھے ان کے مضامین اور تحاریر بڑی جامع اور جاندار ہوتی تھیں وہ ان مختلف اوقات میں لکھی گئی تحریروں کو یکجا کر کے کتابی شکل دینا چاہتے تھے کافی کام ہو چکا تھا لیکن زندگی نے جلدی ساتھ چھوڑ دیا اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔ حدیث دلبراں میں ان کی نیک سوچ اور طرز نگارش دیکھی جا سکتی ہے۔

سوانح حیات میں یہ بات باکمال ہے جسے آپؒ نے اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ کے حالات و واقعات کی روشنی میں لکھ کر ایک عظیم کام کیا ہے۔ یہ کتاب اس عزم و ارادہ کی تکمیل میں لکھی گئی جو حضور قبلہ ثانی لاثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حاجی فضل الٰہی مونگا (والد ماجد حاجی فضل احمدؒ) کی گفتگو میں ہوا۔ حضور ثانی صاحبؒ نے فرمایا فضل الٰہی دل چاہتا ہے کہ سرکار شرقپوریؒ کی زندگی کے واقعات اس انداز سے لکھے جائیں کہ اس میں ذاتی حالات و کیفیات بیان نہ ہوں اور نہ ہی انہیں دیگر حضرات کے واقعات سے وابستہ کیا جائے۔ اس کتاب کو ہم دونوں مل کر لکھیں جو ہمارے مشاہدات کی روشنی میں ہوں سرکار شرقپوری نے جو بات جس زبان جس انداز اور جس رنگ میں فرمائی ہے اسے ویسا ہی لکھا جائے۔

یہ گفتگو اور عزم دو بزرگوں کے درمیان تھا۔ دو جانی دلبروں کے درمیان تھا اس لیے اس کتاب کا نام حدیث دلبراں رکھا گیا۔ یہ گفتگو اس وقت ہوئی جب حاجی فضل احمد کی عمر پختہ نہ تھی۔ لہٰذا یہ گفتگو بس گفتگو کی حد تک رہی عملی قدم نہ اٹھایا جا سکا۔ تاہم ثانی صاحب قبلہ کے اس ارادے کا ذکر حاجی فضل احمد کے روبرو کئی بار ہوتا رہا۔ پھر مولانا حضرت غلام محمد ترنم صاحب مرحوم نے یہ کام کر دکھانے کی اشتعالک حاجی فضل احمد مرحوم کو دی لہٰذا

حضور شرقپوری سرکار کے حالات لکھنے کا ارادہ حاجی فضل احمدؒ صاحب نے کر لیا۔ وہ جو باتیں والد محترم سے سماعت فرماتے انہیں اپنے انداز میں ضبط تحریر کرتے جاتے۔ حاجی فضل الٰہی صاحبؒ انہیں دوبارہ سن لیتے اور کانٹ چھانٹ کروا دیتے۔ یہ تحریریں 450 صفحات تک پھیل گئیں جن میں قطع و برید بہت زیادہ تھی حضور ثانی صاحبؒ کا وصال 1957ء میں ہو گیا جبکہ حاجی فضل الٰہیؒ اپریل 1980ء میں وفات پا گئے مگر یہ مسودات محفوظ حالت میں پڑے رہے آخر 1992ء میں اس کتاب کی اشاعت کا ارادہ کیا گیا۔ حاجی صاحب نے ان مسودات کو پھر سے پڑھا نوک پلک سنواری دیگر صاحبان علم و ادب سے مشورہ کیا اور نہایت خوبصورت انداز میں 340 صفحات پر مشتمل 1993ء میں یہ کتاب شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ گئی۔ اس کتاب کو قیمتاً نہیں بیچا گیا بلکہ حاجی فضل الٰہی (والد محترم) حاجی فضل احمد اور دیگر متعلقین کی مغفرت کی دعاؤں کے ہدیہ ہی میں مفت تقسیم کیا گیا کتاب جس کے ہاتھ میں آئی اسی نے تعریف کی عقیدت مندوں نے خطوط لکھ لکھ کر منگوائی یہاں تک کہ 1997ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔ صاجزادہ حضرت میاں جمیل احمد صاحب نے فرمایا اس کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گا۔

ستمبر 1993ء کے ماہنامہ نور اسلام نے کتاب پر یوں تبصرہ کیا۔

زیر نظر کتاب ''حدیث دلبراں'' اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو جناب حاجی فضل احمد صاحب مونگا شرقپوری نے اپنے والد گرامی حاجی فضل الٰہی مونگا رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ واقعات کی روشنی میں لکھی ہے حاجی فضل الٰہی مونگا رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور آپ کے برادر حقیقی سجادہ نشین حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد خصوصی تھے اتنے مقرب ہونے کی بنا پر حاجی صاحب موصوف نے

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کے مختلف واقعات پر عینی شاہد ہونے
کی حیثیت سے آپ کے حالات کو من وعن قلمبند کرنے کی سعی فرمائی ہے اور یہ کتاب
حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں زیادہ جامع
تصنیف ہے حاجی فضل احمد نے حاجی فضل الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے فرمودات کو جدید تقاضوں
کے مطابق ڈھال کر عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ جس سے ہر
قاری کو حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ علماء
دیوبند سے حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات اور حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ
علیہ کے ساتھ آپ کی ملاقات کو واضح طور پر بیان کر کے لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کیا
گیا ہے اور آپ کے اجداد عظام، پیدائش، بیعت، خواجگان مکان شریف سے آپ کی
عقیدت ومحبت حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے
روحانی تعلق آپ کے تصرفات ومکاشفات، تبلیغ مسلک اور معمولات پر سیر حاصل تبصرہ کیا
گیا ہے گویا اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی عملی زندگی کے ہر گوشہ کی واضح کرنے کی
کوشش کی گئی ہے۔ حاجی فضل احمد شرقپوری دور جدید کے تقاضوں کے مطابق منفرد اسلوب
میں اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات کی تالیف واشاعت کے لئے
مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ نے اس کی اشاعت کر کے سلسلہ عالیہ نقشبد یہ مجددیہ شرقپور
شریف کے متوسلین پر احسان عظیم کیا ہے اور خواجگان شرقپور شریف سے عقیدت ومحبت کے
اظہار کا انوکھا اور نرالا طریقہ اپنایا ہے اگر ایسا طریقہ ہر پڑھا لکھا صاحب ثروت مخیر
عقیدت مند اپنائے تو بزرگان دین کی تعلیمات کو عام کرنے میں بہت آسانی پیدا ہوسکتی
ہے اور عقیدت کے اظہار کا عملی مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ کتاب بہت عمدہ کاغذ بہترین
کتابت اور شاندار جلد کے ساتھ مزین کی گئی ہے یہ کتاب ایمان کی تروتازگی کے لئے ہر

نقشبندی مجددی کے پاس ہونی چاہیے۔

خواہشمند حضرات افتخار احمد مونگا فرزند مصنف حدیث دلبراں حاجی فضل احمد مونگا (مرحوم) سے ان نمبروں پر رابطہ کر کے لی جا سکتی ہے۔

مرتب

(انور قمر شرقپوری)

Residence:042-7469800

Office:042-7929700

Mobile:0300-4919600

تاثرات

-1 حاجی فضل احمد مونگا کو مبدء فیاض سے گوناں گوں اوصاف ودیعت ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تو ایک صوفی باصفا کی صورت میں نمایاں ہو سکتے تھے۔ سیاست میں آتے تو میدان مارتے، خطابت اپناتے تو بہترین خطیب ہوتے، علم وادب سے وابستہ رہتے تو ادیب دوراں ہوتے۔ شاعری کے تمسک کرتے آج کے شعراء میں اعلیٰ مرتبے کے مالک ہوتے۔ بحیثیت شاعران کا تخلص تسنیم تھا۔ انہوں نے نظم ونثر کے اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ ان پر لکھی جانے والی کتاب میں بسط وکشاد سے کیا جائے گا۔

اے صبا اے پیکر دور افتادگاں
اشک ما بر خاکِ پاک اُو رساں

بشیر حسین ناظم
(تمغۂ قائداعظمؒ)
(تمغۂ حسن کارکردگی)
(علامہ اقبال خصوصی گولڈ میڈل)

سابق مشیر وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد

-2 مجھے اس خبر نے تڑپا کے رکھ دیا کہ حاجی فضل احمد مونگا صاحب وفات پا گئے ہیں میں اس خبر پر بالکل یقین نہیں کر رہا تھا کیونکہ دو دن قبل قبلہ ثانی صاحب کے عرس مبارک کے موقعہ پر وہ مجھے ملے اور بغل گیر ہوئے آج ہی میرے ہاں آنے کا وعدہ تھا۔ انہوں نے وعدہ تو نبھالیا آئے بھی مگر سفید کفن پہن کے چپ تھے دوسرے سب رو رہے تھے۔ وہ جو خود کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ آج کی اشکبار آنکھوں کو دیکھ

ہوئے بھی چپ ہیں وہ چپ ایسے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے چپ ہیں اسے تو روٹھنا آتا ہی نہ تھا۔ وہ تو دلوں میں بستا تھے دلوں کو سکون دیتا تھے مگر آج چپ ہے آج وہ رونے والوں کے سسکیاں خاموشی سے سن رہیں ہیں۔

مصروفیات حیات کے بحر میں رہتے ہوئے دامن تر نہیں ہونے دیا اچھے، بلند خیالی اور پاکیزہ مقصد پر نگاہ رکھی پست خیالی کو قریب نہیں آنے دیا وصال محبوب حقیقی کے لئے مضطرب بھی رہے اور کوشاں بھی اور جب بھی محبوب نے اشارہ کیا سر بہ خم ہو گئے آج کے طویل سفر پر اچانک نکلنے میں اس اشارے کی تعمیل ہے کہ سب کو روتا چھوڑ کر اُس جہان میں جا بسے جہاں سے اُن کی آواز بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتی ہے وہ یادوں کے انبار دلوں میں چھوڑ کر خاموشیوں کے شہر میں جا بسے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شاد کام فرمائے۔

ایک بندہ سوگوار

محمد انور قمر شرقپوری

شرقپور شریف

3- میرے والد محترم حاجی فضل احمد مونگاؒ ایک شفیق، اعلیٰ ظرف اور بلند اخلاق شخصیت کے مالک تھے ان کا روّیہ میرے ساتھ باپ کا کم اور دوست کا زیادہ تھا وہ میرے ساتھ دنیا کے ہر موضوع پر گفتگو کر لیا کرتے تھے وہ بہت محبت کرنے والے باپ تھے۔ خوفِ خدا اور عشقِ محمد ﷺ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا انہیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا جنون تھا جماعت کے وقت وہ کھانا پینا حتیٰ کہ بڑے سے بڑا کام چھوڑ دیا کرتے تھے۔ تہجد کے وقت جب بھی میری آنکھ کھلتی تو میں نے والد صاحب کو اللہ کی یاد میں روتے ہی دیکھا مگر میں اس وقت قصداً بستر پر ہی پڑا رہتا تا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قرب میں کوئی خلل نہ آئے وہ اپنے پیاروں کے لئے تہجد کے وقت رو رو کے دعائیں کرتے۔

والد صاحب خود بھی لوگوں کی دعاؤں کے مطلوب رہتے تھے۔ وصال سے دو سال قبل والدِ گرامی نے مجھے بھی اپنے ساتھ داتا حضورؒ لے جانا شروع کیا وہ ہمیشہ برآمدے میں مزار کے قبلہ رُخ غلام گردش کے زیرِ سایہ بیٹھا کرتے فارغ ہو کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی چلہ گاہ کے پاس کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر تین دفعہ یہ شعر پڑھا کرتے۔

برآستانِ تو ھر کس رسید مطلب یافت

روا مدار کہ من نا امید برگردم

اور مجھے بھی پڑھنے کی تلقین کیا کرتے والد صاحبؒ کا اعلیٰ حضرتؒ سے قلبی لگاؤ اس درجہ کا تھا وہ جب تک زندہ رہے اعلیٰ حضرتؒ کے پیرومرشد حضرت خواجہ امیر الدینؒ کوٹلہ شریف اور اعلیٰ حضرتؒ کے دادا پیر حضرت خواجہ امام علی شاہؒ صاحب کے عرس پر ضرور جایا کرتے تھے والد صاحب کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی خود بھی سچی اور کھری بات کیا کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ عادت بہت ہی اچھی تھی کہ سچی بات ہمیشہ منہ پر کر دیا کرتے تھے۔ والد گرامی کی نبی ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کوئی نبی پاک ﷺ کا نام لیتا ان کی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے۔ والد صاحب ہر وقت باوضو رہتے اور درود شریف کثرت سے پڑھا کرتے میں نے ایک دفعہ سوال کیا کہ آپ کتنی بار درود پاک پڑھ چکے ہیں فرمایا کہ بارہ کروڑ مرتبہ پڑھنے کا ارادہ ہے جس ادب اور شوق و نیاز سے وہ درود پاک پڑھا کرتے اس سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ انہوں نے بفضلِ تعالیٰ اپنا ارادہ پورا کر لیا تھا۔ والد صاحب کو اولیاء کرام سے بڑی محبت تھی اور ان کے مزارات پر بڑی عقیدت سے حاضری دیا کرتے تھے۔

لاہور گوالمنڈی 55 ریلوے روڈ۔ پر حکیم موسیٰ صاحب امرتسری کا مطب ہے جہاں میں والد صاحب کے ساتھ اکثر جایا کرتا حکیم صاحب قبلہ بڑی محبت سے پیش آتے

ایک دفعہ مجھے پیٹ کی تکلیف محسوس ہوئی اور اکیلے مجھے ان کے مطب جانے کا اتفاق ہوا تو حکیم موسیٰ صاحب قبلہ بڑے پیار سے پیش آئے اور مجھے فرمانے لگے میاں شیر محمد شرقپوری نے اپنے وجودِ مسعود سے شرقپور شریف کو زندہ کر دیا ہے اور حدیث دلبراں لکھ کر آپ کے والد حاجی فضل احمد مونگا ؒ نے اپنے آپ کو زندہ کرلیا ہے قارئین سے درخواست ہے کہ دعا کریں اللہ پاک حدیث دلبراں، سوانح حیات اعلیٰ حضرت شرقپوری سرکارؒ کے مصنف حاجی فضل مونگہؒ کی قبر کو منور کرے اور یہی کتاب نبی پاک ﷺ اور اعلیٰ حضرت سرکار شرقپوریؒ کے صدقے ان کی عاقبت کا سامان بنے۔ آمین

دام سیمین تخیل ہے تیرا آفاق گیر

کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر

4- حاجی فضل احمد مونگا شرقپوری رحمتہ اللہ ایک ایسی برگزیدہ ہستی کہ جن کا خیال آتے ہی قلب وذہن کی فضا معطر ہو جاتی ہے۔ فنافی الرسول اور فنافی الشیخ ایسے کہ اُن کی گفتگو کا مرکز ومحور ہمیشہ ذات مصطفیٰ ﷺ اور فیوضات پیرومرشد رہا۔ اگران کے ابتدائی ایام زندگی یا نجی تربیت کی بات چھڑتی تو اپنے والد گرامی حضرت فضل الٰہی مونگاؒ کا تذکرہ نہایت عقیدت واحترام سے کرتے آپ کی عقیدت باطنی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا ''نسبتِ شرقپوری'' آپ کے علم وفضل، ایمان وتقویٰ اور فہم وفراست کی خصوصیت بنا رہا۔ مرید باصفاء ایسے کہ اپنے پیرومرشد کے علوم ومعارف کے امین بنے رہے۔ حلیم الطبع ایسے کہ میں نے انہیں کبھی کسی سے بھی سخت لہجہ میں بات کرتے نہ دیکھا، رقیق القلب ایسے کبھی قہقہ نہ لگایا بلکہ زیرلب تبسم فرماتے۔ شرم وحیا کا ایسا پیکر کہ اکثر نگاہیں جھکائے رکھتے، زہد وتقویٰ میں پختگی کا یہ عالم کہ سنت رسول ﷺ پر سختی سے کاربند رہے، نفاست اتنی کہ ہمیشہ باوضو رہتے لباس سادہ مگر پاکیزہ ہوتا۔ عجز وانکساری کا ایسا مرقع کہ خودنمائی کو سخت ناپسند فرماتے

فکر بہت دوررس اور مجتہدانہ تھی۔ استحضار ذہنی اور قوت یادداشت کے تو کیا کہنے؟ کسی بھی بزرگ، صوفی، ولی، نعت خواں یا نعت گو شاعر کے بارے میں سوال کیا جاتا تو مستند حوالوں سے مدلل جواب دیتے گویا کہ آپ روحانی سلاسل کے چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا تھے۔ انہی کی نسبت سے نہ صرف مجھے بلکہ میرے دیگر دوستوں کو محافل ذکر ونعت میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ عبادت و ریاضت میں اس قدر مستقل مزاج کہ ماہانہ محفل گیارہویں شریف کا انعقاد بغیر کسی وقفہ کے تقریباً نصف صدی سے (تادم آخر) جاری وساری رکھا شب زندہ دار تھے۔ نوافل اور وظائف بھی پابندی سے ادا کرتے رہے یہ میرے لیے یقیناً بہت بڑی سعادت ہے کہ میں اُس نابغہ روزگار شخصیت کی تصنیف 'حدیث دلبراں' میں جگہ پا رہا ہوں۔ قبلہ حاجی صاحبؒ نے اپنے اکابر، آباء وآجداد اور دیگر بزرگان کے خصائل و اقوال اور بالخصوص میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے ملفوظات وارشادات اور انکی دینی وروحانی مصروفیات اور خدمات کا تذکرہ جس نفیس، سلیس، دل نشیں اور جامع انداز میں کیا ہے اس سے ایک طرف ان کی اپنے اسلاف سے والہانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف ان کی شخصیت کے علمی، ادبی، تحقیقی اور فکری پہلو عیاں ہوتے ہیں۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!)

خاکپائے اولیاء وثناخوانِ رسول ﷺ

عبدالوحید (معلم) ایچی سن کالج لاہور

ایم اے انگلش، ایم ایس سی ماس کمیونی کیشن

اخلاص پرور

دنیا میں کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو اللہ جل جلالہٗ کی رضا جوئی کے لئے دوسرے
انسانوں سے بے لوث محبت کا دم بھرتے ہوں گے اور احترام آدمیت کا جذبہ لئے ہوئے کم
ایسے ہوں گے جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینے کے عادی ہوں، میں نے ایک شخصیت
ایسی پائی ہے جس میں موجود ان اوصاف نے مجھے ان کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا حاجی
فضل احمد نام تھا۔ بہت اچھے دوست ملنسار اور اپنی مثال آپ تھے۔ بڑے خوش وضع، خوش
گفتار اور خوش اطوار۔

اپنے ذاتی معاملات میں جو بھی تھے ہمیں اُن سے غرض نہیں۔ ہم تو قریبی
تعلقات اور قلبی لگاؤ پر نظر رکھتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حاجی صاحب اپنی ادا و وقار میں ممتاز تھے
وہ ہم ایسے بے وفاؤں کے ساتھ بوجہ اللہ محبت کرتے تھے "نہ ستائش کی تمنا، نہ صلہ کی پروا"
کے مصداق اپنی محبت کے جواب میں صرف محبت ہی کے طلبگار رہتے تھے۔ دوستوں سے
ملتے جلتے رہنے کو پسند کرتے مسکراہٹیں بکھیرتے اور دوسروں کو مسکراتے رہنے کا خوگر بنانے
میں مددگار ثابت ہوتے تھے۔

حاجی صاحب کے اندر خلوص کا ذخیرہ جمع تھا۔ جسے وہ بے دریغ بانٹتے تھے۔ اس
لئے دوستوں کو ان سے بہت کم گلہ رہا۔ جب ملتے جہاں ملتے اور جس وقت بھی ملتے خندہ
پیشانی ان کا اسلوب تھا اخلاص کا ایک نکھار ان کے چہرے پر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ ذاتی
مفادات سے بے نیاز دوستوں کے مفادات کو عزیز رکھنا ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا
تھا۔

مدتوں پہلے ان سے شناسائی ہوئی۔ وہ بھی ہم دونوں کے والدین کے قدیم مراسم

کے حوالے سے۔ ایک دوسرے کے ہاں اکثر آنا جانا تھا۔ اس لیے حاجی کے ساتھ میری رفاقت کی گہرائی میں کوئی زیادہ دیر نہ لگی۔ وقت کے ساتھ آپس میں شیر وشکر ہوتے چلے گئے۔ دوسرا میرا اُن سے محبت کا ایک اور رشتہ علم وادب کے ذوق وشوق کے حوالے سے قائم ہوا۔ یہاں تک کہ دلوں کے فاصلے بھی نہ رہے۔

سکول کی تعلیمی زندگی میں یہ قرب تو تھا ہی لیکن حصولِ آزادی کے دنوں جس تحریکی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ تازہ ولولہ رکھنے والے دوسرے نوجوانوں کے ساتھ ساتھ (جن میں بشیر حسین ناظم صاحب۔ سالارِ کارواں جناب الحاج ظہیر نیاز بیگی مرحوم وغیرہ قابل ذکر ہیں میں اور حاجی صاحب بھی آزادی کا نعرہ لگانے والے اور مسلم لیگ کا پرچم اٹھانے والے خوش قسمتوں میں شامل رہے۔ حتیٰ کہ انگریزوں کے خلاف بڑھتی نافرمانی کی تحریک میں گرفتاری دینے والے ہراول دستوں میں حاجی صاحب اپنی چڑھتی جوانی کے ساتھ آگے نظر آتے تھے۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے آزادی کے متوالوں کا دل بہلانے اور حوصلہ بڑھانے میں بھی حاجی صاحب نے بڑا موئثر کردار ادا کیا۔ موت نہ جانے کیا ہے کہ بڑے بڑے کام کے آدمیوں کو دنیا سے اُٹھا کے لے جاتی ہے۔

حاجی فضل احمدؒ شعر وشاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ تسنیم تخلص کرتے تھے۔ مدتوں پہلے گنگناتے رہتے تھے کچھ کہتے تھے، کچھ سناتے تھے۔ نہ جانے پھر کیا ہوا چُپ سادھ لی زیادہ ترسنتے اور سنانے سے معذرت کر لیتے شرقپور شریف میں مشاعروں کی محفلوں کی ابتداء غالباً حاجی صاحبؒ ہی نے کی تھی مجھے خوب طرح سے یاد ہے اپنی شادی خانہ آبادی کے موقع پر انہوں نے ایک شاندار محفل مشاعرہ کا اہتمام کرایا تھا۔ جس میں ملک کے بلند پایہ شعراء کے علاوہ اس میں حضرت احسان دانشؒ، رقم الحروف کے اُستادِ سخن ابروارثی عزیز حاصل پوری بھی شامل تھے۔

حضرت شمس مینائیؒ کی غزل کے یہ اشعار

یہ زمیں گر ہے میرا مکاں وہ مکین عرش بریں سہی
مگر اے فلک نہ ہوں دل جدا میں کہیں سہی وہ کہیں سہی
نہ تو ناز سے نہ ادا سے ہے، غرض اپنی حُسن وفا سے ہے
میرے عشق کو نہ بُرا کہیں، وہ اگر حسیں ہیں حسیں سہی
گل یاسمین و سمن نما ہیں فکر شمس غزل سرا
نہ سہی شگفتہ غزل اگر تو شگفتہ رنگ زمیں سہی

اور جناب احسان دانش کے سہرے کے یہ اشعار جو وہ خاص طور پر حاجی صاحبؒ کی شادی پر کہا تھا۔

مبارک تجھ کو اے تسنیم یہ شادی یہ گل باری
یہ رنگیں ساعتوں میں عہد و پیمان وفاداری
یہ رسم تو عروسی اور یہ انداز زیبائی
مبارک وہ تمہیں اہتمام خانہ آرائی
مجھے اس تہنیت کے وقت میں کچھ اور ہے کہنا
میں شاعر ہوں میرا یہ فرض ہے بیدار کر دینا
یہ جبری سلسلہ کیف طرب سے دور ہوتا ہے
دماغ زندگی میں دائمی ناسور ہوتا ہے
میں اس گونگی روش کو رسم صیادی سمجھتا ہوں
جو دو دل ایک ہو جائیں اسے شادی سمجھتا ہوں

آج بھی راقم الحروف کے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔

علم و ادب سے شغف کے علاوہ حاجی صاحبؒ نے سماجی کارکن کی حیثیت سے بھی بڑا کام کیا لوگوں کے اجتماعی مسائل کے حل اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے علاقائی اور شہری سطح پر چند ایک انجمنوں کی تشکیل بھی کی جن کے ذریعے کافی عرصہ تک لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہا۔

شرقپور شریف کے علاقے میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات منانے اور جلوس نکالنے کی روایات تو بہت قدیم سے چلی آ رہی ہیں، لیکن حاجی صاحبؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے یہاں کے سنی العقیدہ عوام میں مزید تازہ ولولہ پیدا کیا اور ایسی تقریبات کو شایانِ شان طریقے سے منانے اور ان کی رونق کو دوبالا کرنے کیلئے خاص قسم کی اشتہار چھپواتے، بازاروں اور گلیوں میں لگواتے۔ فرداً فرداً لوگوں سے ملتے اور ان میں تقریبات میں شامل ہونے کی ترغیب بیدار کرتے۔ انجمن غلامانِ رسول ﷺ کی بنیاد اسی مقصد کے لئے رکھی۔ ایسے بیدار دل اور دردِ دل رکھنے والے لوگ قوم کا نایاب سرمایہ ہوتے ہیں۔ اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رُخ زیبا لے کر حاجی صاحبؒ صرف میرے دل کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے تھے کہ قطب الاقطب شفاء الملت حضرت میاں نیک محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے اپنے خاص فیضان سے نوازا ہوا ہے اور کہا کرتے تھے کہ آپ کے فیضان کا اثر الحمدللہ اب تک میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں حضرت شفا الملت میاں نیک محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حاجی صاحب کے والد گرامی جناب حاجی فضل الٰہی مونگا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے باہمی روابط اور گہرے تعلقات ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ (ان کی یادوں کو تازہ کرنے کے لئے الگ باب کی ضرورت ہے) حاجی فضل احمد صاحبؒ اکثر اپنے والد بزرگوار کے پیغامات اِدھر لاتے اور حضرت شفا الملتؒ کے جوابی پیغامات اُدھر والد گرامی تک پہنچاتے تھے۔ شفا الملت کے ساتھ یہ عقیدت حاجی فضل احمد صاحب کو ورثہ میں ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ

وہ ہر سال حضرت میاں نیک محمد صاحب کی یاد میں منعقد کی جانے والی سالانہ محفل مبارک میں اپنی حاضری کو یقینی بناتے رہے اور حضرت علیہ رحمتہ کے لنگر میں درویشوں کی تواضع کے لئے بطور نذرانہ راقم الحروف کے سامنے پیش کرتے میں لینے میں تامل کرتا تو کہتے ۔آپ پر کوئی احسان نہیں یہ حضرت میاں نیک محمد صاحبؒ کی خدمت میں میرا ہدیہ نیاز ہے ۔بس دعا کی التماس ضرور ہے شفا الملتؒ زدی رحلت کے بعد آپ نے میرے ساتھ اپنے تعلقات میں مزید گہرائی پیدا کی ۔اپنی زندگی کے آخری لمحے تک مصاحبت کا یہ رشتہ برقرار رکھا۔ ملاقاتوں میں تاخیر ہو جاتی تو شکوہ کرتے اور بار بار ملتے رہنے کی آرزو کرتے ۔

ایک روز ہاتھ میں ایک مسودہ اٹھائے اچانک تشریف لائے ۔یہ کیا ہے؟ میں نے پوچھا ۔میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''ملاحظہ فرمایئے اور اپنی رائے دیجئے اور نظر ثانی کیجئے'' ۔سرورق پر حدیث دلبراں عنوان رقم تھی میں نے ورق گردانی کی حضرت میاں شیر محمد نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات و حالات پر مشتمل آپکے اندازِ تحریر نے مجھے تعجب میں ڈال دیا ۔حاجی صاحب مطالعہ کے عادی تھے ۔کتابیں گرد و پیش رہتی تھیں ۔ان کے والد بزرگوار کے پیرومرشد کی کتاب زندگی کا ہر وہ ورق عمل تو بالکل ان کے سامنے کھلا ہوا تھا پھر کیوں نہ ان کے قلب وذہن پر اسکی روشنی منعکس ہوتی ۔پُر تاثیر الفاظ شگفتہ تحریر اور عدیم الفرصتی کے باوجود ایسا اچھا کارنامہ انجام دینے پر میں نے حاجی صاحبؒ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی ۔کہنے لگے ۔''میاں صاحب! اس میں میرا کیا کمال ہے، لکھوانے والے نے خود ہی لکھوالیا ہے، ورنہ میری کیا ہمت تھی اور کیا بساط، خیال آنے کی دیر تھی کہ لکھنے بیٹھ گیا اور لکھتا ہی چلا گیا، بغیر کسی تعطل اور غفلت کے جب تک یہ کام مکمل نہیں ہو گیا ۔قلم میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ۔نظر ثانی کر دیجئے ۔حاجی صاحبؒ نے پھر کہا نظر ثانی کی ضرورت ہی نہیں میں نے عرض کی عنوان نفیس مضمون عبارات آرائی جچے تلے الفاظ سب ٹھیک ہے، تاہم میں نے

ان کے اصرار پر چند ایک مقامات پر اپنی رائے دی تو کہنے لگے۔ میاں میرے وجدان کا معاملہ ہے آپ یہ عبارت یونہی رہنے دیں۔ مطلب یہ کہ "حدیث دلبراں" حاجی صاحبؒ مرحوم کے صرف زور قلم کا نتیجہ ہی نہیں وجدان کا حصہ اور اسکی مقبولیت کا معاملہ ہے کہ اب تک اس کے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ چلے گئے ہیں۔

جو دوسروں کو اچھا جانتے اور اچھا کہتے ہیں، ایسے انسان خود بھی اچھے ہوتے ہیں حاجی فضل احمد صاحبؒ بہت اچھے انسان تھے انہیں اچھا کہنے والوں میں اکثریت اچھے لوگوں کی ہے اپنے مداحوں اور دوستوں کے دلوں میں وہ یادوں کے ایسے چراغ روشن کر گئے ہیں جن کی روشنی کسی وقت بھی کم نہیں ہو سکے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

صاحبزادہ علامہ نصرت نوشاہی شرقپوری

ایم۔اے، ایم۔او۔ایل (گولڈ میڈلسٹ)

فاضل درس نظامی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوشاہیہ شرقپور شریف

میں شکر گزار ہوں بشیر حسین ناظم صاحب (تمغۂ حسن کارکردگی) جو کہ والد صاحب کے پیر بھائی بھی ہیں اور دوست بھی ہیں اور ماسٹر محمد انور قمر صاحب کا بھی ممنون ہوں (جو کہ میرے اُستاد بھی ہیں) اور والد صاحب کے دوست بھی ہیں اور میں شکر گزار ہوں عبدالوحید صاحب کا جو کہ والد صاحب کے دوست اور میرے محسن ہیں جنہوں نے تیسرے ایڈیشن میں میری معاونت کی اللہ پاک ان تینوں صاحبان کی عمر، عمل، ایمان اور صحت میں برکت دے۔ آمین

احقر افتخار احمد شرقپوری (بیٹا)

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

قطعہ لوحِ مزار حضرت شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیر محمد آفتابِ علم و دیں
جلوۂ آئینۂ انوارِ ربّ العالمیں
معدنِ جود و سخا چشمۂ صدق و صفا
ناقصوں پر ہو کرم بہرِ محمد مصطفیٰ

کتبہ: یوسف نظامی